چلا مسافر سنگاپور

سفرنامہ

(سنگاپور۔ ملائشیا۔ تھائی لینڈ)



قمر علی عباسی

چلا مسافر سنگاپور

سفرنامہ (سنگاپور۔ملائشیا۔تھائی لینڈ)

چلا مسافر سنگاپور

قمر علی عباسی



ویلکم بک پورٹ اردو بازار کراچی



انتساب

نیلوفر عباسی کے نام
میرے ہر قدم کی ساتھی
میرے ہر سفر کی منزل

قمر علی عباسی

CHALA MUSAFIR SINGAPORE

WRITTEN BY

QAMAR ALI ABBASI

اشاعت: 2006
مطبع: اے بی سی پرنٹرز
قیمت: 250 روپے

ناشر

ویلکم بک پورٹ، مین اردو بازار، کراچی
فون: 2633151، 021-2639581
فیکس: 021-2638086
ای میل: wbp@welbooks.com
ویب: www.welbooks.com



نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

رازکی بات

آج سے تیس سال پہلے ڈالر کی قیمت چار روپے تھی۔ ہر طرف ارزانی تھی، زندگی کی فراوانی تھی۔ فلموں، ریڈیو، گاؤں، دیہاتوں میں چین کی بنسی سنائی دیتی تھی۔ جس کا جی چاہتا منہ اٹھا کر سفارت خانے جاتا۔ عزت پاتا۔ ویزا لگواتا۔ پرواز کر جاتا۔ خوش رہتا دوسروں کو بھی بلاتا۔ پھر اچانک ڈالر کی قیمت بڑھنے لگی۔ اس جھٹکے نے مشرق، مغرب، شمال، جنوب کو ہلا کر رکھ دیا۔ لوگ اس طرف دوڑ پڑے جہاں ڈالر کمانے اور جمع کیئے جاتے ہیں۔ ان ملکوں نے اجنبیوں کے لیئے مشکل قانون بنائے۔ سرحدوں پر کانٹے دار تار کھینچ دیئے۔ سفارت خانوں پر گارڈ بٹھا دیئے۔ ہوائی کمپنیوں نے ایئر ہوسٹس کے حسن کا معیار گرایا اور کرایہ بڑھا دیا۔ ان حالات میں سفر مشکل بلکہ ناممکن اور ہمارے لئے یہ ممکن ہو گیا کہ عوام کو گھر بیٹھے سیر جہاں کرا دیں۔ حسنِ اتفاق سے محکمے نے ہمیں ایک تربیت کے لئے برطانیہ بھیج دیا۔ تاکہ ہم سفر برطانیہ تحریر کر سکیں۔ "لندن لندن" ابھی زیورِ طباعت سے آراستہ ہو رہا تھا کہ خفیہ پولیس نے دارالامراء کو اطلاع کر دی انہوں نے فوری امیگریشن کے قانون سخت کر دیئے۔ اس کی وجہ سے ہیتھرو پر کیا گزری؟ اس کی خبر نہ ملی۔ لیکن ہمارا سفرنامہ "لندن لندن" بے حساب چھپا اور بکا۔ حساب وکتاب اپنے پبلشر کو انکم ٹیکس سے محفوظ رکھنے کی وجہ سے تحریر نہیں کر رہے۔ ہمارے لئے یہ حوصلہ افزائی کافی تھی۔ اس لئے عوام کی بھلائی کے لئے ہندوستان کا سفر کیا اور "دلی دور ہے" سفرنامہ تحریر کر دیا۔ اس بار بھی قسمت [illegible]



سیدھا پڑا۔ ہمارے نقاد دوستوں نے' مبصروں نے ہمارے اصرار پر ''دلی دور ہے'' کو اس حد تک سراہا کہ ہم مشرق بعید کے سفر پر چل نکلے۔ بنکاک، پتایا، سنگاپور' کوالالمپور' پینانگ کے بازاروں میں' دکانوں پر لوٹ مچادی۔ وہ مقامات دیکھے جو اس شہر والوں نے کب دیکھے ہوں گے۔

یہ حقیقت ہے کہ ہم جہاں گئے وہاں کے معاشی، معاشرتی اور سماجی حالات بدل گئے۔ لیکن ہمارے سفر ناموں کے ساتھ ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ پہلا سفر نامہ ''لندن لندن'' شائع ہوا تو برطانیہ کی وزیراعظم مارگریٹ تھیچر کو کرسی خالی کرنی پڑی۔ ''دلی دور ہے'' کی اشاعت کے بعد آنجہانی وزیراعظم راجیو گاندھی انتخابات میں واضح اکثریت حاصل نہ کر سکے۔ وزیراعظم نہ بنے۔ ''چلا مسافر سنگاپور'' کے لکھنے اور چھپنے سے پہلے پاکستان کی وزیراعظم بے نظیر بھٹو اقتدار سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ بنکاک کے وزیراعظم جو عرصے سے حکومت بنائے بیٹھے تھے رخصت ہو گئے۔ سنگاپور کے وزیراعظم چوتھائی صدی سے زیادہ حکومت کر رہے تھے' وہ بھی چلے گئے۔ اس طرح ہمارے تین سفرنامے پانچ وزراء اعظم کو فارغ کر چکے ہیں۔

وہ عوام جو اپنے محبوب وزیراعظم کو مستقل آرام دینا چاہیں' ہم سے رابطہ کریں۔ آمد و رفت' قیام و طعام کی سہولت تو انشاءاللہ کام حسب منشا ہو گا۔ ورنہ رقم واپس (منی بیک گارنٹی) ہے۔

اس سفرنامے کو پڑھ کر اگر آپ ناپسند کریں' ہم پھر بھی لکھنے سے باز نہیں آئیں گے۔ اس لئے کہ ہمارا' ہمارے نمک خوار دوستوں کا خیال ہے کہ ہم سفرنامہ لکھ سکتے ہیں۔ اس لئے لکھنا چاہیے اور لکھ رہے ہیں۔ اب انتظار کیجئے نئے سفرنامے ''امریکہ امریکہ'' کا۔ مایوسی سے بچنے کے لئے ابھی سے اپنے بک سیلر سے ایک کاپی بک کرا لیں۔ پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی۔

فخر علی عباسی

13 جون 1991ء

ریڈیو پاکستان

کراچی



تھائی لینڈ مسکراہٹ کی سرزمین ہے

ہم ہندوستان یاترا کے دوران بمبئی سے دلی جا رہے تھے کہ راستے میں خبر ملی بے نظیر بھٹو لاہور آ رہی ہیں ہم یہ جانتے ہیں کہ ہمارے ملک سے باہر جانے سے ملک کی سماجی ثقافتی اور ادبی سرگرمیوں پر خوش گوار اثر پڑتا ہے۔ جس ملک جاتے ہیں وہاں کے معاشی حالات بہتر ہو جاتے ہیں۔ لیکن ہمارے سفر سے سیاسی حالات پر بھی اثر پڑے گا' اس کا اندازہ نہ تھا کچھ عرصے بعد ان کی منگنی کی اطلاع ملی۔ منگنی کے بعد شادی کی تاریخ کا اعلان ہوا۔ ہمیں یقین تھا شادی کے امور میں ہمارا دخل ضرور ہو گا۔ کچھ اور نہیں تو مہندی ڈولی کے لئے فنکار اور ڈھولک ہم مہیا کریں گے۔ دعوت نامے کا ڈیزائن اور مضمون ہمارا ہو گا۔ دراصل طالب علمی کے زمانے سے ہم ہر بیگانی شادی میں عبداللہ دیوانے ہوتے تھے پھر نامی گرامی شادی میں ہماری شرکت اسی طرح ہے جیسے سڑک پر کھمبا۔

ہمارے بہت سے دوستوں کو امید تھی کہ اس شادی میں ہم بڑی دھوم دھام اور تام جھام سے جائیں گے اس لئے اپنی گاڑیوں کے ڈینٹ پینٹ درست کرا لئے' اور شامیانے تک چھوڑنے کے

لئے آفر ملنے لگے۔ ہم دعوت نامے کا انتظار آخری وقت تک کرتے رہے' ہمارے نام کا کارڈ شاید ورکر لے بھاگا' یا چھٹی رساں نے اپنے لئے رکھ لیا، اس دن رات تک کہیں نہ گئے۔ بعد کو دل کو تسلی دی کہ اگر دعوت نامہ مل جاتا تو ٹیلی ویژن فنکارہ روحی بانو کی طرح رل جاتے جنہیں اندر جانے کا دروازہ ہی نہ ملا' خیر ابھی ولیمہ باقی تھا جو لوگ شادی میں کسی وجہ سے بلائے نہیں جاتے ان کا نمبر ولیمے کا آتا ہے۔ ہمارے خیال میں ولیمے کا مقصد یہی ہے کہ جو ایک دعوت میں رہ گیا اسے دوسرے میں بلا لیا' ہمیں قوی امید تھی ہم ولیمے میں ضرور بلائے جائیں گے، اس دن دولہا دلہن ہوش میں ہوتے ہیں مہمانوں کا استقبال کرتے ہیں۔ تحفہ اپنے ہاتھوں وصول کرتے ہیں اور نشست تک لے کر جاتے ہیں۔

جب ولیمے میں صرف ایک دن رہ گیا اور دعوت نامہ نہیں پہنچا تو فکر دامن گیر ہوئی۔ عزت سادات اور شہرت کو خطرہ لاحق ہوا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو سوچا شہر چھوڑ دینا چاہئے۔ اپنے دوست ٹریول ایجنٹ مجاہد کو فون کیا "کل کسی وقت شام سے پہلے ہم یہ شہر چھوڑنا چاہتے ہیں"۔

وہ شاید ہمارے فون کے منتظر تھے تڑپ کر بولے "شہر کیوں ... ملک چھوڑ جایئے۔ ہم ایک بڑا گروپ لے کر بنکاک جا رہے ہیں۔ ایک صاحب نے معذرت کر لی ہے آپ ان کی جگہ......"

یہ نوید سن کر ہم نے ان دوستوں کو فون کرنے شروع کئے جو ہمارے ساتھ چلنے کا وعدہ کر چکے تھے:

کوئی تو ہو جو مری وحشتوں کا ساتھی ہو

ہمارے دوست شاہ محمود حسین نے اطلاع دی وہ میونسپل کمشنر ہو گئے ہیں اور اپنے علاقے کو بنکاک بنا رہے ہیں۔ غلام حسین جعفری نے بتایا کہ وہ نیویارک میں بنکاک کر آئے ہیں۔ سلطان جمیل نسیم نے معذرت کر لی کہ انہیں چھٹی دینے کے مجاز افسر خود بنکاک چلے گئے ہیں۔ اب لے دے کے ہمارے دوست ڈاکٹر شاکر علی بچے۔ ہم چاہتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب ہمارے ساتھ چلیں اور سفر جو آزردگی سے شروع ہو رہا ہے اس میں نوحہ گر ساتھ ہو تو دل کی دھڑکن بے تال نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر صاحب ہمیں ایڈ سے ڈراتے رہے' ہم نے ان سے کہا ایڈ سے حکومت کو ڈرائیں جو امریکہ سے حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس پر وہ ہنسے کہ مدد والی "ایڈ" نہیں' بیماری ایڈز کی بات

کر رہے ہیں۔

ہم نے ان کی بات نہ سمجھی وہ ہم سے متفق ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب بڑی ہمت والے ہیں دعوت ولیمہ شروع ہونے کے ایک گھنٹے بعد تک دعوت نامے کا انتظار کا تہیہ کئے بیٹھے تھے۔ سب سے ناامید ہو کر اپنا پاسپورٹ لے کر ہم مجاہد کے پاس پہنچے' وہ ظالم اللہ دین اور چراغ دونوں لئے بیٹھا تھا۔ جب تک ہم نے گرم چائے ٹھنڈی کر کے پی سارا کام ہو گیا۔ ہمیں ہدایت ملی "کل تین بجے ہوائی اڈے پہنچ جایئے۔"

دوسرے دن سہ پہر ہوائی اڈے پہنچے تو ایک خلقت ہمارے استقبال کو کھڑی تھی۔ کیمرہ ویڈیو فلم' مجاہد پاسپورٹ جمع کر رہے تھے اٹیچیاں ایک جگہ رکھ رہے تھے' اندر گئے تو تازہ سرخ گلاب کے ہار گلے میں ڈال گئے۔ ہم نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا کہیں واقعی دعوت ولیمہ میں تو نہیں آ گئے۔ مجاہد نے بتایا اس ٹور کا نام "سپرہنی مون" ہے ہم نے کان میں پوچھا "ہنی کا کیا ہوگا......؟" اس پر مجاہد نے کہا "آپ بنکاک جا رہے ہیں۔" ہم مطمئن ہو گئے اور تمنا کی: کاش ہماری شناسا شاہین صدیقی کہیں سے آ جائیں اور ہمارے گلے میں موٹے موٹے سرخ گلاب کے ہار دیکھ لیں۔ شاہین صدیقی فون پر آخری وقت تک خوفزدہ کرتی رہیں' ٹور کے ساتھ بنکاک جائیں گے تو سوائے بوریت کے کچھ نہ ملے گا۔ شاہین صدیقی نہیں آئیں لیکن ہمارا بلاوا آ گیا جہاز میں بیٹھنے کا۔

جہاز اڑا تو یہ دیکھ کر سکون ہوا کہ پی آئی اے کے سینئر پرسر حسین صاحب موجود ہیں یہ عموماً وی آئی پی پروازوں میں خدمت انجام دیتے ہیں' ایک ذمہ دار فرض شناس افسر ہیں اور سب سے بڑی بات کہ ہمارے دوست ہیں۔ سفر کے دوران اسٹرونگ کافی اور ٹھنڈا مشروب پینے کو ملا۔ کھانے کو بریانی اور ہمارے اعزاز میں انگریزی کی نئی فلم۔ ہم نے فلم سے زیادہ خواب دیکھنے کو ترجیح دی۔ کان سے ہیڈ فون نکال کر خود بنکاک کے اندھیرے کے بعد والی روشنی میں اتر گئے۔

ہمارے ٹکٹ پر ایک لفظ لکھا تھا "ہیپی لینڈنگ" اور زندگی میں پہلی بار دیکھا کہ جب جہاز کے پہیے ایئر ڈرم پر لگے تو ایک حصے سے تالیاں سنائی دیں' بحفاظت زمین پر آنے یا بنکاک میں رات کو اترنے کی خوشی میں۔ ایئرپورٹ عموماً اچھے ہوتے ہیں اس لئے بنکاک کا بھی اچھا تھا۔ جہاز کی سیڑھیاں اترنے اور بس میں کھڑے ہونے کا موقع نہیں ملا اس لئے کسی کو ہاتھ نہ ہلا سکے۔

امیگریشن پر لمبی لائن لگی۔ کھڑکی تک پہنچنے کی رفتار اتنی سست تھی کہ سب کا خیال تھا یہاں کوئی پاکستانی افسر ہے۔ ہم جہاں پاکستانی دیکھتے ہیں خوش ہوتے ہیں کیونکہ ذمہ داری اور فرض شناسی میں ان کا مقابلہ دنیا میں کون کر سکتا ہے؟ ہمارا نمبر آیا تو افسوس ہوا کھڑکی میں تھائی افسر تھا۔ آخر اس حد تک ذمہ داری اور احتیاط کی کیا ضرورت ہے کیا خبر اس لائن میں پاکستانی مسافر زیادہ آتے ہیں۔ انہیں دیکھتے پاکستانی پاسپورٹ چھوتے چھوتے تھائی کی عادات بدل گئی ہوں۔

اسے دوسرے مسافروں کے حال پر چھوڑ کر خود کار سیڑھیوں سے اتر کر نیچے پہنچے تو دیکھا ہمسفر ایک جگہ جمع ہو رہے ہیں۔ ایک صاحب گھبرائے ہوئے آئے اور پاسپورٹ طلب کیا ہم نے پاسپورٹ دیا تو فرمایا ''شراب خریدنی ہے'' ہم پریشان ہو گئے۔ بنکاک آتے ہی ہمارا پاسپورٹ شرابی ہو گیا۔ ہمارا کیا حال ہوگا۔ سرگوشی میں پوچھا ''پاسپورٹ پر شراب فروخت کرنے کی مہر تو نہ لگا دیں گے'' وہ صاحب ہنسنے لگے۔ پاسپورٹ واپس آیا تو اچھی طرح دیکھ لیا۔ اب ظالموں نے واٹر مارک سے لکھ دیا تو ان کا دین ایمان جانے۔ ایک کونے میں رنگین بروشر رکھے تھے جس میں ہمیں بنکاک آنے پر خوش آمدید کہا تھا اور ہدایت کی گئی تھی کہ یہاں قیمتیں مول تول سے مقرر کرنی ہیں۔ ڈس کاؤنٹ ضرور مانگئے۔ امریکی ڈالر اور بھات کا بھاؤ بتایا گیا تھا وہ ہم نے یاد رکھا کہ آنے والی صبح اور شامیں اسی بھاؤ تاؤ کی نذر ہوں گی۔

ایک نوعمر ہمسفر نے ہم سے کہا ''مس پیٹ باہر آپ کا انتظار کر رہی ہیں''۔ مس اور انتظار، یہ دونوں لفظ ہمارے کانوں میں شہد انڈیل گئے۔ ہمیں یقین نہ آیا کہ مجاہد نے بنکاک میں ہی کا انتظام اس تیزی سے کیا ہے۔ اپنا بیگ ٹرالی پر رکھ کر باہر کی طرف لپکے اس دن کسٹم کی چھٹی ہوتی ہے لہذا باہر کا مطلب باہر تھا۔ سامنے ایک صاحبزادی دونوں ہاتھوں میں انگریزی میں لکھے خوش آمدید کا بورڈ اوپر کئے کھڑی تھیں۔ یہ مس پیٹ تھیں۔ انہیں دیکھ کر دل کی دھڑکن معمول پر آ گئی۔ دبلا پتلا جسم، لمبوترا چہرہ، ننھی ننھی آنکھیں کٹے ہوئے بال۔ ہمیں ایک پرانی فلم یاد آ گئی ایک خونخوار بیوی نے اپنے شوہر سے کہا ''اسی وقت بیٹی کی شادی کے لئے اٹھارہ سال کا لڑکا تلاش کر کے لاؤ''۔ شوہر غریب ذرا دیر بعد نو نو سال کے دو بچے پکڑ کر لے گیا اور کہا ''بیگم جلدی میں یہی ملے ہیں''۔ اب ہم مجاہد سے شکایت کرتے تو وہ یہی کہتا ''اتنی جلدی یہی ممکن تھا''۔

خوش آمدید کا لفظ دیکھ کر ہمارے ساتھی جمع ہو گئے تو یہ سلسلہ ختم ہوا۔ مس پیٹ نے جھٹ ہمارا ہاتھ تھام لیا۔ مصافحے کے لئے اور گلے میں ہار ڈال کر ہمارے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو گئیں ادھر سے کسی بلیک میلر نے ہماری تصویر اتاری ہم گھبرا گئے یہ کیا ہوا؟ گلے میں ہار ڈالتے کتنی دلہنوں کو دیکھا ہے اس کے بعد دولہا بھی ہار ڈالتا ہے دل کو تسلی تھی کہ یہ ہم نے نہیں کیا یعنی شادی ہے تو یک طرفہ پھر دل میں وہم اٹھا کیا خبر بنکاک میں شادی یک طرفہ ہوتی ہو۔ اور اب زندگی بھر مس پیٹ کے پیٹ (PET) بنے رہیں گے لیکن چند لمحوں بعد یہ وسوسہ دور ہو گیا۔ مس پیٹ ہماری نہیں سب کی پیٹ (PET) تھیں وہ ہر مرد عورت کے گلے میں ہار ڈال کر تصویر اتروا رہی تھیں اب ہم نے ہار دیکھا پلاسٹک کے ربن میں دو گلاب اور موتیے کی چند کلیاں۔ لیکن سلیقہ قابل تعریف تھا۔ اچانک ایک بڑی سی بس آ کھڑی ہوئی سامان سیٹوں کے نیچے اور ہمیں اوپر بٹھایا گیا نوعمر ہمسفر نے شراب کی تین بڑی بڑی بوتلیں مس پیٹ کو تحفے میں پیش کیں جو انہوں نے مسکرا کر قبول کیں۔ اب ہم ان کی صحت کا راز سمجھے۔

تھائی لینڈ کو مسکراہٹ کی سرزمین کہا جاتا ہے۔ ہمارے ملک میں کلفٹن کا کسینو اگر مکمل ہو جاتا تو ہم بھی اپنے ملک کا نام قہقہوں کی سرزمین رکھ دیتے کوئی کچھ نہ کہتا کیوں کہ مسکراہٹ اور قہقہے کا تعلق سکہ رائج الوقت بلکہ سکہ امریکہ ہوتا ہے۔ بنکاک جانے والا ہر سیاح کم از کم ہزار امریکی ڈالر لے کر ہوائی اڈے پر اترتا ہے جو وہاں پچیس ہزار بھات بن جاتے ہیں۔ جس وقت ہم بنکاک میں تھے تیس لاکھ سیاح پہنچ چکے تھے اب ذرا اندازہ لگائیں کہ تیس لاکھ سیاح کتنے بھات لائیں گے۔ اتنے بہت سے کہ حساب لگا کر فرسٹریشن کا شکار نہیں ہونا چاہتے۔ اب اگر تھائی لینڈ کو مسکراہٹ کی سرزمین کہا جائے اور تھائی کی نسلیں مسکرائیں تو ہم پر کیا احسان۔

بس میں سوار ہوئے تو ہماری مس پیٹ نے مسکرا کر بنکاک کے ٹور گائیڈ آنند سے متعارف کرایا۔ وہ مسکراتا آیا اور مائیکروفون پر مسکرا مسکرا کر خوش آمدید کہنے لگا۔ ہم بھی مسکرانے لگے۔ کیونکہ اس نے ایک چابی دی ہم سمجھے بنکاک کی چابی دے رہا ہے۔ لیکن وہ اس کمرے کی تھی جس میں بنکاک کے دوران قیام کرنا تھا۔ یہ کمرہ راجہ ہوٹل میں تھا۔ لیکن یہاں اس کا نام راجھا ہوتا ہے۔ راجہ کا لفظ صرف تھائی لینڈ کے بادشاہ کے لئے مخصوص ہے باقی سب ''جھا'' ہیں۔

بنکاک روشن تھا۔ اس وقت رات کا ایک بجا تھا لیکن یہ گھڑی کا وقت ہے بنکاک میں بعض علاقوں میں دن تھا۔ جو علاقے سو رہے تھے وہ شاید بعد میں جاگتے ہوں گے۔

راجھا ہوٹل پہنچے تو اس کے طویل استقبالیہ میں میلہ لگا تھا۔ ہندوستانی سیاح باہر جا رہے تھے امریکی اندر داخل ہو رہے تھے۔ کوری ڈور میں رکھے صوفے، میزیں اونگھتے سوتے سامان باندھتے عورتوں مردوں سے بھری تھیں یوں محسوس ہوتا تھا بنکاک کے سارے سیاح اسی استقبالیہ سے ہو کر جاتے ہیں۔

ہمارا سامان ایک جگہ رکھ دیا گیا اور استقبالی مشروب پیش کیا گیا اس کا رنگ سرخ تھا، مس پیٹ کے پاس ہم تین لیٹر شراب دیکھ چکے تھے اس لئے گلاس کو ہاتھ لگانے سے پہلے کئی بار سوچا۔ آخر اطمینان کرنے کے لئے مس پیٹ کے کان میں کہا "ہم مسلمان ہیں شراب نہیں پیتے یہ مشروب......" اس نے ہنس کر ہماری طرف دیکھا اور کہا "ہم بھی شراب اس طرح ضائع نہیں کرتے"۔ اس جملہ نے وہ تکلیف پہنچائی کہ دل چاہا بنکاک کی ساری شراب پی کر چاروں طرف دیکھ کر کہیں "اور ہے؟" لیکن جی کا چاہا کب پورا ہوا ہے۔

اب ہدایات ملنے لگیں' بیرے کو کمرے میں بلائیں گے تو اسے ٹپ دینا پڑے گی۔ پانی کے لئے قیمت دینا ہوگی۔ ہوٹل کے تولیے' گلاس' چادر کمرے سے باہر لے جانے کی کوشش نہ کریں ورنہ ہوٹل والے رقم وصول کر لیں گے۔ اپنا پاسپورٹ رقم اور زیور استقبالیہ کے سیف میں رکھ دیں یہ سہولت مفت ہے استقبالی کلرک نے سیف کی چابی دے کر ڈرا دیا۔ "چابی گم ہونے کی صورت میں جرمانہ دو ہزار بھات ہے"۔ بنکاک میں جب تک رہے چابی کی حفاظت اپنے آپ سے زیادہ کی۔ آخری دن چابی واپس کر کے دو ہزار بھات بچائے تو دل کا سکون واپس آیا جو چابی جیب میں رکھ کر کھو دیا تھا۔

آنند نے اعلان کیا کہ صبح نو بجے آئی لینڈ (جادو نگری) روانگی ہے ہم سمجھ گئے یہ سازش مس پیٹ کی ہے جب اپنی چشم و لب سے اسیر نہ کر سکی تو جادو ٹونے پر آ گئی خیر ہم بھی مشرق سے آئے ہیں بعید ہوا تو کیا۔ ان ہتھکنڈوں سے واقف ہیں۔ سامان بیرا لے کر چلا ہم ساتھ ساتھ رہے۔ کمرہ اچھا تھا منی سی فریج کھول کر دیکھی خالی پڑی تھی ٹیلی ویژن چلا کر دیکھا چینل پر کچھ نہ کچھ

دکھایا جا رہا تھا ہم کچھ بھی دیکھنا نہ چاہتے تھے۔ شیشے کی بڑی سی کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا بنکاک روشن تھا۔ کرسمس اور نئے سال کی تیاریاں تھیں کچھ روشنیاں ہمارے استقبال کو تھیں۔ ہم بستر پر لیٹے ذرا دیر میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

"مارننگ کال" یہ ہمارے گائیڈ آنند کی آواز تھی۔ تیار ہو کر نیچے ڈائننگ ہال میں پہنچے تو تربوز اور اناناس کے ڈھیر دیکھے۔ آملیٹ کے پہاڑ بنے تھے۔ ڈبل روٹی کے انبار تھے اور بہت سی چیزیں تھیں جن سے ہم ناواقف تھے۔ دوران سفر ناواقفوں کو منہ لگانا ہم پسند نہیں کرتے اس لئے اناناس مکھن ٹوسٹ اور کافی پر توجہ دی۔ ناشتے کی میز پر ہمسفر مل گئے جادو نگری جانے کے لئے دس امریکی ڈالر خرچ کرنے تھے اس لئے بہت سے لوگ اپنا ارادہ بدلنے لگے۔ ہم رات سے مس پیٹ کے جال سے نکلنے کا ارادہ کر رہے تھے لہٰذا اس گروپ میں شامل ہو گئے جو امریکی ڈالر کو بھات میں بدلنے جا رہے تھے۔ وہ تھے بھائی الیاس اور بھابی شمیم دونوں ہنس مکھ زندہ دل اور مزے کے میاں بیوی ہیں۔ ہوٹل کے استقبالیہ سے باہر کے دروازے تک آتے آتے دوست بن گئے۔ سکھومت روڈ پر پٹرول پمپ کے ساتھ ایک چھوٹا سا کیبن تھا۔ اپنے ملک میں اس جگہ ٹائر میں پنکچر لگتے ہیں۔ لیکن یہ کیبن غیر ملکی کرنسی بدلنے والا بینک تھا۔

بھائی الیاس نے سفری چیک دیا جس پر دستخط نہیں تھے۔ کرنسی والے نے واپس کر دیا۔ بھائی الیاس نے کہا "ابھی دستخط کر دیتا ہوں" کرنسی والے نے کہا "اپنے ملک جاؤ دستخط کر کے لاؤ" کیونکہ اس وقت پاکستان جانا ناممکن تھا اس لئے بھائی الیاس نے جیب سے سو ڈالر کا نوٹ نکال کر ڈھیروں بھات لے لئے۔ ہوٹل واپس پہنچے تو ایئر کنڈیشن بس جادو نگری کے لئے تیار کھڑی تھی۔ آنند نے ہمیں جادو نگری کا لالچ دیا ہم نے چاروں طرف دیکھا، مس پیٹ نہیں تھی وہ شاید جادو نگری میں دھونی جمائے انتر منتر پڑھ رہی ہوگی۔ بس کے پاس جانے کا فائدہ ہوا۔ دو جوڑے اور بھاگ آئے، ان میں جمیل زکریا اور روبی بھابی تھیں یہ دونوں میاں بیوی ایک ساتھ چلتے ہیں تو بڑے حسین لگتے ہیں روبی بھابی ایرانی ہیں جمیل زکریا پاکستانی، ان دونوں کی جوڑی ایران پاکستان کی دوستی کی نشانی ہے۔

الیاس بھائی نے مشورہ دیا کہ سب سے پہلے بنکاک میں سفاری سوٹ سلوایا جائے اس کے

لئے درزی کی ضرورت تھی۔ سکھومت روڈ پر ایک درزی کا نام بہت سنا تھا اس کی تلاش شروع ہوئی
بنکاک کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ وہاں لوٹ مچی ہے ہر دکاندار آنکھوں سے نابینا اور عقل
سے پیدل ہے۔ گاہکوں کو دیکھ کر اپنا سامان دکان سے باہر پھینکنے لگتا ہے۔ وہاں جاؤ انہیں بھات
دکھاؤ اور سارا سامان تھیلوں میں بھر کر لے آؤ۔ ہمارے ایک دوست محمد رفیق ایئر پورٹ پر کام
کرتے ہیں بنکام کی روانگی کے وقت بیس ڈالر دینے پر ضد کرنے لگے۔ ان کا خیال تھا بیس ڈالر
میں پندرہ سلک کی قیمصیں خریدی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح افضل حسین فوٹو گرافر نے پانچ ڈالر کا
نوٹ دے کر دس اونی جرسیوں کی فرمائش کر دی۔ ایک خاتون نے گھر کے ہر فرد کے پاؤں کا ناپ
اور پاکستانی روپے دے کر کہا تھا اس میں سے کچھ پیسے بچ جائیں تو بچوں کے لئے چاکلیٹ لیتے
آئیں۔ ہم نے ہر واقف اور ناواقف سے لمبی لمبی فہرستیں بنوالی تھیں تاکہ واپسی میں سب کو خوش
کر سکیں۔ اس لئے بے چین تھے کہ دکانوں پر جا کر لوٹ مچا دیں۔

ہماری پارٹی جس درزی کی تلاش میں تھی اس کا نام پنکی تھا۔ کراچی سے روانگی کے وقت
ہمارے دوست رضوان صدیقی نے بتایا تھا کہ سارے درزی سکھ ہیں۔ یا سارے سکھ درزی ہیں۔
اس لئے سڑک پر کھڑے ایک سکھ سے پنکی کا پتہ پوچھا وہ سمجھا پنکی سے مطلب نشہ کرنے والا شراب
خانہ ہے لہذا ایک بار کا پتہ بتا دیا وہاں ایک پنکی نہیں بہت سے تھے۔ لیکن درزی کوئی نہیں تھا۔ آخر
بھائی الیاس کو ایک نشانی یاد آ گئی۔ پنکی ٹیلرز ایک جلی ہوئی عمارت کی پشت پر ہے۔ اس نشانی پر سب
یک زبان ہو کر بولے ''وہ تو بہت پیچھے چھوڑ آئے ہیں''۔ اب واپس ہوئے اور ذرا تیز قدم اٹھا کر
کہیں بنکاک والے اس عرصے میں عمارت کو کرسمس کی خوشی میں بدل نہ ڈالیں وہ ملی پھر پنکی ٹیلرز
ملا۔ اسمارٹ سا آدمی تھائی بیوی گم صم بیٹھی۔ یہ سکھ ہیں۔ ہمیں بتایا فیصل آباد کے رہنے والے۔ ہم
خوش ہو گئے اتنے میں ایک ہندوستانی جوڑا آ گیا اسے پیدائش دلی کی بتائی اچھا ہوا کوئی بنگلہ دیش کا
نہ آیا اسے نہ جانے کیا بتانا پڑتا۔ اوپر کی منزل میں کپڑا تھا جب دیر تک کوئی رنگ پسند نہ کر سکے تو
پنکی آیا اور جھٹ پٹ سب کے لئے کپڑا پسند کر لیا بھائی الیاس اور زکریا نے بھی کپڑا پسند کیا۔ یہ وہ
واحد دکان تھی جہاں خواتین نے زیادہ دلچسپی نہیں دکھائی۔

ایک شہزادی پیرس میں خریداری کے لئے بازار گئی واپسی میں اس نے خادمہ سے پوچھا

''عجیب بات ہے لڑکیاں ایک پاؤں میں نیلا اور دوسرے میں کالا موزہ پہنے نظر آ رہی ہیں یہ کیا
فیشن ہوا؟'' خادمہ نے کہا۔ ''یہ میرا قصور ہے'' شہزادی نے حیرت سے پوچھا... ''تمہارا قصور؟''
خادمہ نے معذرت کی ''میری آنکھیں کمزور ہیں، غلطی سے آپ کو بازار آتے وقت ایک نیلا اور
دوسرا کالا موزہ پہنا دیا تھا وہی فیشن ہو گیا'' شہزادی نے جھک کر دیکھا تو وہ ایک نیلا اور دوسرا کالا
موزہ پہنے ہوئے تھی۔

اب ہم نہ شہزادی نہ ہماری خادمہ نہ پیرس کی خریداری۔ اس لئے پنکی سے بحث کرنے لگے
''ہمارے ٹانگوں میں نقص بنکاک کی آب و ہوا کی وجہ سے ہوا ہے ملک میں جا کر ٹانگیں پھر ٹھیک
ہو جائیں گی'' لیکن پنکی کا اصرار تھا۔ یہ نقص ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہی رہے گا اس لئے دوسروں
کے مقابلے میں سفاری سوٹ کی قیمت ایک سو بھات زیادہ دی اور مطمئن ہو کر باہر نکلے کہ زندگی
بھر اونچے نیچے کپڑے پہنتے رہے اب صحیح لباس زیب تن کریں گے اور خوش رہیں گے۔

دوکان سے نکل کر سب نے اپنی جیب میں کلکولیٹر ٹٹولے بنکاک کی شاپنگ سینٹر پر حملہ کرنے
کے لئے شمیم بھابی نے پرس سے ایک کارڈ نکالا یوتھ فل سپر مارکیٹ کا جہاں سامان نہایت سستا ملتا
ہے۔ سب نے رخ اسی طرف موڑا بنکاک میں زبان کا مسئلہ ہر جگہ ہے۔ تھائی سال کے تین سو
پینسٹھ دن امریکی عربی اور ہندوستانی سیاحوں کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں ہر چیز پر ان کی
چھاپ لگا لیتے ہیں بس زبان بچا کر رکھتے ہیں نہ انگریزی سمجھتے ہیں نہ بولتے ہیں ہاں نہیں سے کام
چلا لیتے ہیں۔

جمیل زکریا نے ٹیکسی روکی یوتھ فل کا پوچھا اس نے اقرار میں سر ہلا دیا۔ کرایہ تیس بھات بتایا
بیس پر فیصلہ ہوا میاں بیوی بیٹھ کر چل دیئے۔ دوسری ٹیکسی میں ہم بھائی الیاس اور بھابی شمیم اس کا
کرایہ پندرہ بھات طے ہوا ذرا دیر بعد ہمیں ایک جگہ پر اتارا۔ دو طرف بڑی بڑی سپر مارکیٹ تھیں
نام تھا ڈایا مور۔ یہاں جو قدم رکھا تو یوں سمجھیں ٹوکیو پہنچ گئے ہر چیز کی قیمت دیکھ کر افسوس ہو رہا تھا
کہ خواہ مخواہ بنکاک خریداری کے لئے چنا اگر قیمتوں کا یہ رجحان ہے تو کراچی کے شاپنگ سینٹر کیا
برے تھے۔ بھابی شمیم اور روبی کھٹا کھٹ کلکولیٹر چلا رہی تھیں بھات کو پاکستانی روپے میں دیکھ دیکھ
کر آگے بڑھ رہی تھیں۔

پہلی منزل پر قیمتوں کے مول تول میں جب ساری سیلز گرل سے مراسم خراب ہو گئے تو دوسری منزل پر پہنچے یہاں بھی صورت حال اچھی نہ تھی جب ہم سات سو بھات کی قیمت کے جوتے کو ڈیڑھ سو بھات میں خریدنا چاہتے تو سیلز گرل کا منہ کڑوا ہو جاتا۔ اس کی تیوری پر بل پڑ جاتے جیسے ہم نے اسے تھائی زبان میں گالیاں دی ہوں۔ کچھ نے تو اس بے رخی سے دیکھا کہ بنکاک سے جی بھر گیا۔ ذرا دیر بعد بھابی شمیم ایک اسٹال پر ٹکرائیں تو بڑی خفا تھیں، معلوم ہوا ہر سیلز گرل سے ان کا جھگڑا ہو رہا ہے۔ گڑبڑ ہوئی کہ جس سیلز گرل کو ناراض کر کے ہم آگے بڑھتے اسی اسٹال پر فوراً شمیم بھابی پہنچ جاتیں اور بھات کم کرانے پر ضد کرتیں ظاہر ہے موسم بدل جاتا دونوں طرف کا۔

ایک سپر مارکیٹ سے دوسری میں گئے وہاں کی دکانوں پر سینکڑوں بھات کی چیزوں کی قیمت ہم نے کوڑیوں میں کر دی بعض سیلز گرل نے حیرانی سے اپنی اشیاء کو دیکھا وہ جن نوادرات کو ہزاروں اور سینکڑوں بھات میں فروخت کرتی ہیں ہم ان کے دس پندرہ بھات لگاتے ہیں۔ کچھ کو تو ہماری پیشکش پر یقین نہیں آیا وہ سمجھیں ان کے رخ روشن کو دیکھ کر ہم اول فول بک رہے ہیں جو یقین کر گئیں وہ ملازمت چھوڑ گئیں کہ اتنی سستی چیزوں کی دکان پر کام کرنا باعث ندامت ہے۔ دو گھنٹے سے زیادہ ہم نے مٹرگشت کی۔ بعض دکانوں پر دوسری بار گئے تو خود ہی سیلز گرل نے مسکرا کر بتا دیا کہ آپ پہلے اس دکان کی عزت افزائی فرما چکے ہیں اور جو قیمت مقرر کر چکے ہیں اس پر فروخت کرنے سے بہتر ہے کہ ہم یہ چیزیں آپ کو تحفے میں دے دیں لیکن اس میں ایک امر مانع ہے کہ آپ اتنا وزن کہاں اٹھائے پھریں گے۔ بات معقول تھی اس لئے ہم نے ایک کولڈ رنک خریدی اور لطف اندوز ہونے لگے۔

بھائی الیاس اور زکریا جمیل نے واپسی کا سفر شروع کیا۔ راستے میں معلوم ہوا بنکاک کی سپر مارکیٹ میں بھاؤ تاؤ نہیں ہوتا یہاں قیمتیں فکس ہوتی ہیں۔ اب احساس ہوا کہ سیلز گرل کیوں خفا ہو رہی تھیں۔ ہم نے ان کے بھی دو گھنٹے ضائع کیے اور اپنے بھی۔ کبھی بنکاک دوبارہ جانا ہوا تو ڈایا مور جا کر جو قیمت درج ہو گی اس پر اشیاء خرید کر ازالہ کر دیں گے۔

ریسٹورنٹ میں پریاں اتر آئیں

دو بجے بلبین میں دوپہر کا کھانا تھا اس کی نشانی یہ تھی کہ لینڈ مارک عمارت کے سامنے واقع ہے۔ ہم نے لینڈ مارک نہیں دیکھی تھی اس لئے اس عمارت کے پاس کھڑے، آنے جانے والوں سے پوچھ گچھ کرتے رہے اچانک نظر اٹھا کر دیکھا تو ہم لینڈ مارک کے نیچے کھڑے تھے اور سامنے بلبین ہوٹل تھا۔ بس راستہ نہ ملا کبھی سیدھے لے کر گھستے تو درزی کی دکان نکلتی۔ کبھی سوٹ کیس بیچنے والے کی۔ آخر ایک راہ گیر نے راستہ دکھایا بلکہ غریب لفٹ تک آیا اس کے بعد ہم نے اسے لفٹ نہ دی۔ اوپر پہنچے تو بلبین بابل نکلا۔ یہ ایک نائٹ کلب ہے جہاں عربی گانے اور ہندی ناچ ہوتا ہے۔ فرانس کی شراب ملتی ہے اور سامعین ناظرین ہر جگہ کے۔ ہم عین دوپہر کو پہنچے تو کلب بند تھا ریسٹورنٹ کھلا تھا ہمارے سارے ہمسفر موجود تھے گن کر دیکھا پورے تھے جادونگری سے سب واپس آ گئے۔ ہم جاتے تو وہیں رہ جاتے یہ سارا چکر ہماری وجہ سے تھا خدا نے بچایا شکر۔

کھانا اچھا تھا بریانی، چکن، مٹن، نان اور اس کے بعد گرم گرم گلاب جامن مزہ آ گیا شام کا بھی کھا لیا اس پر لطف جب آیا کہ منیجر نے بتایا وہ ہمارے لاہور کا رہنے والا ہے اس بات پر چائے بھی پیش کی گئی۔ جو اچھی تھی پسند کی ہم نے پوچھا پلیٹیں لگانے اور اٹھانے والی بھی اپنے لاہور کی

ہیں! منیجر نے کہا یہ سب مقامی ہیں۔ ہمیں افسوس ہوا اب ان سے پنجابی کیسے بولتے حال احوال کیسے پوچھتے بس انہیں دیکھ کر مسکراتے رہے وہ غریب بھی مسکراتی رہیں۔ تھائی لینڈ مسکراہٹ کی سرزمین ہے۔

ہمارے جو ساتھی جادونگری گئے تھے وہ خوش تھے اور ہم سے اظہار ہمدردی کر رہے تھے کہ دنیا کی سب سے عجیب جادونگری دیکھنے کا موقع گنوا دیا اب ہم کیا بتاتے کیا کھویا اور کیا پایا ہے۔ خیر ہم نے منصوبہ بنایا کہ اب کوئی جگہ تو ایسی ہوگی جہاں ہم جائیں گے اور یہ لوگ رہ جائیں گے تب دیکھا جائے گا ان کی بدنصیبی پر ہم بھی آنسو بہائیں گے۔

کھانے کے بعد دوبارہ بازار میں لوٹ مار کا پروگرام بنا۔ ہم نے آرام کے لئے ہوٹل کا رخ کیا شام کو ہمارے اعزاز میں تھائی ڈنر اور ناچ کا خصوصی پروگرام تھا ہوٹل میں جا کر اپنے ملک فون کرنے کی خواہش کی۔ ظالموں نے اتنی جلدی ملا دیا کہ اپنے ملک میں لوکل کال نہیں ملتی دو سو چونسٹھ بھات لئے اور ہزاروں دعائیں کہ ملک میں امن وامان تھا ہمارے نہ ہونے سے کوئی نمایاں فرق نہ پڑا تھا۔

رات آٹھ بجے ڈنر تھا سات بجے روانگی تھی اس لئے ساڑھے چھ بجے تیار ہوئے' سیٹی بجاتے لفٹ میں سوار ہوئے اور چند لمحوں میں استقبالیہ پہنچ گئے وہاں وہی بھیڑ بھاڑ کچھ آ رہے ہیں، کچھ جا رہے ہیں ہم کافی ہاؤس میں گئے تین خواتین لپک کر آئیں ہم نے ایک سے کافی دوسری سے کیک اور تیسری سے پانی لانے کو کہا وہ تینوں برا ماننے لگیں۔ تب ایک بیرا آیا اس نے کافی کا آرڈر لیا اپنی زبان میں کچھ کہا تینوں خواتین چلی گئیں ہم نے بیرے سے پوچھا ''یہ کون تھیں'' اس نے منہ بگاڑ کر کہا ''مساج پارلر'' ہماری کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ یہ بات بہت دیر میں سمجھ میں آئی ''مساج پارلر'' بیوٹی پارلر کی طرح ہے جہاں تھکن اتارنے کے لئے جسم مالش اور جیب خالی کی جاتی ہے۔

ہم نے اکثر اپنی نانی کو مرغی کے بچوں کو دربے میں بند کرتے دیکھا تھا عجیب منظر ہوتا تھا سب کو گھیر کر لاتیں عین دربے کے سامنے آ کر دو دائیں طرف نکل گئے ایک بائیں طرف کو ہو لیا جب تک وہ انہیں گھیر کر لاتیں باقی چار دڑبے سے نکل گئے وہ ان کے پیچھے بھاگیں یہ سلسلہ دیر تک جاری رہتا۔ آج ہمارا گائیڈ آنند کا وہی حشر تھا ایک جوڑا بس میں بیٹھا تو دوسرا غائب وہ

مسٹر اور مسز افضل کو تلاش کرنے نکلا تو شمیم بھابی بس سے اتر کر سامنے کی دکان سے شاپنگ کرنے لگیں' انہیں خوشامد کر کے لایا تو رضیہ نیچے اتر گئی' آخر جب 23 کی گنتی پوری ہوئی تو گھڑی میں آٹھ بجے تھے بس چلی تو آنند کو سکون ہوا سڑکیں روشن تھیں بنکوں اور شاپنگ سینٹر کے بارے میں آنند بتا رہا تھا۔ عمارت تھی یہ ٹام تک تھائی ریسٹورنٹ تھا بس سے اتر کر آگے بڑھے تو بہت سی ننھی منی لڑکیوں نے پھول بلا بلا کر تھائی زبان میں خوش آمدید کہا ان کے لباس اور چہرے اور پھول بہت حسین لگ رہے تھے۔ اندر داخل ہوئے تو دنیا کے سب سے بڑے ریسٹورنٹ میں چلے گئے یہ لکڑی کا ریسٹورنٹ ہے چاروں طرف گہرا پانی ہے۔ جس میں یہ تعمیر کیا گیا ہے یہاں تین ہزار آدمی کی گنجائش ہے ایک ہزار بیرے ملازم ہیں اس کا مطلب ہے ہر تین آدمیوں پر ایک بیرا مسلط ہے۔ بغیر بل دیئے بھاگ نہیں سکتے۔ ریسٹورنٹ والوں کا دعویٰ ہے دو سو پچاس نامی گرامی شیف ان کے ملازم ہیں جو ہر وقت نت نئے لذیذ اور ذائقہ دار کھانے تیار کرتے ہیں۔ اس ہوٹل کی خاص بات یہ ہے کہ بیروں کے پاؤں میں پہیئے لگے ہیں آپ جب داخل ہوتے ہیں تو لکڑی کے راستوں پر دائیں بائیں پوری رفتار سے پہیوں پر دوڑتے بیرے گزرتے رہتے ہیں۔ ابھی ابھی ایک بیرا دائیں ہاتھ میں گرم سوپ اور بائیں ہاتھ میں جوس کا جگ لے کر زن سے آپ کے پاس سے گزر گیا۔ مجال ہے جو آپ سے ٹکرایا ہو کچھ چھلکایا ہو۔ ہم ایک بیرے کے بالکل سامنے آ گئے لیکن وہ کھٹ سے دائیں طرف مڑ گیا ہم دائیں طرف ہوئے تو وہ بائیں سے جھک کر نکل گیا۔

ہمارے لئے سب سے اچھا کیبن مخصوص تھا اس کے دروازے پر تھائی لباس میں چار لڑکیاں کھڑی تھیں انہوں نے جھک کر اور ہاتھ جوڑ کر سواگت کیا ان کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ تھی کہ ہمارے علاوہ اور لوگوں کو بھی غلط فہمی ہونے لگی۔ جہاں نشست کا انتظام تھا اس کے ساتھ لکڑی کا جنگلا تھا اور ذرا دور پانی میں ایک بڑی سی اسٹیج بنی تھی ہمارے بیٹھتے ہی وہ روشن ہو گئی اور دنیا کی حسین ترین لڑکیاں خوبصورت لباس میں آ کر گانے لگیں، ناچنے لگیں یوں محسوس ہوتا تھا جیسے زمین پر پریاں اتر آئی ہوں ان کے گانے کے بول سمجھ میں نہ آتے تھے۔ لیکن آواز کا جادو چاروں طرف پھیل رہا تھا اس عرصے میں خواتین نے آ کر پوچھا پانی پئیں گے یا مشروب دونوں ایک قیمت کے

ہیں ہم نے مشروب مشرق مانگا وہاں اناناس کا جوس تھا اس کے بعد تھائی سوپ۔ یہ ہم کراچی میں کئی جگہ پی چکے تھے گرم پانی میں تیرتی ہوئی سبزیاں نمک و کالی مرچ اس کے علاوہ چکن فرائڈ آلو کے پکوڑے سبزیوں کا پلاؤ۔ ہماری ہم سفر مسز گومیس نے اناناس کے گلاس میں بھرے برف کو ناپسند کیا تو تھائی میزبان دوسرا گلاس لے آئی لیکن اس کے لئے پچاس بھات وصول کر لئے یہاں جو وہ کھلائیں پلائیں مفت جو دکھائیں مفت لیکن کچھ مانگ لو تو بھات نکالو اس ڈر کے مارے ہم نے کولڈ رنک کے لئے اسٹرا خلال کے ٹوتھ پک اور ہاتھ صاف کرنے کے لئے ٹشو پیپر نہیں مانگا۔ تھائی میزبان مسکرائیں تو ہم بھی مسکرائے وہ سنجیدہ ہوئیں تو ہم نے مسکرانے کی درخواست نہیں کی خواہ مخواہ بھات ضائع کرنے کا فائدہ۔ ہم سوپ پیالے میں پی رہے تھے چاول پلیٹ میں کھا رہے تھے تھائی میزبان نے آ کر طریقہ بتایا کہ چاول پر سوپ ڈال کر کھائیں ہم نے ایسا ہی کیا چاولوں کا ذائقہ بڑھ گیا پھر اسٹیج پر رقص میں گرمی آ گئی ایک کسان اور اس کی محبوبہ ناچ رہے تھے آنکھیں اسی طرف ہو گئیں یہ منظر دیر تک رہا کھانا ختم ہوا۔ اسٹیج پر اندھیرا چھا گیا پریاں شہزادی کسان سپاہی سب منہ دھونے چلے گئے کھیل ختم ہوا گائیڈ کے ساتھ ہوٹل کی سیر کو نکلے' جگہ جگہ پانی کے چشمے' آبشاریں' اونچے نیچے راستے' دردائیں بائیں سے گزرتے بیرے ہوٹل والوں کا دعویٰ ہے اس میں تین ہزار آدمی کھانا کھا سکتے ہیں لوگ بہت تھے ہم نے گنا نہیں' کم زیادہ ہوتے تو ہوٹل والوں کا بھرم جاتا۔ باہر نکلے تو اس بار لڑکیوں نے الوداع کہا۔ گیٹ پر 1253 کا ہندسہ لکھا تھا ہم سمجھے یہ اندر بیٹھے ہوئے لوگوں کی تعداد بتانے کا ہندسہ ہے' گائیڈ نے بتایا یہ بدھا سال ہے گوتم بدھ کا سال 1253 ہے یہ 13/اپریل کو شروع ہوتا ہے قمری اور شمسی سال کے بعد بدھا سال یہاں معلوم ہوا۔ ہوٹل کے باہر بہت بڑا پارکنگ ایریا ہے اس میں ایک ہزار گاڑیاں پارک ہو سکتی ہیں۔ اس میں سے ایک ہماری بس تھی جس میں سوار ہو کر سڑک پر آئے تو بنکاک بائی نائٹ دیکھنے کا پروگرام بنا اس کا ٹکٹ دس امریکی ڈالر ہے۔ سب تیار ہو گئے گائیڈ شرما شرما کر سمجھانے لگا کہ بنکاک کی رات کا کیا مطلب ہے لیکن ہمارے کسی ہمسفر نے سمجھ کر نہ دیا اور جانے پر اصرار کیا۔ تھوڑی دیر میں ہماری بس ایک گلی میں تھی مارلین نام کی نیون سائن روشنی تھی گائیڈ اتر کر گیا اور آ کر بری خبر دی کہ کلب کا ایئر کنڈیشن کام نہیں کر رہا آج شو دیکھنا ممکن نہیں ہم نے شکریہ ادا کیا امریکہ کے دس ڈالر

اور ہماری عزتِ سادات بچی۔

ہوٹل پہنچے تو ابھی صرف دس بجے تھے اور بنکاک میں دس بجے سوتا جائز نہیں اس لئے راچھا سے باہر نکلے سب سے پہلے بالکل سامنے عریبین نائٹ کلب والی نے دبوچ لیا ہم نے اس کی زبان سمجھنے سے انکار کر دیا تو وہ اشاروں سے سمجھانے لگی ہم نے وہ بھی سمجھ کر نہ دیا تو اس نے دونوں ہاتھوں سے دھکا دیا شاید برا بھلا بھی کہا جو ہم سمجھے نہیں' زبانوں کا مختلف ہونا کیسی نعمت ہے۔ اس سے دس قدم آگے ایک بار ہے اس کے دروازے پر دائیں بائیں دو نہایت خونخوار خواتین سگریٹ کے مرغولے فضا میں بکھیر رہی تھیں۔ ایک نگاہِ غلط انداز میے ہماری طرف دیکھا اور غریب پردیسی سمجھ کر چھوڑ دیا۔ موڑ پر ایک صاحب نے سوال کیا ''باڈی مساج'' ہم نے انکار میں سر ہلا دیا وہ ناراض ہو گیا ہمارا رخ سکھومت روڈ کی طرف تھا ذرا سا آگے جا کر بہت سے موٹر سائیکل والے کھڑے تھے بنکاک میں موٹر سائیکل بھی ٹیکسی کی طرح استعمال ہوتی ہے کم مسافت کے لئے عورتیں مرد موٹر سائیکل کی پچھلی نشست پر بیٹھ کر اپنی منزل جاتے ہیں اس کا کرایہ رکشہ ٹیکسی سے کم ہے۔ پتلی اور تنگ گلیوں میں آسانی سے جا سکتی ہیں یہ باقاعدہ قانونی کرائے کی سواری نہیں حکومت کے علم میں ہے اور چپ رہتی ہے ہم بھی چپ رہے لیکن ان میں سے ہر ایک نے اپنی موٹر سائیکل کی پچھلی نشست پر بٹھانے پر اصرار کیا اس لئے نہایت حسین لڑکیاں مختلف گلیوں میں ہماری منتظر تھیں زندگی میں ہم کبھی اس خوش فہمی کا شکار نہیں ہوئے لہٰذا ان تمام موٹر سائیکل سواروں کو مایوس کیا اپنے آپ کو بھی آزردہ کیا۔ سکھومت روڈ جگمگا رہا تھا کرسمس کی تیاریوں کی وجہ سے نئے سال کو خوش آمدید کہنے کی بے قراری میں اور بادشاہ سلامت کی سالگرہ کی خوشی میں چراغاں ہی چراغاں تھا راجہ صاحب کی سالگرہ 5 دسمبر کو ہوتی ہے لیکن دسمبر کے پورے مہینے دھوم دھام رہتی ہے امریکن جرمن ہندوستانی جو بھی فٹ پاتھ سے گزرتا تھائی لڑکی کا بازو تھامے ہوتا وہ غریب مسکراتی جاتی۔ ''تھائی لینڈ مسکراہٹ کی سرزمین ہے''۔ ہمارے پاس ایک عجیب سی شکل والا آدمی آ کر سوال کرنے لگا ''صاحب انڈین گرل ...'' ہمارے ہندوستان سے مراسم خراب ہیں روز وہ ہم پر الزام لگاتے ہیں روز ہم احتجاج کرتے ہیں ان حالات میں انڈین گرل سے مراسم ہمیں کیا زیب دیتے اس لئے ٹھنڈی سانس بھر کر اپنے ٹھنڈے کمرے میں

آ کر خواب دیکھنے لگے۔ ساری سیاست ریاست اور شرافت کو بالائے طاق رکھ کر۔ زندگی میں خواب نہ ہوں تو وہ کیسی بے کیف ہو جائے۔؟

صبح پیٹ بھر کر اناناس کھایا مالٹے کا جوس پیا استقبالیہ پر ملک ملک کے سیاحوں کو دیکھ کر خوش ہوتے رہے دو تین خواتین چوڑی دار پاجامہ کرتا پہنے پنجابی بولتی پھر رہی تھیں۔ ساڑھی پہن کر ایک صاحبہ انگریزی بول رہی تھیں ہم سب سن رہے تھے گائیڈ آنند ہر ایک سے بس میں بیٹھنے کی درخواست کر رہا تھا آج شہر کی سیر کرنی تھی بہت سے ساتھیوں کو اس میں دلچسپی نہ تھی لیکن مجبوراً بس میں سوار ہو رہے تھے۔ موسم صبح ہی سے گرم تھا اس لئے ایئر کنڈیشن بس میں بیٹھ کر مزہ آیا بس چلی تو آنند کی زبان بھی چلی تھائی لینڈ میں اکیس ہزار مندر تعمیر کئے گئے ہیں عام لوگوں کے لئے الگ ہیں اور بادشاہ الگ عبادت کرتے ہیں بنکاک شہر میں چار سو کے قریب مندر تعمیر ہوئے ہیں بلکہ ایک پوری کالونی مندروں کی ہے ایسے ایسے خوبصورت مندر کہ دیکھ کر حیرت ہوئی اور عام آدمی کی غربت کا بھید کھلا ظالموں نے اپنا سارا سرمایہ ان کی تعمیر تزئین و آرائش پر لگا دیا اور خود ہوا کھاتے ہیں خوش رہتے ہیں پارکوں کے پاس سے گزرے تو آنند تفصیل بتانے لگا سارے کے سارے پارک ملاقاتوں کے لئے مناسب تھے۔ آنند نے ان کا اور کوئی مقصد نہیں بتایا ہم نے پوچھا نہیں جتنا کہا سن لیا زندگی نے وفا کی اور سپر ٹریولز والے مجاہد نے مدد کی تو پھر آئیں گے اور ان پارکوں میں ملاقاتیں کریں گے۔

ہر شخص گولڈن بدھا ہے

بس ایک معمولی سے دروازے کے سامنے رک گئی۔ یہ دنیا کا سب سے قیمتی مندر ہے۔ یہاں گولڈن بدھا رکھا ہے ساڑھے پانچ ٹن اصلی سونے کا مجسمہ' قیمت کا اندازہ کریں تو دنیا کے سارے کلکولیٹر حیران رہ جائیں۔ ہم نے ٹیکسلا کے عجائب گھر میں' عبادت گیان دھیان میں مصروف' دنیا سے رشتہ توڑے مکتی حاصل کرنے کے لئے بھوک سے پسلیاں نکالے بدھا دیکھے ہیں۔ یہاں پورے کا پورا سونے کا۔ ایک کہاوت "وہ پورا سونے کا بن کر آجائے تو بھی قبول نہ کروں" بدھا کے لئے نہیں ہمارے لئے ہے سونا ہماری زندگی میں بڑا اہم ہے لیکن ہم سے اتنا ہی دور۔ کسی کارنامے پر کبھی گولڈ میڈل ملا بھی تو صرف نام کا' پیتل کے میڈل پر سونے کا پانی' اپنے شہر میں اپنی بستی میں سونے کی کتنی دکانیں ہیں لیکن سب ڈاکوؤں کے نصیب کی۔ روز ڈاکے پڑتے ہیں ہمارے قدم نہیں پڑتے ایک بار دوست محمد فیضی کے بہنوئی کے سونے سے جھلملاتی دکان پر گئے بھی تو مفت چابی کا چھلا اور ٹیلی فون نمبر لکھنے کی جیبی ڈائری لی اور خوش ہو گئے۔ نصیب میں صرف رات کا سونا ہے۔ یہ سب سے بڑی نعمت ہے۔ ورنہ دن بھر کے کڑے کام کے بعد راتوں کو تارے گننے پڑتے تو کیسی قیامت ہوتی۔

دروازے سے اندر داخل ہوئے ایک لمبا سا کوری ڈور تھا پھر مردہ خانہ سب نے شیشے کے

دروازے سے اندر جھانک کر دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا۔ صرف ہماری خواہش کی بہت سی لاشیں رکھی تھیں وہ ہم ہر جگہ چھوڑ آتے ہیں۔ سامنے انسان کو خاک بنانے والی بھٹی تھی۔ مرزا غالب یہاں ضرور آئے ہوں گے جب ہی کہہ گئے ہیں ''خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک'' اس سے آگے وہ سیڑھیاں جن پر چڑھ کر گولڈن بدھا کے دیدار ہوتے ہیں بائیں طرف ایک چھوٹا سا کاؤنٹر تھا یہ زرمبادلہ کا بنک تھا ہم نے دوسو امریکی ڈالر دے کر پانچ ہزار بھات پائے یہ بدھا کے طفیل تھا ورنہ دوسری جگہ چار ہزار نو سو اٹھانوے ملتے ہیں۔ سیڑھیوں پر سنہری پنیاں، پھول، موم بتیاں فروخت ہوتی ہیں اندر زمین سے چھت تک بلند ایک سنہرا بدھا بیٹھا ہے اوپر سے نیچے تک ٹھوس سونے کا بہت سے حصے جوڑ کر بنایا گیا ہے۔ ہمیں کوئی جوڑ نظر نہیں آیا بھلا بدھا کا کیا جوڑ۔ کیا شان ہے۔ اس سونے کی جو بدھا بن گیا۔ ورنہ ایرے غیرے نتھو خیروں کے ناک کان میں جھولتا اور چوروں ڈکیتوں کے ہاتھوں میں کھیلتا۔ ہم نے حسرت سے دیکھا بدھا نے ساری عمر قربانیاں دیں۔ کاش آج ایک انگلی ہمیں عطا کر دیں۔ نسلیں کھائیں گی اور بدھا کے لئے دعائے خیر کریں گی' لیکن ایسا کب ہوا شمیم بھابی، روبی بھابی، نگہت، فاطمہ ایک ٹک دیکھے جا رہی تھیں۔ کیا پتہ حساب لگا رہی ہوں۔ ایک ہاتھ سے ایک پاؤں سے کتنے ہار کڑے اور بالیاں بن جائیں گی۔ دنیا بھر سے آئی ہوئی عورتیں بدھا کو عقیدت سے دیکھ رہی تھیں۔

گائیڈ بتا رہا تھا سات سو سال پہلے بدھا کا یہ مجسمہ بنایا گیا اس پر سیمنٹ چڑھا دیا گیا۔ پھر یہ صدیوں تک زمانے کی سرد گرم سہتا رہا۔ ایک دن کسی سادھوں نے اس کا چہرہ دھویا' سیمنٹ پھٹ گیا اندر سے گولڈن بدھا مسکراتا نکل آیا یہ روایت برسوں سے چلی آ رہی ہے۔ وہ سیمنٹ جو اس کے جسم پر چڑھا تھا مجسمے کے برابر دیوار میں شیشے کی الماری میں رکھا ہے سچ ہے جو سیمنٹ بدھا کے جسم سے لگ گیا وہ بھی امر ہو گیا۔ دنیا میں کتنے گنہگار سزا وار لوگ اچھوں کے ساتھ لگ کر' مل کر سیدھا راستہ دیکھ لیتے ہیں۔

گولڈن بدھا کے بارے میں ہمارا خیال ہے کہ کسی دولت مند بادشاہ نے چوروں ڈاکوؤں کے ڈر سے اپنے خزانے کے سونے سے بدھا کا مجسمہ بنا کر اس پر سیمنٹ چڑھا دیا ہو گا چور' ڈاکوؤں سے بچ رہا اور پھر اس طرف سے کسی محمود غزنوی کا گزر بھی نہ ہوا ہو گا اور جب ہم پہنچے تو سیڑھیاں

چڑھنے سے پہلے ہی دل کا سارا آنگن بتوں سے بھر لیا تھا۔ اس لئے یہ مجسمہ بنکاک میں جوں کا توں رکھا ہے۔

ہمارا ایمان ہے کہ ہر شخص اندر سے گولڈن بدھا ہوتا ہے، مصلحت اور وقت اس پر سیمنٹ چڑھا دیتا ہے۔ گولڈن بدھا بے چین رہتا ہے اور کتنے کم لوگ ہیں جن کے جسم سیمنٹ اکھاڑنے کوئی سادھو آتا ہے' تب کہیں گولڈن بدھا باہر نکلتا ہے۔ ورنہ انسانوں کا بڑا گروہ سیمنٹ سے لپٹی مصنوعی زندگی گزار کر خاک بن جاتا ہے۔

تصویریں کھینچنے کی باری آئی تو ہر عورت نے بڑے چاؤ سے بدھا کے پاس کھڑے ہو کر اس کی طرف حسرت سے دیکھتے ہوئے پوز دیئے۔ بائیں جانب چار بدھا بیٹھے تھے لوگ ان کے جسم پر سنہری پنیاں لگا رہے تھے بدھا کے جسم کو جھلملا رہے تھے جو حسن کے طلب گار تھے وہ بدھا کی بے جان آنکھوں پر پنیاں لگا رہے تھے جو طاقت حاصل کرنا چاہتے تھے وہ بدھا کے ہاتھوں کو سنہرا کر رہے تھے بہتر مستقبل کے لئے ماتھا۔ طویل عمری اور خوشگوار سفر کے لئے پاؤں، محبوب کو قدموں میں جھکانے کے لئے دل کو جگمگانا ضروری ہے۔ نتاشا مرزا اور کامران مرزا دونوں بدھا کے جسم کے ہر حصے پر سنہری پنیاں لگا رہے تھے۔ نئے شادی شدہ جوڑے کو ساری راحتیں درکار تھیں۔ ایک بھولی بھالی نئی نویلی دلہن رضیہ اور دولہا اسماعیل کو ہوٹل واپس آ کر معلوم ہوا کہ سنہری پنیاں لگا کر کیا مانگا جا رہا تھا رضیہ پچھتانے لگی۔ تب ہم نے اسے بتایا کہ سنہری پنیاں لگائے بغیر بھی وہ جو کہے گی اسماعیل حاضر کر دے گا۔ اس نے یقین کیا خوش ہو گئی۔

لوگ جب بدھا کے جسم پر سنہری پنیاں لگا رہے تھے ہم دور کھڑے دیکھ رہے تھے۔ گولڈن بدھا کی سیڑھیاں چڑھنے سے پہلے ہی اللہ میاں نے ہمیں سب کچھ دے دیا تھا اور اتنا کہ دامن بھر گیا ہے۔ وہ کامیابیاں دیں جن کا ہم نے تصور نہیں کیا ان کاموں کے لئے عزت دی جو ہم نے کبھی نہیں کئے اب تو زندگی کے ہر پل اور ہر سانس جب نیلے آسمان کی طرف نظریں اٹھیں گی۔ رواں رواں شکر ادا کرے گا۔

بدھا کو جتنی دیر دیکھا آنکھیں جگمگاتی رہیں دائیں طرف سنہری چابی کا چھلا ڈانس کرتی ننھی گڑیاں خریدیں اور بائیں جانب سے نیچے اتر آئے ننھی منی دکانوں سے خوبصورت کٹے ہوئے

ناریل خریدے ایک خود پیا دوسرا اپنے ہمسفر فہیم کو دیا۔

گائیڈ آنند نے واپس چلنے کے لئے شور مچانا شروع کیا تب بوجھل بوجھل قدموں سے خواتین اور تیز تیز قدموں سے حضرات واپس آئے۔ بس میں بیٹھ کر موسم کی سختی کا احساس ہوا کسی نے تھائی سے پوچھا آپ کے ہاں موسم کتنے ہوتے ہیں وہ بولا تین۔ ایک گرم۔ دوسرا بہت گرم اور تیسرا بہت زیادہ گرم۔ یہ دسمبر کا مہینہ تھا اس لئے موسم گرم تھا۔ لیکن موسم کی یہ گرمی کسی کام میں رکاوٹ نہیں ڈالتی پڑھائی' لکھائی' نوکری' دکانداری سب چلتی ہے۔ تھائی لینڈ میں چھ سے بارہ سال تک تعلیم ضروری ہے اس لئے آبادی کا بڑا حصہ پڑھا لکھا ہے تھائی زبان میں انگریزی مشکل سے سمجھتے ہیں۔ یونیورسٹی تک ان میں سے صرف دو فیصد پہنچتے ہیں باقی دوراہوں' چوراہوں' سڑکوں اور فٹ پاتھوں پر رہ جاتے ہیں۔ دکانوں' دفتروں اور ٹھیلوں پر۔ اس لئے کہ اٹھارہ سال کے بعد تعلیم حاصل کرنے کے اخراجات والدین کو اٹھانے پڑتے ہیں وہ غریب اپنا بوجھ نہیں اٹھا سکتے تعلیم کا تصور کہاں کریں گے۔ ایک دلچسپ بات دیکھنے میں آئی۔ بچوں کے سر کے بالوں سے ان کی تعلیم کا اندازہ ہو جاتا ہے پرائمری میں پڑھنے والوں کے بال کانوں تک ہوتے ہیں سیکنڈری کے بچے کالر تک بال رکھ سکتے ہیں اور کالج کی لڑکیاں شانے تک۔ ہم نے سوچا کسی اچھے نائی سے اپنے بالوں کو تعلیم کے اظہار کا ذریعہ بنائیں گے۔ لیکن نہ کوئی اچھا حجام ملا نہ ہوٹل پہنچ کر تعلیم سے رغبت قائم رہی۔

تھائی لینڈ ایک پُرامن ملک ہے۔ آس پاس کی ریاست سیاست میں ٹانگ نہیں اڑاتا۔ آپ لاکھ ایٹم بم بنالیں وہ شور نہیں کرے گا آپ اسے دکھادیں وہ کہے گا۔ ''اچھا ہے۔ اور بنائیں'' یہاں کے بادشاہ سلامت پینتالیس سال سے عیش کر رہے ہیں اور عوام کو کرا رہے ہیں یہ تخت پر نہیں لوگوں کے دلوں میں بیٹھ کر کرتے ہیں۔ ملک میں جمہوریت ہے ہر طرف امن و امان ہے چوری چکاری قتل و غارت گری بہت کم ہوتی ہے۔ کیونکہ چور اور قاتل کام پر لگ گئے ہیں ٹیکسی چلاتے ہیں باڈی مساج پارلر کے ناظم ہیں سیاحوں کو خوش کر رہے ہیں۔ بادشاہ سلامت نے لوگوں کو چست رکھنے کے لئے فوجی تربیت لازمی قرار دی ہے۔ ادھر آپ کی اکیسویں سالگرہ کا دن آیا تو مبارک باد کا کارڈ فوج کی طرف سے وصول ہوا'' قبلہ! آپ اکیس سال کے ہو گئے۔ آیئے ذرا بندوق کندھے پر رکھ کر مارچ کر کے دکھائیے'' یہ تربیت دو سال کی ہوتی ہے۔ اگر ان کے بلاوے سے پہلے رضا کارانہ طور پر حاضری دی تو یہ ڈیڑھ سال کی رہ جاتی ہے چھ مہینے معاف۔ ہر نوجوان کو ہیڈ کوارٹر جا کر' ایک کارڈ نکالنا پڑتا ہے اگر کارڈ کا رنگ کالا ہے تو ایک سال کے لئے جان بچی اور رنگ سرخ ہے تو چلو لیفٹ رائٹ کرو۔ دروغ بر گردنِ راوی سنا ہے وہاں صرف سرخ رنگ کے کارڈ ہوتے ہیں۔ ہمارے گائیڈ آنند نے بھی فوجی تربیت حاصل کی تھی اس لئے صبح شام کام کر کے تھکتا نہیں تھا۔

ایک جگہ دیکھا سڑک کے دونوں طرف جولان یونیورسٹی بنی ہے۔ یہ 1970ء میں قائم ہوئی یہاں تعلیم حاصل کرنا بڑا اعزاز ہے۔ ضرور ہوگا دو فیصد طالب علم یونیورسٹی جائیں تو باقی لوگ تو حسرت سے دیکھیں گے۔ سامنے اچانک سر پر بڑے بڑے ہیٹ لگائے عورتوں کو گٹر صاف کرتے سڑک کھودتے دیکھا صنفِ نازک کی یہ بے قدری نہ دیکھی گئی ہم نے آنکھیں بند کرلیں پھر جو کھولیں تو اپنے آپ کو ناظم آباد کی ایک سڑک پر پایا ہم سمجھے خواب دیکھ رہے ہیں لیکن چند لمحوں میں بس لالو کھیت میں داخل ہوگئی تو ہم گھبرائے یہ کیا گڑبڑ ہے لحہ بھر کو آنکھ کیا موندیں ظالموں نے کراچی واپس بھیج دیا۔ ابھی پوری طرح پریشان نہ ہوئے تھے کہ واپس بنکاک میں آگئے اب دل کو سکون ہوا اس سفر کی یہی خصوصیت ہے ہر شخص کو اپنا علاقہ نظر آجاتا ہے۔ دوراہوں' چوراہوں' گلی کوچوں کے علاوہ یہاں آنے والے بیشتر سیاح یہاں کی خواتین کو بھی اپنا ہی سمجھتے ہیں وہ بھی انہیں اجنبی ہونے کا دکھ نہیں دینا چاہتیں اس لئے مسکراتی ہیں۔ تھائی لینڈ مسکراہٹ کی سرزمین ہے۔

آنند نے یہ کہہ کر خواتین کو خوش کر دیا کہ تھائی لینڈ کی عورتوں کی اوسط عمر مرد سے پانچ سال زیادہ ہے۔ مرد صرف 60 سال زندہ رہتا ہے عورت مزید پانچ سال اس کی جائیداد اور بچوں کی دیکھ بھال کے لئے۔ عورتوں نے تالیاں بجائیں اور مردوں کے چہرے لٹک گئے۔

ہماری بس کئی سڑکوں سے گزر کر ایک چھوٹے سے دروازے پر اتار کر چلی گئی اندر داخل ہوئے تو خوبصورت شوخ رنگوں سے سجے صاف ستھرے مندروں کی بستی میں داخل ہوگئے۔

یہاں گوتم بدھ ایک ہاتھ سر کے نیچے رکھے دائیں کروٹ لئے سوچ رہے ہیں یہ مجسمہ چھیالیس میٹر لمبا اور پندرہ میٹر اونچا ہے یہ اینٹوں کا بنا ہے جب ہم پہنچے تو ہمارے آنے کی خوشی میں

اس پر رنگ وروغن ہور ہا تھا باہر دیوار پر سونے کے پھول پتے بنے تھے تھائی لینڈ کی عورتوں کے کان اور ناک صاف ستھرے ہوتے ہیں۔ اس کا راز یہاں آکر کھلا سارا سونا بدھا کے مجسمے پر پھول پتے بنانے میں لگا دیا۔ اپنے کان ناک کے لئے کچھ نہ رکھا۔ یہ اچھا کیا اس لئے ہر لڑکی مسکراتی ہے۔

آنند نے ہمیں بدھا کے مجسمے کے دروازے پر چھوڑ دیا۔ اندر جاؤ اور دیدار کرآؤ ہم بنکاک میں دیکھنے اور سیر کرنے آئے تھے اس لئے دروازہ کی چوکھٹ سے گزر کر اندر گئے تو دیکھا بدھا ہماری طرف سے پشت کئے لیٹے ہیں ایک چکر لگا کر چہرے کی طرف گئے جگہ جگہ دنیا سے منہ موڑنے والوں کی خاک رکھی تھی۔ لوہے کی کڑاہیوں میں خیرات میں آئے ہوئے سکے رکھے تھے بدھا کا چہرہ چمکدار تھا۔ وہاں سے آگے بڑھے تو قدموں کی طرف آئے ہمارے قد کے برابر ان کے پاؤں ہوں گے سچ ہے بڑے لوگوں کے بڑے پاؤں آج یہ بڑے صاف ستھرے نظر آرہے تھے ہم نے تصور کیا یہ بستی بستی پربت چلے ہوں گے ان میں سینکڑوں کانٹے چبھے ہوں گے۔ ہزاروں نے بیابان ریگستان پار کئے تب نروان حاصل ہوا،، تکتی ٹلی زخمی پاؤں آج کیسے حسین نظر آتے ہیں ہم متاثر ہو کر باہر نکلے تو ایک خاتون نے پھنکاریں مارتا خونخوار ٹی کلو وزنی سانپ ہمارے گلے میں ڈال دیا ہم نے دہشت سے چیخ مارنا چاہی تو ہمارے ساتھی ہنس پڑے۔ ایک نے بڑھ کر کیمرے سے تصویر اتار لی معلوم نہیں ہماری یا سانپ کی۔ ممکن ہے اس عورت کی جوگی سانپ گلے اور ہاتھوں میں لئے کھڑی تھی یہ سانپ اصلی ہیں ان کا زہر نکال دیا گیا ہے لوگ انہیں گلے میں لٹکا کر تصویر کھنچواتے ہیں ہم ساری عمر ایسی تفریح سے دور رہے جس میں دہشت ہو خوف ہو اس لئے بھاگنے دوڑنے اور اڑنے والے جھولوں میں نہیں بیٹھے۔ پہاڑ پر نہیں چڑھے پیراشوٹ سے چھلانگ نہیں لگائی۔ سانپ گلے سے ذرا دیر بعد الگ ہو گیا لیکن اس کا چمکتا جسم اور پھنکار سارے دن ساتھ رہی وہاں سے آگے بڑھے راستوں میں عجیب شکلوں والے مجسمے کھڑے تھے یہ نگہبان دربان تھے جگہ جگہ گوتم بدھ کے مجسمے تھے طالب علموں کے مطالعے کے لئے کمرے ایک جگہ دس میٹر لمبا تانبے کا مجسمہ سونے کا پانی چڑھائے کھڑا لوگوں کو دعائیں دے رہا ہے لیکن لوگوں کی تمنائیں آرزوئیں اتنی ہیں کہ پوری نہیں ہوتی۔ بدھ دعا کرتے کرتے تھک گیا اس کا وزن پچیس ٹن ہے ہم نے سوچا اگر کبھی زلزلہ آگیا پھر خیال آیا بدھا کی تعلیم نے پوری دنیا میں زلزلہ

پیدا کر دیا تھا اب ذرا سے جھٹکے اس پر کیا اثر ڈالیں گے دائیں طرف ایک بہت خوبصورت شاہی مندر تھا جب ہم پہنچے اس کی تزئین وآرائش کا کام جاری تھا زر کثیر اس پر خرچ ہو رہا تھا دروازے ہی دیکھ کر دل خوش ہو گیا اس کی دیواروں کے پتھر پر تصویریں کھدی ہوئی تھیں۔ تاریخ تھی اور مصوری کے شوقین طالب علم رنگوں کے ذریعے کاغذ پر اتار رہے تھے یہ طالب علم تھے اور پوری توجہ اور انہماک سے اپنا کام کر رہے تھے ہم نے تصویروں کو مختلف زاویئے سے دیکھ کر اور سوال پوچھ پوچھ کر انہیں خوب تنگ کیا۔ گیروے کپڑے پہنے ننگے پاؤں سر منڈوائے کتنے سادھو تھے جو چپ چاپ ہمارے پاس گزر گئے انہیں دیکھ کر مندروں کے شہر میں کھڑے ہو کر اچانک جی چاہا کہ سفاری سوٹ اتار کر گیروے کپڑے پہن لیں اور دنیا چھوڑ دیں لیکن اس آسانی سے دنیا چھوڑ سکتے تو آج سب سادھو نظر آتے جنگل صحرا پر رونق ہو جاتے اور شہر ویران ہو جاتے ادھر سادھو بننے کا خیال آیا تو سامنے مسکراتے چہرے نظر آئے۔ ساری توجہ اس طرف ہو گئی بچارہ سادھو کسی مندر کے مجسمے کی پشت پر چلا گیا۔

آنند ہماری نظروں کو پہچان گیا۔ پوچھنے لگا ''سادھو اچھے لگتے ہیں''۔

''ہاں زندگی کی ہر سادگی اچھی لگتی ہے''۔ ہم نے کہا'' آپ کو ایک حیرت انگیز بات بتاؤں ہمارے ہاں شادی کے لئے ضروری شرط سادھو بننا ہے''۔ ہم سمجھے جیسے ہمارے ہاں شادی کے لئے دولہا بنتے ہیں بنکاک میں سادھو بنتے ہوں گے اس لئے پوچھ بیٹھے ''کتنی دیر کے لئے۔''

''تین ماہ کے لئے'' آنند نے کہا۔

''یعنی تم تین ماہ تک سادھو بنے رہتے ہو اس کے بعد شادی ہوتی ہے'' ہم نے حیرانی سے پوچھا۔

''نہیں سادھو کبھی بھی بن سکتے ہیں شادی کے بعد سادھو بننا کام آتا ہے ورنہ شادی نہیں ہوتی''۔ آنند بولا۔

''اس تین ماہ میں کیا کرتے ہو۔''

''گیروا کپڑے پہن کر مندر میں رہتے ہیں ہر چیز کا پرہیز سوچنے تک کا''۔ آنند کہنے لگا۔

ہم بنکاک کی عورتوں کی ذہانت کے قائل ہو گئے۔ تین مہینے جو آدمی دنیا کی ہر راحت اور لطف

سے محروم ہو اس کے بعد شادی کا بندھن' پھر ہر چیز اچھی لگنے لگی۔ تین مہینے کی تپسیا سے وہ قناعت پسند' صلح جو' امن پسند' وفادار ہو جائے گا ایک عورت کو اس سے بہتر شوہر کہاں مل سکتا ہے؟ اس لئے طلاقیں کم ہوتی ہیں مرد و عورتوں سے اپنے جائز حقوق مانگتے نظر آتے ہیں نہ جانے سادھو بننے والی بات ہماری خواتین کی انجمنوں تک پہنچی یا نہیں ورنہ ہر مرد غیر شادی شدہ نظر آتا۔

آنند نے فوجی تربیت حاصل کی سادھو بنا لیکن پھر بھی غریب کنوارہ کا کنوارہ ہم نے سبب پوچھا اس نے شریف آدمی سمجھ کر تفصیل بتا دی موصوف عشق فرما رہے ہیں اور ان کی گرل فرینڈ مسلمان ہے۔ فاطمہ نام ہے ہمیں گرل اور فرینڈ دونوں پر اعتراض نہیں صرف آنند سے دوستی پر ذرا سی جلن ہے امید ہے وقت کے ساتھ وہ بھی جاتی رہے گی۔ آنند غریب نے تو ہم پر اعتبار کر کے ایک دن ملاقات بھی کرائی تھی دو بار ہاتھ بھی ملوایا تھا بچارہ سادھو ہے فاطمہ ہمیں پسند ہے وہ بھی گائیڈ ہے۔ جس کے ساتھ جاتی ہوگی سب خوش رہتے ہوں گے۔ ہم نے اس کا اسلامی امتحان بھی لیا تھا۔ جس میں مکہ مدینہ پوچھا تھا وہ پاس ہو گئی تھی۔ ہمارے ساتھ رات کا کھانا اور چائے پی ہم نے اسے ترغیب دی آنند کو مسلمان کر لو یہ نجانے جذبہ رقابت تھا یا اسلام دوستی۔ وہ ہنسنے لگی تھائی میں آنند سے کچھ کہا وہ بھی ہنسنے لگا ہم بھی ہنسنے لگے۔ آنند نے انگریزی میں کہا میں تو فاطمہ سے مل کر کب کا مسلمان ہو گیا ہوں۔ اس کے لئے زبان سے اقرار ضروری ہے! ہم نے کہا ضروری ہے۔

''وہ بھی کرلوں گا'' آنند نے وعدہ کیا۔

ہم نے فاطمہ اور آنند کو پاکستان آنے کی دعوت دی ہے۔ اور وہ دونوں آنے پر تیار ہیں۔

مندروں کے شہر سے باہر نکلے تو دنیا کے جھمیلوں میں پڑ گئے۔ بھوک مٹانے بابل ہوٹل کی طرف چل پڑے۔

ہمیں گھسیٹ کر سکھنی کے حضور پیش کر دیا گیا

بابل ریسٹورنٹ میں لاہوری منیجر اور تھائی لڑکیاں ہمارے انتظار میں کھانا سجائے کھڑی تھیں۔ آج کچھ سستی ڈشیز تھیں' آلو مٹر' مسور کی دال' چکن کری' پاپڑ' چاول پیاز گوبھی کے ڈنٹھل' ہری مرچیں اور غلطی سے گرے ہوئے کہیں کہیں گوشت کے ستارے جیسے ٹکڑے۔ یہ سب دیکھنے میں اچھا تھا۔ آج سویٹ ڈش میں کھیر تھی۔ لیکن نادر اپنی پسند کی سویٹ ڈش کھا رہا تھا۔

نادر ہماری پارٹی کا ایک ممبر تھا۔ کراچی ایئر پورٹ پر روانگی میں اس کی وجہ سے تاخیر ہوئی یہ غائب ہو گئے لاؤنج میں بنی مسجد تک میں تلاش کر لیا آخر پریشان ہو کر جہاز میں پہنچے تو معلوم ہوا موصوف ہم سب کو چھوڑ' ایک گراؤن ہوسٹس سے باتیں کرتے آئے یہ اپنے ویٹ یعنی لالوکھیت میں رہتے ہیں کسی خاتون کو دیکھ لیں تو نہایت سنجیدگی سے بات شروع کر دیتے ہیں۔ آغاز اس کے حسن کی تعریف سے ہوگا' وہ غریب بات سن لے گی۔ یہ نہایت آہستہ تقریباً سرگوشی میں بات کر کے خود بھی مشکوک ہوتے ہیں۔ دوسرے کو بھی شک میں مبتلا کرتے ہیں پہلے دن جب بابل ہوٹل میں آئے بیک وقت تینوں لڑکیوں پر دل و جان سے عاشق ہو گئے۔ کھانا کھاتے جاتے ان کے حسن کی تعریف کرتے جاتے وہ غریب اس لئے مسکراتیں کہ تھائی لینڈ مسکراہٹ کی زمین ہے۔

یہ سمجھتے ان کے گول چہرے چمکدار عینک اور جیب میں رکھے پاسپورٹ پر امریکی ویزے کی وجہ سے مرعوب ہو رہی ہیں۔

نادر آج کل امریکہ میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ پہلے دن اس نے بتایا تھا میں چھ ماہ سے امریکہ میں ہوں پھر جس نے پوچھا سال دو سال بڑھا دیئے۔ آخری دن تو یہ عالم تھا کہ ان کی نسلیں وہاں آباد تھیں غالباً ریڈ انڈین کے زمانے میں ہمارے کمسن ہم سفر نہیم ساکرانی سے تو وہ یہ بھی کہہ گئے کہ ان کے فور فادر جارج واشنگٹن کے شانہ بہ شانہ جنگ لڑے تھے۔ خیر وہ الالوکھیت میں رہتے ہیں اس لئے ان پر سات خون معاف جو کہیں سن لیں گے۔

بابل ریسٹورنٹ میں کیونکہ یہ تیسرا کھانا تھا۔ اس حساب سے نادر کی ان لڑکیوں سے تیسری ملاقات تھی۔ اب قربت زیادہ تھی۔ پہلے اس نے ہاتھ ملایا تھا ئی لڑکیوں نے مسکرا کر ہاتھ میں ہاتھ دے دیا۔ پانی منگایا پھر چائے کے وقت دوبارہ شکر منگائی غرض بہانے بہانے سے قربت حاصل کی اور خوش رہا۔

کھانے کے وقت شمیم بھابی سخت پریشان تھیں۔ صبح سے کوئی شاپنگ نہیں کی۔ گولڈن بدھا کے مندر سے دو گڑیاں اور دو چھتریاں ضرور خریدی تھیں لیکن یہ کیا شاپنگ ہوئی بھائی الیاس تھکے تھکے تھے یہ فیصلہ کیا گیا کہ کھانے کے ایک گھنٹے بعد بازار چلیں۔ شمیم بھابی کو اعتراض تھا کہ ایک گھنٹہ بھی کیوں ضائع کریں کھانا کھا کر سیدھے کسی دکان میں اتر جائیں اور بھات دکھا دکھا کر سامان بٹور لیں۔ یوتھ فل دکان کا پتہ پرس سے برآمد ہو گیا تھا۔ صرف ٹیکسی والے کو بتانا اور جانا تھا۔ ہم دوپہر کو آرام کرتے ہیں۔ جمیل زکریا بھی ہمارے دوست ہیں۔ ایک گھنٹہ نماز پڑھنے اور دوسرا گھنٹہ آرام کرنے میں صرف کرتے ہیں۔ بازار انہیں بھی جانا تھا۔ ہم نے سوچا جمیل زکریا اور روبی بھابی کے ساتھ یوتھ فل جائیں گے۔ آرام کر کے تر و تازہ ہو کر جائیں گے تو سیلز گرل اور دکانوں پر حملہ کرنے میں زیادہ لطف آئے گا۔ شمیم بھابی نے بتایا یوتھ فل دکان بفلم میں ہے ٹیکسی والے کو بتا دیں وہ پہنچا دے گا۔

بابل سے نیچے اترے تو غلطی سے ایک دکان کے شو ونڈو سے اندر جھانک لیا' وہاں بالوں کا جوڑا بنائے آنکھوں میں سیاہ سرمہ لگائے ایک سکھنی کھڑی تھی۔ اس نے اپنے نوکر کو اشارہ کیا وہ

لپک کر آیا دروازہ کھول کر ہمیں اندر گھسیٹا اور ان کے حضور پیش کر دیا انہوں نے اپنی قاتل مسکراہٹ کا فائر ہم پر کیا اور پوچھا ''کیا چاہئے؟'' اگر ان سے کچھ چاہئے بھی تھا تو اس بھری دوپہر اور بہت سے لوگوں کے درمیان کیا کہتے۔ چپ رہے۔ اتنے میں ایک صاحب آ گئے۔ اپنا نام بٹ، ملک پاکستان بتایا اور ہم سے چمٹ گئے۔ اس دکان پر دیکھنے کی چیز خاتون اور لپٹنے چپٹنے کے لئے بٹ کو رکھا تھا کہنے لگے ''اپنی دوکان ہے ... دو سوٹ بنوا لیں ...'' ہم نہ نہ کرتے وہ تھان پر تھان کھولتے گئے۔ خصوصی رعایت کا اعلان کرتے رہے ہم نے مدد کے لئے ادھر ادھر دیکھا ہمارے ساتھی جا چکے تھے۔ اور اب:

زرغے میں کافروں کے اکیلا حُسین تھا

مجبور ہو کر ہم نے ایک وائٹ کوٹ کا آرڈر دیا۔ مول تول ہوا تو پتہ نہیں ہم نے سستا لیا یا انہوں نے مہنگا دیا لیکن کیونکہ اپنے پاکستانی کی دکان تھی اس لئے سب منظور تھا۔ ہم نے آدھی رقم دی تو بٹ نے رسید کاٹ دی اور شام چھ بجے کوٹ دینے کا وعدہ ہوا۔ ہم سے کہا گیا کہ چار بجے آ کر ٹرائی کر لیں بس ہمیں اس بات سے چڑ ہے۔ اگر ٹرائی دیں تو خود نہ سی لیں۔ درزی وہ جو ناپ لے اور سوٹ تیار کر دے پنکی ٹیلرز نے ایسا ہی کیا۔ بٹ سے ہم نے کہا را جھا ہوٹل بھجوا دے وہ بے مروتی کرنے لگا ٹرائی کرنے اور ڈلیوری لینے آنا ہوگا۔'' ہم نے دور کاؤنٹر پر کھڑی سکھنی کو دیکھا وہ شاید آنکھوں کا پیغام پڑھ لیتی تھی کھٹ کھٹ کرتی آ گئی اور بٹ سے کہا ''کی گل اے'' گل ہم نے بتائی اس نے مسکرا کر کہا ''کوئی گل نی اسی بھجا دیا نگے کمرہ نمبر دس دو''۔ اس وقت وہ بڑی اچھی لگی (ویسے پہلے بھی اچھی تھی) ہم نے شکریہ ادا کیا وہ سمجھی ہاتھ ملانا چاہتے ہیں جھٹ ہاتھ ہماری طرف بڑھا دیا اس میں کئی چمکدار قیمتی انگوٹھیاں تھیں چند لمحے وہ قیمتی ہاتھ ہمارے ہاتھ میں تھا پھر واپس چلا گیا دولت آنی جانی ہے اور پھر ہمارے مقدر میں کہاں۔ ہم واپس ہوٹل آئے جمیل زکریا سے ساتھ لے چلنے کی درخواست کی اور سو گئے۔

چار بجے کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا دیکھا تو دو آدمی کھڑے ہیں ایک کے ہاتھ میں ہمارا ادھ سلا کوٹ ہے۔ دونوں اندر آئے ایک نے ہمیں کوٹ پہنا دیا دوسرے نے گز سے ناپنا شروع کر دیا چاروں طرف گھوم کر دیکھا لمبائی چیک کی' سائیڈ دیکھے ہم سے کوئی بات نہ کی چاک سے کوٹ پر

نشان لگاتے رہے۔ جب اتار کر جانے لگے تو ہم نے کہا رات آٹھ بجے تک اس کمرے میں دے جانا انہوں نے اقرار میں سر ہلا دیا اور مسکرا دیئے تھائی لینڈ مسکراہٹ کی سرزمین ہے۔ وہ چلے گئے' بغیر ایک لفظ بولے آوازوں کی اس دنیا میں کبھی کبھی خاموشی کتنی بھلی لگتی ہے ہمیں یقین ہے ان غریبوں کو انگریزی کا ایک لفظ بھی نہ آتا ہوگا۔ سب کام ہو رہا ہے اور اچھا ہو رہا ہے پھر جمیل زکریا کا فون آ گیا وہ نیچے استقبالیہ جا رہے تھے ہمارا انتظار کرنے۔

روبی بھابی کی ہمشیرہ نے سامان کی ایک فہرست دی تو بنانے والی کمپنی کا نام بھی لکھ دیا تھا جیسے ڈاکٹر دوا لکھتے وقت دوا بنانے والے ادارے کا نام بھی لکھ دیتے ہیں۔ اب جمیل زکریا کی پریشانی یہ تھی کہ جو بیگم کہتی ہیں سچ ہے اس لئے جب وہ ٹیکسی میں سوار ہوئے تو بتایا پھر ڈایا مور جا رہے ہیں۔ یوں کہو جاپان جا رہے ہیں' ٹوکیو سے خریداری کریں گے ہم وہاں ایک دن پہلے ہو آئے تھے۔ اور تمام سیلز گرل سے مراسم خراب کر آئے تھے۔ کیا خبر ایک دوا پے کپڑوں میں چھرا چھپائے کھڑی ہوں کہ اب آ گئے اور پاس سے گزرے تو پسلیوں میں اتار دیں گے اس لئے ڈر کے مارے ڈایا مور کے باہر اتر گئے۔ اور بفلم جانے کی اجازت مانگی۔ روبی بھابی نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ دیکھ آیئے پھر ہم بھی چلیں گے۔''

دونوں میاں بیوی کو چھوڑ کر ہم اکیلے رہ گئے اس لئے ڈایا مور کے منظر سے باہر نکلے اور ایک ٹریفک کانسٹیبل سے بفلم کا پتہ پوچھا اس نے اشارے سے سامنے جانے کو کہا ہم سمجھے یہ پہنچا ہوا تھائی پیر ہے فلم کو سامنے حاضر کر دیا لیکن وہاں اس کی شکل کا ایک اور ٹریفک کانسٹیبل کھڑا تھا۔ ہم نے بفلم جانے کا راستہ پوچھا۔ اس نے اشارے سے بتایا کہ چوارہے پر کھڑے سپاہی سے پوچھو آج جو سپاہی انگریزی جانتا تھا اس کی ڈیوٹی چوراہے پر تھی۔ اس سے ملاقات ہوئی پہلے تو اس سوچ میں پڑ گیا کہ ہمیں بفلم کا پتہ بتائے یا گول کر جائے۔ ہم نے اصرار کیا تو فرمایا سامنے جو بس جا رہی ہے اس میں بیٹھ جاؤ یہ وہاں جائے گی ہم نے کہا ٹیکسی کرا دیں کہنے لگے اس کے لئے دوسری طرف جانا پڑے گا وہاں میری ڈیوٹی نہیں اس لئے بھات بچائیں بس میں سفر کریں۔

ہم نے غنیمت سمجھا اور بس میں سوار ہو گئے۔ لیکن غلطی یہ ہو گئی کہ بس کی طرف کانسٹیبل نے اشارہ کیا تھا وہ ہمارے انتظار میں کیوں کھڑی رہتی اس لئے ہم جس بس میں سوار ہوئے وہ کسی فرم

کی تھی اور اس میں خواتین و حضرات اپنے دفتر سے کام ختم کر کے واپس آ رہے تھے پہلے تو وہ چونکے پھر غریب پردیسی سمجھ کر ایک خاتون نے اپنے پاس جگہ دی بلکہ تھائی میں پوچھا۔ ہم نے انگریزی میں جواب دیا وہ شاید ان کی سمجھ میں نہیں آیا اس لئے پھر سوال ہوا ہم سمجھے وقت پوچھ رہی ہیں افسوس گھڑی ہم نے پاکستان میں اتار دی تھی خیال تھا بنکاک جا کر جدید ترین گھڑی کوڑیوں کے مول خرید لیں گے یہاں آ کر معلوم ہوا کہ خواب میں گھڑی ضرور دیکھ سکتے ہیں۔ خریدنا مشکل ہے ویسے بھی سارا وقت آنند کے حوالے تھا گھڑی کی کیا ضرورت؟

ہمیں ذرا دیر میں احساس ہو گیا کہ غلط بس میں سوار ہو گئے ہیں اور اسی میں عافیت ہے کہ اب یہ رکے تو باہر کی طرف چھلانگ لگا دیں۔ ایک صاحب جو شاید انچارج تھے ان سے معذرت بھی کی جو نہ جانے قبول ہوئی یا نہیں ایک جگہ موڑ پر بس رکی تو ہم نے اترنے کی کوشش کی ان صاحب نے پکڑ لیا ہم نے چھڑانے کی کوشش کی ان کی گرفت اور مضبوط ہو گئی ہم نے انگریزی میں اس بداخلاقی کا سبب پوچھا وہ کچھ نہ بتا سکے یا ہم نہ سمجھ سکے خیر اسی کشمکش میں چند لمحے گزرے اور بس ایک مکان کے سامنے رکی تو ہم لپک کر نیچے اترے خدا کا شکر ادا کیا پھر نئے سرے سے بفلم کی طرف سفر کا ارادہ کیا ایک ٹیکسی والے کو اشارہ کیا وہ رک گیا ہم نے بفلم چلنے کو کہا اس نے پچاس بھات مانگے ہم نے پچیس کہے پھر تیس پر سودا ہوا دوبارہ پوچھا بفلم کا پتہ معلوم ہے وہ غریب یس سر نو سر کہنا جانتا تھا کہنے لگا۔ ''یس سر'' ہم نے پوچھا کتنی دیر میں پہنچیں گے بولا۔ ''یس سر'' تم نے یوتھ فل اسٹور دیکھا جواب ملا ''یس سر''۔ کیا وہاں جوتوں کی دکانیں ہیں۔ ''یس سر'' اتنے بہت سے یس سر سن کر ہم چپ رہے اور منزلِ مقصود ڈرائیور پر چھوڑ دی۔

دس منٹ بعد ایک بڑے سے اسٹور کے سامنے ٹیکسی روک دی اور اشارہ کیا اتر جاؤ۔ ہم نے کہا بفلم لے چلو یہ بفلم نہیں ہے ٹیکسی والا چل پڑا چند گلیاں چھوڑ کر ایک اور بڑے اسٹور پر رک گیا ہم نے اسے سمجھایا عزیزم یوں بار بار بریک نہ لگاؤ۔ ؟ بفلم لے جاؤ وہ جھلا گیا ایک گلی میں مڑ گیا یہاں لائن سے ٹیکسیاں کھڑی تھیں اس نے ٹیکسی روکی اور کسی کو آواز دی ہم سمجھے زبردستی ٹیکسی سے اتارنے کے لئے اپنے ساتھی بلا رہا ہے۔ سامنے سے ایک نہایت قوی ہیکل ٹیکسی والا آیا تو ہم خود اتر گئے اس نے پوچھا آپ کو کہاں جانا ہے اب سمجھ میں آیا ہمارا ٹیکسی والا انگریزی زبان جانے

والے کے پاس لایا ہے ہم نے بقلم بتایا وہ نہیں سمجھا تب ہمیں احساس ہوا کہ بقلم نام کی کوئی مارکیٹ بنکاک میں نہیں، ہم نے نام غلط یاد کر لیا یا شمیم بھابی نے ایکٹی وٹی کر دی ہے اس لئے بقلم اور یوتھ فل دونوں کو بھول جانا چاہئے ہم نے ٹیکسی والے سے معذرت کی اس نے بھی معذرت کی۔ اسے 30 کے بجائے پچاس بھات دیئے اور رابنس اسٹور کے سامنے اتر گئے۔

یہ بھی جاپان کی سرزمین میں تھا قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ ہم سیل گرلز سے بات کر کے مطمئن ہو گئے اور باہر نکل آئے۔ رات آہستہ سے سڑکوں پر سرک آئی تھی ہم نے ایک ٹک ٹک (رکشہ) میں سواری کی اور واپسی کا سفر شروع کر دیا ایک گھنٹے بعد ہوٹل پہنچے تو ابھی رات کے کھانے میں ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا اس لئے بستر پر لیٹ گئے اچانک خیال آیا کہ ہمارے ہمسفر کچھ نہ کچھ خرید رہے ہیں اور صرف ہم اس دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں اگر یہی رہا تو بنکاک سے خالی ہاتھ جائیں گے ہمیں سکندر بادشاہ یاد آیا جو دنیا سے خالی ہاتھ گیا تھا اور شاعروں' ادیبوں' گلوکاروں' موسیقاروں نے مل کر گایا تھا۔

سکندر جب گیا دنیا سے دونوں ہاتھ خالی تھے

ہمیں فرسٹریشن اور ڈیپریشن ہونے لگی بستر سے چھلانگ لگا کر اٹھے منہ ہاتھ دھویا جیب میں بھات رکھے اور باہر نکل پڑے۔ ہمیں شاپنگ کرنی تھی اس وقت چاہے کسی قیمت کی ہو اور کہیں سے ہو ہم نے سوچا سب سے پہلے جوتے خریدیں گے پھر سوٹ کیس اور پھر جو جی چاہے گا خریدیں گے۔ دیکھتے ہیں کون روکتا ہے۔

مسافر چلا بنکاک بائی نائٹ دیکھنے

سکھومت روڈ پر دکان جگمگا رہی تھی۔ ایک دکان کے باہر خوبصورت سوٹ کیس رکھے تھے ہم نے ایک اٹھا کر دیکھا اندر سے اسکرٹ پہنے نوعمر خاتون مسکرا کر ساتھ آ کھڑی ہوئیں ہم نے قیمت پوچھی "نو سو بھات" ہم نے تین سو لگائے انہوں نے ضد کی پانچ سو۔ آخر چار سو پر بات ٹھہر گئی ہم نے جوتے خریدنے کی خواہش کی خاتون دکان کے اندر لے گئیں دکان جاپان کے علاقے میں تھی لیکن یہاں شاید کئی دن سے کوئی گاہک نہیں آیا تھا یا شکل سے ہم بے وقوف لگتے تھے یا صاحب زادی زیادہ چالاک تھیں ہمیں اسٹول پر بٹھا کر خود سیڑھی لگا کر ہمارے سامنے اوپر چڑھ گئیں اور جوتے دکھانے لگیں ہم نے بھی اس دن وہ بھاؤ تاؤ کیا کہ آج سوچتے ہیں تو حیران ہوتے ہیں وہ پانچ سو بتاتی ہم سو سے شروع کرتے اور ایک سو پچیس پر رک جاتے وہ لاکھ مسکراتی ہاتھ پکڑ پکڑ کر سمجھاتی بازو چھو کر قیمت بتاتی لیکن ہم نے کسی درخواست کو قابلِ قبول نہ سمجھا اس کی مدد کے لئے ایک اور صاحبزادی آ گئیں لیکن ہم مول تول میں بادشاہ تھے۔ اس لئے ہر بازی جیت لی۔ ان لوگوں نے بھی غضب کیا سو بھات کا جوتا آٹھ سو کا بتا کر ڈھائی سو کا دے دیا ہم بھی خوش وہ بھی خوش ہمیں تو جوتے خریدنے تھے انہیں بیچنے تھے وہ منافع کما رہی تھیں ہم بھات بچا رہے تھے ایک

ٹورنامنٹ تھا جو ہمارے اور ان کے درمیان جاری تھا اپنے اپنے محاذ پر دونوں ٹیمیں جیت رہی تھیں۔ ہماری جیب سے جوتوں کے ناپ نکل کر حقیقت میں ڈھل رہے تھے۔ خود ہمارے جوتے اتار کر ایک نے اٹلی کے بنے جوتے چڑھا دیئے ایک کولڈرنک بھی پیش کی تاکہ تعلقات میں اضافہ ہو۔ ایک گھنٹے معرکہ ہوا ہر قسم کے جوتے خرید لئے گئے جن میں باتھ روم سلیپر تک شامل تھے بلکہ ایک صاحبزادی نے ہماری طرف سے اپنے لئے بھی ایک جوڑی کوٹ شو خرید لئے ہم نے بھی اعتراض نہیں کیا دو سو بھات میں اگر وہ ہمارے جوتوں میں اپنے نازک پاؤں ڈال کر بازاروں گلی کوچوں میں کھٹ کھٹ کرتی پھریں تو خوشی ہوگی۔ یہ بات ہمیں ہوٹل واپس جا کر معلوم ہوئی کیونکہ حساب کتاب میں ایک جوتا اور دو سو بھات کم ہوئے دوبارہ اس دکان پر اس لئے نہیں گئے کہ لڑکیاں سمجھتیں ہمیں دیکھنے کے بہانے سے آئے ہیں اور بہانہ ہمیں پسند نہیں انہیں دوبارہ دیکھنے سے اچھا تھا کسی اور کو دیکھ لیتے۔

جوتے اور اٹیچی ہوٹل میں رکھ کر بابل ہوٹل کی طرف آئے تو یاد آیا ابھی تو کوٹ نہیں آیا دکان میں جھانک کر دیکھا تو ملکھنی نے رات کی مناسبت سے جوڑے میں پھول سجا لئے تھے ہمیں دیکھ کر کھل اٹھیں۔ کوٹ لے کر پانچ سو بھات ان کی خدمت میں پیش کرنے تھے انہوں نے ازراہ کرم اپنے ہاتھوں سے کوٹ پہنایا ہم نے ادھر ادھر دیکھا شاید کوئی دیکھ رہا ہو لیکن سب اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ کوٹ کے دائیں طرف اتنی جھول نظر آیا ہم ان کی قربت کی وجہ سے کچھ دیکھنے اور سننے کی صلاحیت سے محروم تھے درزی کو بلا کر ڈانٹا گیا اور ہم سے معذرت کہ ایک گھنٹے بعد ہوٹل پہنچ جائے گا ہم خوش ہو گئے کہ ہمارا کوٹ نہایت توجہ سے بنایا جا رہا ہے۔

بابل ہوٹل میں سب موجود تھے اور ہر ایک کی کرسی کے پاس بڑے بڑے تھیلے رکھے تھے شمیم بھابی ناراض ہونے لگیں آپ بنفم پور کیوں نہیں آئے ہم نے بتایا اس نام کی کوئی مارکیٹ بنکاک میں نہیں اس پر وہ قسمیں کھانے لگیں ایک کارڈ دیا اس پر یوتھ فل اور بنفم پور لکھا تھا ہم چپ ہو رہے بس اتنا کہا ''کل اپنے ساتھ لے چلئے گا'' وہ راضی ہو گئیں۔

ہم کھانا نکال رہے تھے ہمارے برابر ایک خاتون کھڑی تھیں اسمارٹ سی۔ اچانک انہوں نے گجراتی میں ہم سے کچھ کہا ہم گجراتی کم سمجھتے ہیں اور بول نہیں سکتے انہوں نے دوبارہ کچھ پوچھا

ہم اس بات بھی چپ رہے اب جو وہ پلٹ کر دیکھتی ہیں تو معذرت کرنے لگیں ہم نے سمجھایا کوئی بات نہیں وہ اور معذرت کرنے لگیں یہ فاطمہ عطر والا تھیں ایک مہذب اور سلیقہ مند خاتون جب کئی بار معذرت کر چکیں تو ہمیں یقین ہو گیا انہوں نے گجراتی میں برا بھلا کہا ہوگا وہ سمجھیں ان کے شوہر سیفی عطر والا کھڑے ہیں۔ ہائے شوہروں کی قسمت فاطمہ نے بعد کو یقین دلایا کہ وہ سیفی کو کم از کم اس وقت ڈانٹ نہیں رہی تھیں۔

نادر اپنی چوتھی ملاقات کو اور مستحکم کر رہا تھا تھائی لڑکیاں مسکرا رہی تھیں اور یہ بار بار چشمے کے شیشے صاف کر رہا تھا۔ حالانکہ وہ کوئی ایسی چیز نہیں کھا رہا تھا جو شیشوں کو دھندلا کر دے اس مرتبہ شاید وہ لڑکیوں سے نکاح کی تاریخ طے کر رہا تھا۔

ہم نے بھابی شمیم کو بتایا آج شام زبردست اور انتہائی سستی شاپنگ کی ہے آپ دیکھیں گی اور سنیں گی تو حیران رہ جائیں گی انہوں نے کھانا ادھورا چھوڑ کر کہا ''چلو دکھاؤ'' بھائی الیاس نے ڈانٹا ''کیا وحشت ہے پہلے کھانا تو ختم کرو میں نے چائے کے لئے بھی کہہ دیا ہے'' اچانک اعلان ہوا ایک گھنٹے بعد ہوٹل سے بنکاک بائی نائٹ دیکھنے چلنا ہے اس اعلان سے سب میں کھلبلی مچ گئی۔

بھائی افضل، بھابی اور اسماعیل رضیہ، فہیم ساکرانی کے سوا سب خوشی خوشی بس میں جا بیٹھے۔ بنکاک بائی نائٹ دیکھنے کے لئے۔ گائیڈ آنند نے یہ دیکھا تو زیرِ لب مسکرایا اور ڈرائیور سے گاڑی چلانے کو کہا۔ راستہ روشن تھا۔ آنند بنکاک کی راتوں کی داستان سنا رہا تھا لیکن کوئی بھی نہیں سن رہا تھا فاصلہ مختصر تھا یا ظالم نے کوئی جادو کر دیا۔ تھوڑی دیر میں گاڑی ایک گلی میں پارک ہو گئی۔ سب اتر کر داخل ہوئے اور لائن میں لگ گئے۔

ہمارے دوست فوٹوگرافر افضل حسین نے دس امریکی ڈالر دے کر سینکڑوں بھات کے سامان کی فہرست دی تھی جو ہم پاکستان میں بھول آئے تھے سکہ امریکہ ساتھ تھا جو دے کر ٹکٹ خریدا اور اندر داخل ہوئے وہاں اندھیرا تھا بلکہ اندھیر کہیں تو مناسب ہوگا۔ ایک بڑا سا ہال تھا اسٹیج کے سامنے کرسیاں لگی تھیں جس پر ڈسکو روشنیاں تھرک رہی تھیں اور ایک خاتون ہاتھ پاؤں اچھال رہی تھیں زندگی میں آگے بڑھنے اور صف اول میں رہنے کی بری عادت نقصان دہ ہوتی

ہے یہ بنکاک میں اس رات معلوم ہوا اسٹیج کے سامنے پہلی رو خالی پڑی تھی۔ ہم خوشی خوشی جا بیٹھے۔ اسٹیج چند فٹ کے فاصلے پر تھا۔ اتنا کہ جب رقاصہ ٹانگ اچھالتیں تو اس کی ہوا ہمارے چہرے پر لگتی اپنے خیال میں ہم سب سے آگے ہیرو بنے بیٹھے تھے۔ اس تصور سے ایک ٹانگ دوسرے پر رکھی اور موسیقی کی دھن میں لہرانے لگے۔ ہمارے برابر دو اور جوڑے آگئے یہ ہمارے ساتھی تھے اور غلطی یہ بھی کر گئے۔

شو شروع ہوگیا بلکہ شروع تھا ہم اس میں شامل ہوگئے ایک خاتون آئیں اور ایک ریشم کی رسی ہماری طرف بڑھائی، ہم جھجکے۔ انہوں نے مسکرا کر اصرار کیا ہم یہ پکڑ کر اپنی طرف کھینچیں۔ ہم زندگی بھر رسہ کشی کا شکار رہے ایک طرف سے کفر نے کھینچا ہے تو ادھر کھنچے گئے۔ دوسری طرف سے نازک بتوں نے گھسیٹا تو ادھر گھسٹ گئے کچھ شہرت نے کبھی دولت نے کبھی عزت نے غرض جو بھی قوی تھا اس نے ہماری کمزوری کو کھینچا۔ اس حد تک کھینچا تانی میں کچھ نہ بچا۔ ہم نے خاتون کے ہاتھ سے ریشم کی رسی نہ پکڑی تو وہ ضد کرنے لگیں۔ پیچھے بیٹھے لوگ بھی نعرے لگانے لگے۔ مطلب تھا رسی پکڑو تا کہ کھیل شروع ہو۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ ہم یہ رسی پکڑنے بنکاک آئے ہیں اس میں ہمیں سپر ٹریولز کے مجاہد کی سازش معلوم ہوئی۔ ہم نے زیادہ انکار کیا تو وہ لب و رخسار کی لالچ دینے لگیں۔ ہم باعزت آدمی ہیں سیکڑوں تماشائیوں کے درمیان اس قسم کی لالچ اور رشوت پسند نہیں کرتے۔ اس لئے منظور نہیں کی۔ ہمارے پیچھے بیٹھے نوجوان نے اس پیشکش سے فائدہ اٹھالیا سچ ہے دنیا انہی کی ہے جو بڑھ کر تھام لیتے ہیں وہ رسی جو ہمارے ہاتھوں کھنچی تھی وہ ہمارے داہنے بازو کے پاس سے کھنچی رہی۔ اس کے بعد تو یہ عالم ہوا کہ ہر کھیل کے شروع میں ہمیں چھیڑا جاتا۔ یہ بھی ایک کھیل ہوگیا۔ نہ ہم نے غبارہ پکڑا نہ سگریٹ جلایا۔ اب جو بھی نازنین اسٹیج پر ناز دکھاتی ہمیں دہلاتی۔

اول تو شو کسی کام کا نہیں تھا اوپر سے ہم پر جو کام لگایا جا رہا تھا اس سے جو روشنیاں اور موسیقی رنگ دکھا رہی تھیں، وہ ملیامیٹ ہوگئی۔ جب کوئی نازنین شرافت کو بالائے طاق رکھ کر اسٹیج پر آتی ہم ڈر جاتے وہ اور ڈراتی بلکہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ ہمارے زہد و تقویٰ کی دشمن ہو جاتی تھی۔ رضیہ ہماری ہمسفر تھی وہ اور ان کے دولہا اسماعیل اس شو میں نہیں آئے تھے لیکن یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس

رات رضیہ ہم تھے اور رضیہ غنڈوں میں پھنس گئی تھی۔

ہمارا انکار اور ادھر سے اصرار جاری رہا تو ایک دو نازنینوں نے تو ہمیں دیکھ کر اس زور سے آنکھ ماری کے ہمارے کھٹ سے آ کر لگی۔ ٹکٹ کے ساتھ کوپن بھی ملا تھا اس سے کوئی بھی پسندیدہ مشروب مفت حاصل کیا جا سکتا تھا اس کا اہتمام یہ تھا کہ ایک خاتون برائے نام لباس پہنے یا شاید نہ پہنے اندھیرے میں ٹکراتی ٹکریں مارتی ناظرین سے کوپن لے کر ان کی پسندیدہ شروب پیش کر رہی تھی وہ گرتی پڑتی ہماری نشست تک پہنچی تو ہم نے انکار کر دیا ایک تو ڈر یہ تھا کہ یہاں اندھیرا اور اندھیر دونوں ہیں ایسے میں عزتِ سادات اور ہوش و حواس دونوں بچانے تھے ویسے بھی اس رات جس جس چیز سے نفرت ہوئی اس میں ایک مشروب تھا، لفظ اقرار تھا، ہمارے ہمسائے نے وقت پوچھا ہم نے بتانے سے انکار کر دیا پچھلی نشست پر بیٹھے ایک جوڑے نے سگریٹ جلانے کے لئے ماچس مانگی ہم نے انکار کر دیا اس رات اگر کوئی تھائی لینڈ کی بادشاہت پیش کرتا ہم انکار کر دیتے تھائی لینڈ والوں نے اس کا خطرہ مول نہیں لیا۔ کھیل جاری رہا۔ پھر اچانک رسی کھینچنے والا منظر دوبارہ آگیا تب ایک طرح ہمارے ٹکٹ کا مزہ ختم ہوگیا اور سر جھکائے ہم سب کے ساتھ باہر نکل آئے۔ رات گئے کی خوش گوار ہوا نے ہمیں اس دنیا میں واپسی کا یقین دلایا جو روشنیوں کی عزت و احترام کی، خدا کی بنائی ہوئی ہے۔

ہماری کیفیت اس دیہاتی کی سی تھی جو میلے میں گیا اور جس کا کسی نے کمبل کھینچ لیا پھر جو اس کے تاثرات پوچھے تو وہ افسردگی سے بولا: ”میلہ کیا تھا لوگوں نے میرا کمبل کھینچنے کے لئے بھیڑ لگائی تھی“ بنکاک کی رات کا شو کیا تھا ہمیں چھیڑنے کے لئے نازنینوں کو جمع کیا تھا۔ ایک دوسرے سے آنکھیں ملائے بغیر سب بس باہر دیکھ رہے تھے پھر راجا ہوٹل آیا تو جلدی جلدی اتر کر لفٹ کی طرف چلے گئے نہ سلام نہ دعا۔ یوں محسوس ہوتا تھا نظروں میں کانوں میں منظر بسائے رکھنا چاہتے تھے۔ یا شاید ہم سے نظریں چرا رہے تھے۔

مس گوئس کا ٹرین میں بیٹھنا

بنکاک کی سیاہ رات گزری تو ہر طرف سے ایک روشن دن نکل آیا۔ ناشتے کی میز پر سب خوش وخرم تھے ایک دوسرے کو لطیفے سنا رہے تھے جیسے کل رات نہ ہوئی ہو۔ یا سب شام ہی سے اپنے کمروں میں آرام کر رہے ہوں ہم بھی اس رنگ میں رنگے گئے۔ آج سائم پارک جانا تھا تھائی زبان میں سائم کا مطلب ہرا ہوتا تھا یہ تو طے تھا کہ پارک ہرا ہوگا وہاں نہانے کے لئے تالاب سواری کے لئے چھوٹی سی ٹرین دل ہلانے والے جھولے تھے یہ سب آنند نے بتایا تھا۔ آج ہمارے ساتھیوں کا حال نرالا تھا کپڑے کے جوتے' نہانے کا لباس ساتھ تھا بھائی الیاس نے تو ہوٹل ہی سے نیکر اور نہایت اونچی شرٹ پہن لی تھی جس میں ان کی پلی پلائی توند پہلی بار جھانکتی نظر آئی۔ آخر اسے بھی بنکاک کی سیر کرنی تھی۔ آدمی تیرنے نکلے اور اس کے توند ہو تو توند جھوٹی لگتی ہے یا تیراکی۔ خیر جھوٹ سچ تو چلتا ہے اس لئے چل پڑے۔

راستہ لمبا تھا۔ آنند مکانوں کے کرائے۔ فلیٹوں کی قیمت بتا کر ڈراتا دھمکاتا رہا اور کسی کو بھی بنکاک میں مستقل رہائش کا منصوبہ بنانے نہ دیا ہم دو دن سے کسی ایسی عمارت کی تلاش میں تھے جس کی کھڑکی کا شیشہ ٹوٹا ہوا ہے۔ ہماری مراد پوری ہوئی ایک خستہ مکان کی شکستہ کھڑکی کا آدھا

شیشہ غائب تھا۔ ہم نے آنند کو دکھایا۔ اس نے پہلی بار ٹوٹا شیشہ دیکھا تھا۔ ورنہ بنکاک میں کوئی شیشہ ٹوٹا نہیں۔ اس میں حسن انتظام سے زیادہ موسم کی شدت شامل ہے۔ بس ایسی جگہ پہنچی جسے دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا نہایت گھٹیا جگہ شکستہ سڑک ایک طرف کھیتوں ادھ مری فصل دوسری طرف مزدوروں کی ٹولیاں ٹریکٹر چل رہے تھے دھول اڑ رہی تھی ظالموں نے وطن کی یاد دلا دی۔ کیا دل پر آرا چلا جی چاہا اڑ کر پہنچ جائیں ملیر' لانڈھی۔ ہمارے ساتھ نادر بیٹھا تھا اس کی آنکھوں میں لالو کھیت کی پرچھائیاں تھیں۔ ہم نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر دلاسہ دیا۔

بس کچی سڑک پر چل کر ایک میدان میں پہنچی یہاں عارضی کچی دکانیں بنی تھیں۔ اس کے آگے نہایت حسین ایک گول حصہ یہاں سے سائم پارک کا گیٹ شروع ہوتا تھا۔ یہ رنگوں اور تھائی طرز تعمیر سے اس طرح سجا تھا کہ ہمارے علاوہ سب نے تصویریں اتاریں۔ آنند نے ٹکٹ خریدے۔ اندر کھانے پینے کی اشیاء کے علاوہ سب کچھ مفت تھا۔ ہمیں حیرت تھی کھانے پینے کی چیزیں خرید لیں تو باقی کیا بچا۔ وہ تھائی زبان میں سائم پاک کا نقشہ' پارک میں چہل قدمی' باتھ روم میں داخلہ' آسمان کی طرف اڑتے جھولے' گاڑیاں' نہانے کے تالاب میں ڈبکی لگانا' ننھی منی ٹرین میں سواری اور جس بنچ پر چاہیں بیٹھنا' جس روش پر چاہیں چلنا۔ دکانوں پر سامان فروخت کرتی لڑکیوں سے گفتگو۔

اندر داخل ہوئے تو بادشاہ سلامت کی نہایت حسین قد آدم رنگوں سے سجی تصویر نظر آئی تھائی عوام ان سے محبت کرتے ہیں پینتالیس سال سے زیادہ بادشاہت کر رہے ہیں ہم بھی جب تک وہاں رہے محبت کرتے رہے یہاں آئے تو غم دوراں غم جاناں میں ایسے الجھے کہ ان کی پیاری شکل تک بھول گئے۔ سچ ہے آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہمارے ہمسفر بادشاہ سلامت کے ساتھ کھڑے ہو کر تصویریں اتارنے لگے ہم تماشا دیکھنے لگے لاتعداد ننھے منے اسکولوں کے بچے وسیع سیمنٹ کے فرش پر بیٹھے اپنے ماسٹروں کی باتیں سن رہے تھے۔ اس کے بعد یہ پارک کی سیر کریں گے۔

بادشاہ سلامت کی تصویر تک ہمارے ساتھ آنند اور فہیم تھے۔ تصویر کے بعد رضیہ اور اسماعیل ساتھ ہوئے جب درختوں کے ایک جھنڈ میں پہنچے تو بھائی الیاس اور بھابی شمیم مل گئے۔ ایک جگہ بنچ پر بیٹھے تو ہمارے ساتھی جمیل زکریا اور روبی بھابی تھیں یہاں ٹرین کے اوپر سے کھلے ہوئے چھوٹے

چھوٹے ڈبوں کی ریل تھی اس میں مس گوئس بیٹھ گئیں ٹرین چلی۔ پہلی اوپر کی طرف پلٹی اور دوسری طرف چلی گئی وہاں سے پوری قوت سے آئی تو گول چکر کھایا۔ پھر پٹی ہم دیکھ کر خوفزدہ ہو رہے تھے۔ یہ کیا تفریح ہوئی یہ وحشیانہ کھیل دو چار منٹ سے زیادہ کیا ہوگا جب مس گوئس لوٹ کر آئیں تو چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ تھی لیکن ہونٹ سفید پڑے تھے اور قدم دائیں رکھنے کی کوشش میں بائیں طرف پڑ جاتا بے چاری بینچ پر بیٹھیں تو ان کی دل کی دھڑکن ہمارے کان میں سنائی دے رہی تھی۔ ہم سے سب نے کہا ایک بار بیٹھ جائیں لیکن ہمیں دنیا میں ابھی بہت سے اہم کام کرنے ہیں اس لئے بینچ پر بیٹھے رہے۔ وہاں سے اٹھے تو ایک گول سا گنبد نظر آیا۔ پوچھ گچھ پر معلوم ہوا یہ تھری ڈی پکچر ہاؤس ہے۔ اور بچوں کو ڈرانے کے کام آتا ہے بڑے اندر جا کر سر چکرا سکتے ہم ہندوستان یاترا کے موقع پر اس سے لطف اندوز ہو چکے تھے اس لئے دوبارہ اندر جانے پر آمادہ نہ ہوئے ویسے بھی اس وقت اندر دروازہ بند کر کے ڈرایا جا رہا تھا۔

اب جو آگے بڑھے تو اپنا ہم قدم نادر کو پایا وہ نہایت سنجیدہ گفتگو کر رہا تھا ہم سے مشورہ مانگ رہا تھا کہ وہ امریکہ میں مستقل سکونت اختیار کرے یا واپس آئے۔ پاکستان میں اسے اپنا مستقبل تاریک نظر آ رہا تھا۔ ہمیں اس کا مستقبل امریکہ میں بھی تاریک نظر آ رہا تھا لیکن ازراہِ تکلف ذکر نہیں کیا باتوں باتوں میں ایک لکڑی کا بڑا سا زینہ چڑھ گئے۔ دوسری طرف ہاتھی کام کر رہے تھے۔ یہ منظر بھی مفت تھا۔ نادر نے پوچھا امریکہ میں تعلیم مکمل کروں" اس کا اظہار بھی کیا کہ وہ امریکہ کی تہذیب سے تنگ آ گیا ہے ہم نے اسے صاف بتایا کہ ہم اس کے امریکہ کے قیام و طعام کی مدت سے واقف ہیں وہ تڑپ کر بولا" آپ کو کیسے معلوم" "تم نے پہلے دن بتایا تھا" ہم نے جھوٹ بولا۔ اس پر نادر کا انداز بدل گیا۔ فلسفہ مشورہ شکایت پر آ گیا اس کے والدین ماہ کے بعد ہی واپس بلانا چاہتے ہیں اور نادر آنا نہیں چاہتا۔ ہم نے کہا "تمہاری ضرورت لالوکھیت کو زیادہ ہے۔ امریکہ تمہاری جدائی برداشت کر لے گا لیکن ہم ایسا نہیں کر سکتے" اس نے چشمے کے شیشوں سے پیچھے سے ہمیں گھور کے دیکھا۔ پھر دیر تک چپ رہا۔

اس عرصے میں ٹہلتے ٹہلتے ایک بڑے سے کمپلیکس کے پاس پہنچ گئے یہاں انواع و اقسام کی دکانیں تھیں۔ کھانے' پینے' پہننے اور اوڑھنے' بھاگنے' دوڑنے کی اشیاء میسر تھیں۔ ایک کاؤنٹر سے

نہانے اور ڈبکی لگانے کا لباس کرائے پر ملتا تھا اسکے بعد سوئمنگ پول کی طرف جانے کا راستہ تھا وہاں اس بات کا اہتمام تھا کہ آپ نہانے سے شرماتے ہوں تو بھی جسم گیلا ہو جائے اوپر سے پانی ٹپک رہا تھا نیچے بھی چنانچہ پانی کھڑا تھا بغیر جوتے بھگوئے اور کپڑے گیلے کئے یہاں سے نکل نہیں سکتے۔ ایسا ہی ہوا جوتے اور کپڑے پانی سے تربتر' سوئمنگ پول کے پاس پہنچے۔ یہاں کینوس کی آرام کرسیاں رکھی تھیں ہم اس پر بیٹھ بلکہ لیٹ گئے جوتے اتار کر موزے نچوڑے سامنے سوئمنگ پول تھا نہایت وسیع دائیں طرف بائیں طرف اوپر نیچے ایک طرح سوئمنگ پول کم عمر لڑکے پھسلواں راستے سے پانی میں چھلانگ لگاتے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے سر کے بل تیرتے دائیں طرف بائیں طرف چکر لگاتے۔

یہ کھیل دیکھتے دیر ہوگئی ہمارا کوئی ہمسفر نہ آیا صرف نادر کان کھا رہا تھا اس کا ایک اور مسئلہ تھا امریکہ میں تقریباً ہر لڑکی اس سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ شادی کے بعد پڑھائی میں حرج ہو جاتا ہے اس لئے وہ شادی نہیں کر رہا تھا۔ اسے امریکہ کا میوزک پسند تھا لیکن گلوکار پسند نہیں تھے لڑکیاں پسند تھیں ان کی عادتیں پسند نہیں تھیں۔ غرض غریب عجیب شش و پنج میں تھا سائیم پارک کا ایک آدمی رسید بک لے کر سر پر آ کھڑا ہوا۔ کرسیوں پر بیٹھنے کا کرایہ! ہم نے کہا ہم گھاس پر بیٹھ جاتے ہیں کرایہ کیوں دیں اس نے بتایا اگر آپ ہرے رنگ کی کرسیوں پر بیٹھ جائیں تو کرایہ نہیں لگے گا ہم نے دیکھا ہماری کرسیوں کا رنگ پیلا تھا ہرے رنگ کی پارک والوں کی تھیں جس پر بیٹھنے کا کرایہ داخلے کے ٹکٹ میں شامل تھا اور پیلی ہوٹل کی ملکیت جس پر آرام کرنے کے لئے بھات دو۔ ہم اٹھ کر کرسیوں پر آ گئے اگر بھات بچانے کی شرط ہرا رنگ ہو تو تھائی لینڈ کے قیام کے دوران ہم ہرے کپڑے پہنے رہیں گے۔

اب ہمارے ہمسفر آنے لگے جمیل زکریا اور بھائی افضل اور ان کا بھتیجا اعظم کیمرہ سنبھالے بھابی پوز بناتی فوٹو کے لئے۔ ذرا دیر میں بہار آ گئی۔ رضیہ بڑا سا سفید ہیٹ پہن کر آئی۔ سیفی عطر والا اور شبیر لویا انڈر ویر پہنے نگہت اور فاطمہ ان کے لباس سنبھالے خواتین کرسیوں پر آرام کرنے لگیں۔ حضرات پانی میں تیرنے گئے نادر امریکہ کا کوئی قصہ یاد کرنے لگا اور ہم آنند کو تلاش کرنے لگے جو لنچ بکس لانے گیا تھا فہیم دوڑتا ہوا آیا" آیئے میں آپ کو سمندر دکھاؤں" پارک

میں سمندر! ہم حیران ہوئے جا کر دیکھا تو مال فن سے پارک کے ایک حصے میں مصنوعی سمندر بنایا تھا ریت پر پانی کی لہریں ایک دوسرے کو دھکیلتی آگے بڑھ رہی تھیں دور لہریں اوپر اٹھ کر دیوار بنا کر گزر رہی تھیں تین طرف دیوار بنی تھی یہ منظر بڑا عجیب لگ...۔ تھا مصنوعی سمندر اصل سے زیادہ اچھا لگ رہا تھا۔

آنند کا سب بے چینی سے انتظار کر رہے تھے اس کی تلاش میں ہم کمپلیکس کی عمارت میں داخل ہوئے تو نادر ساتھ تھا وہاں سب سے سستے پاپ کارن تھے اس لئے ایک کیبن سے ادائیگی کر کے کوپن لینا تھا بدقسمتی سے کاؤنٹر پر ایک لڑکی بیٹھی تھی رنگ صاف تھا ہلکا میک اپ کیا تھا اس لئے لب و رخسار چمک رہے تھے اس پر نادر کی آنکھیں چمکنے لگیں بھاؤ دینے اور کوپن لینے کے بہانے کھڑکی میں سر ڈال دیا بس چلتا تو لڑکی کی گود میں یا قدموں میں ڈال دیتا اب گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا امریکہ سے آمد اور اپنی پڑھائی کے بارے میں بتایا لڑکی مسکراتی رہی۔ اپنی شادی کا مسئلہ سمجھایا۔ لڑکی مسکراتی رہی۔ اس کے بعد حسن کی تعریف لب و رخسار کی رعنائی' زیبائی۔ لڑکی مسکراتی رہی تھائی لینڈ مسکراہٹ کی سرزمین ہے جب لڑکی کسی جملے پر نہیں بولی تو ہم سمجھ گئے کہ وہ انگریزی کے یس سر نو سر کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتی۔ خدا کا شکر کہ نادر کو احساس ہو گیا اس کے پیچھے ایک امریکن آ کھڑا ہوا کوپن خریدنے نادر نے گردن باہر نکالی تو لڑکی نے کہا تھا ''تھینک یو سر'' ہم نے اسے دلاسہ دیا کوئی بات نہیں۔ بڑی لمبی ہے زمین' ملیں گے لاکھ حسین' ساری دنیا میں یہ لڑکی اکیلی تو نہیں۔

ایک اداسی تھی جو اس پر چھا گئی وہ ستون سے لگ کر کھڑا ہو گیا اور تھائی لینڈ کے ظالم آسمان کو دیکھنے لگا۔ گرمی اور بھوک سے پریشان ہو کر ہمارے ساتھی اندر آ گئے کچھ دکانوں پر بھاؤ تاؤ کرنے لگے۔ بعض چیزوں کو چھو کر دیکھنے لگے بھائی افضل اور بھابی شاپنگ کرنے لگیں۔ پہلے ہم سوچا کرتے تھے یہ جگہ بے جگہ دکانیں سامان سے بھری ہوتی ہیں ان سے کون خریدتا ہے۔ بھائی افضل اور بھابی کو دیکھ کر ڈھارس ہوئی کہ ابھی اس دنیا میں دل والے خریدار موجود ہیں ہم نے انہیں دکانداروں سے الجھتے مول تول کرتے اور سامان کے بنڈل ڈبے پیکٹ اٹھاتے دیکھا اور جوان کے چہرے پر خوشی کا نور تھا وہ دکاندار کے چہرے پر بھات وصول کرتے وقت بھی نہیں تھا۔ بھابی کا

خیال تھا بنکاک سے ہر چیز خریدنا کارِ ثواب اور تھائی خاندانوں پر احسانِ عظیم ہے۔ ہر نیک دل خدا ترس انسان ایسا ہی کرتا ہے جو وہ کر رہے تھے۔

رضیہ کا سارا زور بسکٹوں اور چاکلیٹ پر تھا اس کا شوہر اسماعیل دو چار ماہ بعد شاید چاکلیٹ اور بسکٹ دونوں کا نام رضیہ کے ذہن سے مٹا دے لیکن ابھی تکلف میں اور ہنی مون کے خیال سے چپ تھا۔ رضیہ ڈبوں اور پیکٹوں کو چڑ چڑ کھولتی اور دانتوں سے کاٹ کاٹ کر داڑھوں سے چبا کر کھا جاتی۔ یہ عمل یہاں بھی ہوا۔ ایک دن تو وہ ایک ایسا چاکلیٹ کھا گئی جس میں الکحل تھا۔ دیر تک جھومتی رہی۔ ہم سے وعدہ لیا کسی کو بتائیں گے نہیں۔ اب ہم کیسے بتائیں چپ ہیں۔

ہم اور نادر ایک جگہ بیٹھے تھے اچانک وہ تڑپ کر اٹھا اور ہمیں لے کر بڑی دکان میں گھس گیا پوچھنے پر بتایا اپنی زلفِ پریشاں کے لئے ایک جیبی کنگھا چاہئے۔ دو ایک قسم کے دیکھے' پسند نہیں کئے کیونکہ پسند تو وہ خاتون تھیں جو کنگھے دکھا رہی تھیں اب نادر کے لئے ان کا مول تول ممکن نہ تھا اچانک اس نے ایک کنگھا اپنے بالوں میں لگا کر واپس رکھ دیا وہ کیونکہ ذرا ہلکے رنگ کا تھا اس لئے اس پر بالوں کا میل نظر آنے لگا۔ یہ دیکھ کر خاتون کا پارہ چڑھ گیا۔ انہوں نے کنگھے کو برش سے اچھی طرح صاف کیا اور نادر کو برا بھلا کہنا شروع کیا زبان کیونکہ تھائی استعمال ہو رہی تھی اس لئے یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا گالیوں کی نوعیت کیا ہے انہیں پلٹ کر جواب اس لئے نہیں دیا جا سکتا تھا کہ ہم تھائی زبان سے ناواقف تھے وہ انگریزی نہیں جانتی تھی اس کے علاوہ گالیوں میں دوسری پارٹی کے اہلِ خانہ سے جو مراسم قائم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اس سے وہ چراغ پا یا سیخ پا ہوتا ہے۔ یہاں دوسری پارٹی ایسی تھی کہ اس کی موجودگی میں اہلِ خانہ کے بارے میں کچھ کہنا سراسر ظلم تھا اور ایک خطرہ بھی کہ کیا خبر اہلِ خانہ اس جیسے حسین اور دلربا نہ ہوں۔ ان حقائق کے پیشِ نظر چپ رہے۔ اور وہ بولتی رہی۔

جب سلسلے طول پکڑنے لگا تو دوسری دکان کی طرف توجہ کی یہ کپڑوں' ٹوپیوں اور چھتریوں کی دکان تھی۔ ٹوپیاں اچھی تھیں۔ سیلز گرل ٹیڑھی میڑھی اور چوڑے منہ کی تھی یوں لگتا تھا کہ ابھی اس کی تخلیق جاری تھی کہ جلدی میں بھاگ آئی ذرا سا دم لیتی تو شاید حسین ہو جاتی خیر قبولِ صورت اب بھی تھی اگر کسی لاٹری میں نکل آئے تو شاید برداشت ہو جائے دیکھ بھال کر بات چیت کر کے قبول

کرنا مشکل تھا۔ نادر کی آنکھ یا اس کا چشمہ جانے کس نمبر کا اور کہاں کا بنا تھا کہ حسن تلاش کر لیتا۔ اس بار احتیاط یہ کی کہ اتنا پوچھ لیا۔ ''تمہیں انگریزی آتی ہے؟'' اس نے مسکرا کر کہا ''ہاں تھوڑی سی کام چلانے والی'' بس اتنا غضب ہو گیا پہلے تو ہاتھ ملانے کی رسم ہوئی نادر ہاتھ چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھا ہمارے خیال میں ہاتھ پکڑنے کے قابل ہی نہیں تھا پتہ نہیں غریب نے کس طرح کھینچ کھینچ کر چوڑی کی طرح ہاتھ ان کے ہاتھ سے اتارا اس کے بعد جو دھماکہ کیا اس سے کہا ''تم دنیا کی سب سے خوبصورت لڑکی ہو''۔

زندگی میں شاید اس نے یہ جملہ پہلی بار سنا تھا اس لئے یوں چونکی جیسے بجلی کے ننگے تاروں پر ہاتھ لگ جائے۔ پھر اس نے نادر کی طرف دیکھا۔ پس منظر میں ہم کھڑے تھے اس طرف بھی دیکھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا وہ کیا کرے گھبراہٹ میں عمران خان کی تصویر والی ورلڈ کپ کی ٹی کیپ نادر کے ہاتھ میں تھما دی نادر نے اس کی طرف جھک کر نہایت رازداری میں گفتگو شروع کر دی جس میں امریکہ سے واپسی اور بنکاک میں مستقل قیام و طعام شامل تھا وہ غریب جتنی انگریزی سمجھتی اتنا جواب دے دیتی دو منٹ کی گفتگو ہوئی تو ہم نے نادر کا جملہ سنا وہ کہہ رہا تھا مجھے بنکاک سے سنگاپور جانا ہے اب ملتوی کرتا ہوں تم سے پارک کے علاوہ کہاں ملاقات ہو سکتی ہے۔ لڑکی نے بتایا وہ پیر کے دن مل سکتی ہے اس دن منگل تھا ہمارا خیال ہے اگر بدھ ہوتا تو وہ منگل بتاتی۔ نادر نے کچھ جمع تفریق کیا اور فیصلہ سنا دیا وہ بنکاک میں رہ جائے گا پھر اس کا ہاتھ پکڑ لیا وہ سمجھی الوداعی ہے لیکن یہ ابتدا تھی۔ شاید زندگی بھر ساتھ رہنے کا وعدہ۔ وہ سر ہلاتی رہی کبھی اقرار میں کبھی انکار میں اور نادر زمانے' سماج' بھوک اور ہم سب کو بھول کر سرگوشیاں کرتا رہا سچ ہے جس نے زمانے کی پرواہ نہیں کی زمانہ بھی اسے نظر انداز کر گیا یہاں تک کہ دس پندرہ منٹ کوئی گاہک بھی ادھر نہ گیا۔ اچانک آنند نمودار ہو گیا اس پیغام کے ساتھ کہ اب واپسی ہے اور کھانا بس میں ملے گا یہ وہ نوید تھی جس نے سب کے ساتھ نادر کو بھی اپنے محاذ سے ہٹا دیا ''پھر ملیں گے'' کہہ کر وہ دکان سے پلٹ آیا۔

سوئمنگ پول کمپلیکس کی طرف ہم ایک گھنٹے میں واپس آئے واپسی صرف پندرہ منٹ میں ہوئی وہاں بس تیار کھڑی تھی پانی کی ٹھنڈی بوتلیں خرید کر بس میں بیٹھے تو لنچ کے ڈبے ملنے لگے۔ آلو

کے پراٹھے' چکن قورمہ' گلاب جامن کیلا اور ٹھنڈے پانی کی بوتلیں اس پر بس کی چھت سے آتی ٹھنڈی ہوا' لطف آ گیا۔ کھانے کے دوران شمیم بھائی نے تجویز پیش کی کہ سب اسی وقت بنقلم پور چلتے ہیں جہاں سامان کوڑیوں کے مول بکتا ہے کیونکہ یوتھ فل اسٹور اس جگہ سے نزدیک ہے ہر ایک نے کوڑیوں کے مول خریدنے میں دلچسپی کا اظہار کیا۔ آنند سے درخواست کی گئی کہ خدارا بنقلم پور اتار دو۔ اسے کیا اعتراض ہوتا بس کا رخ اس سمت ہو گیا جو بنقلم پور جاتی تھی۔ ہم اپنی جیب میں بھات گننے لگے جن کے بدلے کوڑیاں خریدنی تھیں جو ہمارا مطلوبہ سامان دلوائیں گی۔

یوتھ فل میں یوتھ درجن کے حساب سے جوتے بیچ رہی تھی

بس ایک بازار کے فٹ پاتھ سے لگی تو شمیم بھابی نے کہا...... بفلم پور آ گیا......''

ہمیں نہ بفلم نظر آیا نہ پور۔ بس ایک بازار تھا' یوں سمجھ لیں کراچی کا بوہری بازار۔ دکانیں فٹ پاتھ کپڑوں جوتوں اور کھانے پینے کی چیزوں سے بھرے تھے بلکہ سڑک تک ابل رہے تھے۔ فٹ پاتھ پر چلنے کی جگہ نہ تھی اس لئے لوگ سڑک کے کنارے ادھر ادھر جا رہے تھے۔

شمیم بھابی بڑے فخر سے رہنمائی کر رہی تھیں۔ وہ آگے آگے تھیں اور ہم پیچھے پیچھے۔ بفلم پور کی دکان یوتھ فل پر جانا تھا۔ حالانکہ ہر دکان یوتھ سے فل تھی۔ تھائی لڑکیاں مورچہ لگائے بیٹھی تھیں۔ کوئی غریب گاہک ادھر سے گزرا۔ انہوں نے جست لگا اسے دبوچ لیا اور ٹینٹوے سے پکڑ کر اس کی جیب سے ڈالر بھات سب نکال لئے۔ اوڑ اسے دو جوتے دیئے یا ایک آدھ جینز تھیلوں پر تائیوان اور دکانوں میں ہانگ کانگ فروخت ہو رہا تھا فٹ پاتھ پر تھوڑی تھوڑی دور کھانوں کی دکانیں سجی تھیں۔ بنکاک میں جس وقت ان دکانوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیں لوگ کھاتے نظر آتے ہیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ گھنٹے دو گھنٹے بعد انہیں کام سے جو اجرت ملتی ہے اس کا کھانا کھا لیتے

ہیں ایک جاتا ہے دوسرا آ جاتا ہے۔ کھانوں کی خوشبوئیں سونگھتے دکانوں میں یوتھ دیکھتے جب ایک فٹ پاتھ سے دوسری پر پہنچے تو آدھے لوگ بچھڑ گئے وہ ان دکانوں کی نذر ہو گئے جہاں سامان لٹ رہا تھا۔ ہم ہر دکان کی طرف لپکتے اور شمیم بھابی روکتیں کیونکہ سامانِ بار صرف یوتھ فل سے خریدنا تھا ہمارے ذہن میں یوتھ فل کی عجیب تصویر بن رہی تھی یہ کوئی نوجوانوں کی دکان ہوگی۔ نوجوانوں کو خصوصی رعایت ملتی ہوگی۔ ایک فٹ پاتھ شروع ہوئی تو ہم حیران رہ گئے وہاں سب پرانے کپڑے لٹک رہے تھے رنگ اڑی جینز پیوند نکلے کوٹ' ملے گچے گاؤن' ہم نے بھابی سے حیران ہو کر پوچھا یہاں بھی پرانے کپڑے کا بازار ہے! اس پر وہ خوب ہنسی کہ یہ سب نئے زمانے کے نئے فیشن کے لباس ہیں ان کی قیمت زیادہ ہے۔ اسے پہن کر لوگ خوش ہوتے ہیں۔ ہم نے یہ سنا تو انہیں دیکھ کر خوش ہونے لگے۔

ایک فٹ پاتھ پر یوتھ فل دکان آ گئی۔ ہم سمجھے تھے سپر مارکیٹ ہوگی۔ لیکن وہ بڑی سی دکان تھی بھابی شمیم اسے یوں دیکھ کر خوش ہو گئیں کہ کولمبس امریکہ دیکھ کر نہ ہوا ہوگا۔ اس وقت ہمارے ساتھ جمیل' زکریا' روبی بھابی اور نادر تھا۔ باقی لوگ مختلف دکانوں پر کام آ گئے تھے یوتھ فل کے باہر اردو میں بڑا سا بورڈ لگا تھا پاکستانی بھائیوں کے لئے خاص رعایت۔ بھابی شمیم ایک فاتح کی طرح اندر داخل ہوئیں تو ان کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا گیا۔ چار نوجوان لڑکیوں نے ہاتھ جوڑ کر جھک کر سوادی کہا۔ بھابی شمیم نے بھی جواب اسی طرح دیا۔ بھائی الیاس تھکے تھکے تھے جھٹ ایک اسٹول پر جا بیٹھے۔ یوتھ فل اوپر نیچے دائیں بائیں ہزاروں جوتوں سے بھری تھی جہاں انتخاب بڑا مسئلہ تھا۔ ''یہاں سے جیسا چاہیں جوتا خرید لیں'' بھابی نے فخر سے بتایا۔

جوتا ہم خریدنا چاہتے تھے لیکن ایک مسئلہ تھا۔ یوتھ فل میں جوتے درجن کے حساب سے فروخت ہو رہے تھے۔ ہم ایک جوتا خریدنے کے لئے مہینوں پروگرام بناتے ہیں۔ درجن بھر جوتے خریدنے کے لئے تو برسوں منصوبہ بندی کرنی پڑے گی۔ ہم گھبرا گئے۔ بھابی شمیم نے بتایا پاکستان میں ہم ایک جوتا خریدتے ہیں بنکاک میں اس رقم سے بارہ جوتے خریدے جا سکتے ہیں۔ یہ بات خوشی کی تھی اس لئے ہم نے جوتوں پر حملہ شروع کر دیا۔ راہ میں لڑکیاں آ گئیں انہوں نے ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ٹوٹی پھوٹی انگریزی' اردو سے سواگت ہوا۔ ہمارے مطلوبہ جوتے نکال کر

دکھائے جانے لگے۔ یہ خواتین کے پاپوش کا حصہ تھا۔ ہم نے جیب سے ناپ نکالے۔ اور تھائی لڑکیوں کو حیران کر دیا۔ جو ناپ کالے جوتے کا ملا وہ ہمیں سفید درکار تھا۔ جس ناپ کا جوتا سرخ میں تھا وہ ہمیں نیلا چاہئے تھا۔ ہمیں وہ کوٹ شو خریدنا تھا جو آج تک بنا نہیں تھا۔ اس کھال کا چاہئے تھا جو ابھی جانور کے جسم پر تھی۔ پہلے ایک تھائی لڑکی پھر دوسری اور اس کے بعد تیسری بھی ہمارے گرد جمع ہو گئیں۔ بھابی شمیم دور اسٹول پر بیٹھ کر ہمیں دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں ان کا خیال تھا ہم تھائی لڑکیوں کو کہانی سنا رہے ہیں۔ یوتھ فل کی زنانہ یوتھ ایک جوتا چھت سے اتار کر لاتیں تو ہم دوسرا طلب کرتے۔ وہ دوسرا پیش کرتیں تو ہم تیسرے پر اصرار کرتے۔ اس دن انہیں احساس ہوا جوتا فروخت کرنا ایک آرٹ ہے۔

تھوڑی دیر میں انہیں احساس ہو گیا کہ ہم جوتے کا بہانہ کر کے ان کا قرب حاصل کر رہے ہیں، نہ ہم نے کبھی جوتا خریدا نہ مستقبل قریب میں ایسا کوئی منصوبہ زیر غور ہے۔ اس لئے یوتھ فل کی "یوتھ" مایوس ہونے لگیں۔ پہلے ایک نے ساتھ چھوڑا۔ پھر دوسری نے منہ موڑا اخیر میں تیسری نے دل توڑا اور ایک نہایت صحت مند پاکستانی کی طرف متوجہ ہو گئیں جو ہر جوتا ایک درجن...... خرید رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا اس نے جوتے پہلی بار دیکھے تھے یا گنتی نئی نئی سیکھی تھی۔ لباس اور چہرے سے کامیلیا یا مالیشیا لگتا تھا ورنہ ہم اسے عرب سمجھتے۔ زندگی میں بہت سی چیزیں درجن کے حساب سے خریدیں لیکن ڈیڑھ درجن جوتے...... دو درجن چپلیں ان کا کبھی تصور نہ کیا۔ آج دل میں ہوک اٹھی کہ اگر جوتے درجن کے حساب سے نہ خریدے تو ہمیشہ احساس محرومی رہے گا۔ جو زندگی میں خلا پیدا کر دے گا۔ پھر ہم شاید ڈاکو بن جائیں۔ یہی سوچ کر بھابی شمیم کی طرف بڑھے وہ کسی کو جوتے دکھا رہی تھیں ہم نے حیرانی سے پوچھا "یہ آپ کیا کر رہی ہیں" ہنس کر بولیں "یہ بچارے جاپانی مجھے سیلز گرل سمجھے، میں نے بھی دیکھا لڑکیاں مصروف ہیں۔ چلو میں دکھا دوں......"

بھائی جاپانیوں نے اسے سیلز گرل سمجھا۔ لوگ اس طرح اسے گرل سمجھتے رہے تو یہ دکان پر مصروف ہو جائے گی۔ میرا کیا ہو گا" بھائی الیاس بولے۔

"بس جل گئے، میں گرل ہی لگتی ہوں......" بھابی نے ہنس کر کہا۔

"ہاں بوڑھے تو ہم ہوئے ہیں" بھائی الیاس نے تھائی لڑکی کو اپنے پاس سے گزرتے دیکھا تو کہا۔

"اب تم بوڑھے بن کر یہاں کی لڑکیوں کو تو نہ دیکھو" بھابی شمیم بولیں۔

"اچھا تو میں فٹ پاتھ پر کھڑے ہو کر لڑکیاں دیکھ لیتا ہوں۔ یہاں کی نہیں دیکھتا......"

"مطلب یہ کہ دیکھنا ضروری ہے"؟ بھابی بولیں۔

"میں کیا کروں ہر لڑکی مجھ سے ٹکراتی ہوئی گزرتی ہے" بھائی الیاس بولے۔

"وہ اس لئے کہ تم راستے کے بیچ میں اسٹول رکھ کر بیٹھے ہو......" بھابی شمیم بولیں اور اٹھ کر اسٹول ذرا پیچھے سرکا دیا۔ بھائی الیاس نے انتقاماً صرف اتنا کہا "......اب تم بیکار کے جوتے نہ خریدنے لگنا پاکستان لے کر کیسے جائیں گے......"

"تم چپ چاپ بیٹھے رہو۔ میں دیکھ بھال کر خریدوں گی۔"

ہم نے بھابی کو بتایا کہ اس حصے میں کوئی جوتا پسند نہیں کیا۔ انہوں نے ایک نظر ہمیں اور دوسری نظر سیکڑوں جوتوں کو دیکھا۔ اور ہم سے صرف اتنا کہا "آپ جو ناپ لائے ہیں۔ وہ مجھے دے دیں"...... ہم نے ناپ ان کے حوالے کیا۔

"آپ بائیں طرف چلے جائیں جہاں مردانہ جوتے رکھے ہیں اور اپنے لئے جوتے پسند کریں" بھابی نے کہا اور خود جاپانی کو جوتے دیکھتے چھوڑ کر الماریوں کی طرف چلی گئیں۔

ہم مردانہ جوتوں کی طرف آئے تو ہر جوتے نے اپنی طرف کھینچا۔ اونچے نیچے چھوٹے بڑے۔ کالے براؤن۔ پاؤں میں ڈال کر دیکھا تو یوں محسوس ہوا کہ یہ سب ہمارے پاؤں کے ناپ لے کر بنائے گئے اور قیمت دیکھی تو پاکستانی ڈیڑھ سو روپے لیکن شرط وہی ایک درجن جوتوں کی خریداری۔ دراصل یوتھ فل ہول سیل کی دکان ہے یہ سری لنکا کے باشندے سوچائی کی ہے...... انہوں نے کارڈ دیا جس پر مسٹر سوچائی لکھا تھا۔ یہ کارڈ ہم نے خوش ہو کر لیا بعد کو معلوم ہوا یہ ٹیکسی ڈرائیور کے لئے ہے تاکہ جب اگلی مرتبہ یوتھ فل تشریف لائیں اور بھابی شمیم ساتھ نہ بھی ہوں تو یہاں آ سکیں گے۔ مردانے جوتوں کے حصے میں ایک مرد بھی نظر آیا جس نے ہماری کوئی مدد نہیں کی بس ساتھ ساتھ رہا۔ ہم جوتے کے اندر جھانک رہے ہیں وہ بھی جھانک رہا ہے۔ ہم نے جوتے کا تلہ دیکھا وہ بھی دیکھنے لگا ہم پلٹے وہ پلٹا۔ کیا خبر وہ ہمارا سایہ ہو شاید ضمیر۔ لیکن اسے تو ہم کب کا

فارغ کر چکے ہیں۔ پھر کوئی ہوگا۔ ایک جوتا پسند کیا قیمت مناسب تھی۔ اتنے میں دیکھا بھابی شمیم اشارے سے بلا رہی ہیں ان کے پاس کئی درجن جوتے ہیں جو انہوں نے ہمارے لئے منتخب کئے تھے ہم گھبرا گئے اتنے جوتے وہ سمجھانے لگیں۔ بے حد سستے ہیں درجن کے حساب سے ان کی قیمت کوڑیوں میں ہے پھر کلکولیٹر نکال کر ضرب تقسیم کر کے بتایا واقعی سستے تھے۔ اس میں ہمارا مردانہ جوتا شامل کرایا تو کل نو جوڑی بنے یہ درجن کے حساب سے مل گئے۔ وہ تھائی لڑکیاں جو ہم سے مایوس ہو کر دوسروں کی طرف امید لگانے لگی تھیں لوٹ آئیں ایک دائیں ایک بائیں ایک پشت پر۔ ایک سامنے آ کھڑی ہوئی۔ یعنی ہم فل ہو گئے یوتھ سے۔ اب ان کی فرمائش شروع ہو گئیں ایک سوٹ کیس خرید لیں۔ دو پرس لے لیں ہمیں ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہ تھی لیکن ہوتا یہ ہے کہ جو پاکستانی وہاں سے جوتے خریدتا ہے...... ایک سوٹ کیس بھی خریدتا ہے جوتے رکھنے کے لئے۔ اس لئے جب ہم نے سوٹ کیس خریدنے سے معذرت کی تو ان کے منہ حیرت سے کھل گئے کوئی ایسا بھی ہے جو جوتے تھیلے میں لے جائے گا۔ پرس کی ضرورت نہیں تھی لیکن ہمارے نہ نہ کرنے پر بھی دو پرس پکڑا دیئے اوپر سے بھابی شمیم کی سفارش۔ اس سے اچھا پرس اور اتنی قیمت کا دنیا میں کہیں نہیں مل سکتا...... حالانکہ ہم کب ایک پرس کے لئے دنیا چھانتے۔ خیر لینا پڑا۔ بس ذرا سا دل میں شک گزرا کہ بھابی شمیم کا اس دکان پر کمیشن تو طے نہیں اور جب بنکاک میں ہیں پارٹ ٹائم اس دکان پر ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ شمیم بھابی بے حد ملنسار خوش اخلاق اور دلچسپ خاتون ہیں اپنی باتوں اور برتاؤ سے دوسرے کو فتح کرنا جانتی ہیں۔ یوتھ فل کی ساری زنانہ یوتھ ان کی گرویدہ تھی بلکہ یوں لگ رہا تھا یہ ان کی بڑی بہن ہوں...... دکان پاکستانیوں میں بے حد مقبول ہے۔ سنا ہے رات کی فلائٹ سے گاہک یہاں آتے ہیں شام تک اس دکان میں شاپنگ کرتے ہیں اور رات کو واپس چلے جاتے ہیں ان خریداروں کو نہ تھائی زبان آتی ہے نہ انگریزی ان کی بول چال عوامی ہوتی ہے۔

''اے وہ نکال لا لال والا جوڑا...... ہاں یہی...... اور وہ نیلا بھی۔ دیکھ کے! گرا کیوں رہی ہے...... کتے کی ہے''......

ادھر سے بھی نہایت ٹوٹی پھوٹی تھائی اور اردو سنائی دیتی ہے ''لینا ہے تو بولو۔ نہیں تو نہیں بولو''

ہاتھ مت لگاؤ...... چھوڑو...... (جوتے کو) ''بہت قیمت بتا رہی۔ کم کر...... ایک درجن لے لوں گا''
...... یہ سارے لوگ کسٹم کی زبان میں کھیپی کہلاتے ہیں۔ اور یوتھ فل دکان پر لکھا ہے پاکستانی بھائی کے لئے خاص رعایت۔ پتہ نہیں ان لوگوں کو اپنے بھائیوں کے کارنامے پتہ ہیں یا نہیں۔

بھابی آپ کے جوتے اتنے نئے ہیں کہ چاہیں تو کوئی سے بھی پہن لیں اور پرانے کسی کونے میں رکھ دیں...... ''ترکیب اچھی ہے لیکن میں کروں گی نہیں......'' بھابی نے ہنس کر کہا۔ جوتے باندھ دیئے گئے قیمت مناسب لی گئی۔ دو پرس بھی خرید لئے گئے۔ روبی بھابی اور جمیل زکریا دوسری دکان میں چلے گئے تھے مناسب اور سستا خریدنا ان کے مزاج میں شامل نہیں جب تک قیمت سیکڑوں سے ہزاروں میں نہ جائے' ان کے لئے باعث توجہ نہیں ہوتی روبی بھابی کی بہن نے جن چیزوں کی فہرست دی تھی اس کے ساتھ ان کی کمپنیوں اور اسٹور کے نام بھی لکھائے تھے۔ اب چھان پھٹک اور مول تول کی گنجائش ہی نہیں تھی بھائی جمیل زکریا مجبور تھے۔ گھبراہٹ میں اپنے لئے کئی سو بھات کا جوتا خرید لیا...... بعد کو تسلی دیتے رہے کہ اچھا تھا اس لئے خرید لیا۔ ہم نے دوبارہ کہا ''بھئی چیز پسند کی ہو تو جو چاہے قیمت ادا کر دیں''......

نادر کا عجیب حال تھا وہ جوتوں کی قیمت پوچھنے کے بہانے ہر تھائی لڑکی سے بار بار ہاتھ ملا رہا تھا نزدیک جا رہا تھا کان میں گفتگو کر رہا تھا۔ سرگوشیاں کرنے کی کوشش میں دو بار اسٹول سے ٹکرایا مگر باز نہ آیا ہم سے جوتوں کے بارے میں مشورہ مانگتا رہا بھلا ہم کیا بتاتے۔ زندگی میں یہ کام کب کیا ہے خاندان میں کسی نے نہیں کیا۔ بس دکان پر گئے جو فٹ آیا پہن لیا...... جو قیمت اس نے کاؤنٹر پر طلب کی دے دی۔ نادر نے ایک لڑکی کا پیچھا اس حد تک کیا کہ وہ غریب دکان چھوڑ گئی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا صرف کل تک گئی ہے...... ڈیوٹی ختم ہو گئی تھی۔

نو جوڑی جوتے خریدے لیکن یوتھ فل اسی طرح فل رہی۔ نادر نے دو بار اور ہم نے ایک بار جوتوں والی نازنین سے ہاتھ ملایا اور باہر نکل آئے۔ بھابی شمیم کی خریداری مکمل نہیں ہوئی تھی۔ بھائی الیاس انہیں یوتھ فل سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے لیکن بازار سے نہ نکال سکے فٹ پاتھ ٹھیلوں اور زمین پر لگی دکانوں سے بھرا تھا اور بھابی شمیم کا ہر دکان پر رکنا فرض تھا آخر سب لوگ سامان رکھے بیٹھے ہیں۔ اور پھر سونے پر سہاگہ کہ وہ بھابی کو اپنی طرف بلا رہے ہیں۔ پلاسٹک کی

چٹنگ سے لے کر چھری چاقو تک فروخت کے لئے رکھتے ہیں کسی کا جی نہ چاہے کہ سب کچھ خریدے۔ بھائی الیاس پریشان ہیں۔ بھابی کی بلا سے۔ ان سب شوہروں کے مقدر میں پریشانی لکھی ہے جو بیویوں کے ساتھ شاپنگ پر جاتے ہیں اور شوہر جو بیوی کو بنکاک شاپنگ کے لئے ساتھ لائے اس کی پریشانی وہی جانتا ہے۔ ہر سمجھدار شوہر اکیلا آتا ہے شاپنگ پر بیوی کو اکیلا بھیجتا ہے۔ بھائی الیاس اس وقت کو کوس رہے تھے جب وہ ڈالروں کی گڈی پرس میں رکھتے وقت چھپانے کی احتیاط نہ کر سکے۔ کسٹم آفیسر سے بچ گئے لیکن بیوی کے کسٹم سے کون بچا ہے؟

دکانوں سے دکانوں تک سفر جاری رہا تھیلوں پیکٹوں کی تعداد بڑھتی رہی یہاں تک کہ بھابی نے فٹ پاتھ سے چاول کے پاپڑ خرید کر کھا لئے تب بھائی الیاس اور بھابی شمیم غائب اور ہمارے دائیں طرف نادر کھڑا مسکرا رہا ہے چاروں طرف اور دو چار دکانوں میں جھانک کر دیکھا محسوس ہوا کہ کسی دکاندار نے جلدی میں دونوں میاں بیوی کو کسی بنڈل میں باندھ کر کسی گاہک کے حوالے کر دیا۔ دائیں طرف دیکھا تو نادر بھی غائب تعجب ہوا لیکن بائیں طرف سے آواز آئی۔ ''انکل کچھ شاپنگ کر لیں'' یہ نادر تھا دائیں سے بائیں آ گیا تھا ہمیں کیا اعتراض آج کی سرمئی شام اس کے ساتھ لکھی ہے تو یوں ہی سہی۔

ٹھیلوں پر مختلف قسم کے زیورات رکھے تھے جو شاید موہنجوداڑو یا اہرام مصر سے برآمد ہوئے تھے ان کے رنگ بھی سیاہ تھے ہمیں حیرت ہوئی ٹھیلے کے ساتھ کھڑی لڑکی نے بتایا: ''یہ میڈونا کے زیورات ہیں''۔

''میڈونا کے ہیں تو یہاں کیوں بک رہے ہیں'' ہم نے سوال کیا۔

''یہ میڈونا فیشن کے ہیں''۔ لڑکی ہنسنے لگی نادر جو دوسرے ٹھیلے کے سامان کو بغور دیکھ رہا تھا ہمارے پاس آ گیا۔ ''یہ لڑکی کیوں ہنس رہی ہے'' اس نے پوچھا ''کیونکہ اس لڑکی کے دانت بہت حسین ہیں..... ہنستے ہوئے اچھی لگتی ہے''..... نادر نے لڑکی کی طرف غور سے دیکھا اور پھر اس کے نزدیک جا کر سرگوشیاں کرنے لگا۔ اس نے حیرت سے دیکھا اور پھر زور سے ہر ایک زیور کی قیمت بتانے لگی۔ نادر چونکا پھر مول تول کرنے لگا۔ سو بھات کے پچاس لگائے لڑکی تیار ہو گئی کہ ٹھیلے کا سارا سامان نادر کے ہاتھ فروخت کر دے..... بلکہ تھیلے میں اٹھا اٹھا کر ڈالنے لگی۔ نادر منع کرنے

کے بہانے اس کے ہاتھ پکڑنے لگا۔ بلکہ مدد کے لئے ہماری طرف دیکھا۔ موقع کی نزاکت دیکھ کر ہم نے مداخلت کی لڑکی کو سمجھایا کہ اتنی بہت سی چیزیں خرید کر ہم اپنے ملک واپس نہیں جا سکتے۔ دو ایک کڑے اور بندے دے دو..... اب اس کے ہاتھ پکڑنے کی باری تھی اس نے نادر کے ہاتھ بازو اور گال پر ہاتھ تک پھیر دیا یہ سب ایک جادو کی طرح تھا جس میں نادر ہوش کھوتا گیا اور اگر ہم نہ بچاتے تو بات سیکڑوں سے نکل کر ہزاروں بھات تک پہنچ جاتی۔

اس ٹھیلے سے آگے بڑھے تو نادر کو یاد آیا کہ اپنی بہن کے لئے بروچ لینے ہیں۔ ہمیں احساس تھا کہ بہن کا بہانہ ہے۔ بروچ بیچنے والی لڑکی زیادہ شوخ نظر آ رہی تھی اس پر غضب یہ تھا کہ ظالم کیسٹ ریکارڈ پر رقص کی موسیقی سن رہی تھی کبھی کبھی پاؤں بھی ادھر ادھر مار دیتی۔ بس یہی ادا ہمارے بھتیجے نادر کو پسند آ گئی..... ادھر یہ ٹھیلے پر پہنچا اور ادھر اس نے دبوچا..... وہ تو کب سے جال لگائے مرغے کے انتظار میں تھی۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نادر کو تباہ کر دیا اور ایک نہیں تین بروچ فروخت کر دیئے بغیر قیمت کم کئے۔ اب ہمیں احساس ہوا کہ بنکاک میں لڑکیاں دکانوں پر کیوں ہوتی ہیں۔

''ماموں ایک قمیص خرید وا دیں.....'' نادر نے اب ہمیں اپنا ماموں بنا لیا..... ٹھیلوں سے ٹکراتے دکانداروں کو دیکھتے۔ ان کے ہنجوں سے بچتے ریڈی میڈ کپڑوں کی دکان پر پہنچے یہاں دو لڑکیاں اور ایک بوڑھا آدمی تھا۔ انہوں نے درجنوں قمیص دکھائیں نادر کو پسند نہیں آئے کچھ قیمت بھی زیادہ تھی۔ بعض کے رنگ اچھے نہ تھے اس کی صرف ایک وجہ تھی کہ لڑکیاں دور تھیں اور بوڑھا نزدیک کھڑا مول تول کر رہا تھا قمیص سے دل اچاٹ ہو گیا تو بنیان خریدنے کی سوجھی ہم نے لاکھ سمجھایا پاکستان میں سب سے اچھے بنیان ہوتے ہیں'' لیکن نادر کب مانتا ایک چھوٹی سی دکان پر جا کھڑا ہوا۔ یہاں دکاندار لڑکی نے نہایت گرم جوشی سے استقبال کیا شاید دیر سے دیکھ رہی تھی کہ نادر ہر دکان سے کچھ نہ کچھ خرید رہا تھا۔ اس نے نادر سے ہاتھ ملایا حال احوال پوچھا نادر کو غلط فہمی ہونے لگی شاید پہلے بھی وہ اس لڑکی سے مل چکا ہے..... اتنے میں ایک پلیٹ میں کسی فٹ پاتھ ہوٹل کا بیرا کچھ کھانے کو دے گیا۔ لڑکی نے نادر کو پلیٹ میں مدعو کر لیا۔ اس کا خلوص نادر کے لئے زیادہ تھا ہم تو تماشبین تھے ہم نے اردو میں نادر کو کھانے سے روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانا بلکہ ہم سے کہنے لگا:

''ماموں یہ لڑکی کافر ہے......'' ہم نے اقرار میں سر ہلایا ''میں نے اس لڑکی کے ہاتھ بازو چھوئے بلکہ کمر پر ہاتھ رکھ دیا۔ اب اگر اس کے ساتھ کھالیا تو کون سا جرم کر دیا''...... ''اس میں نجانے کاکروچ ہوں یا مینڈک'' ہم نے اسے ڈرا دیا۔ ''کچھ بھی ہو جب ڈوبنا ہے تو گلے گلے کیوں نہ ہو۔ ٹخنے ٹخنے تک پانی میں جانے سے فائدہ......''

عجیب منطق تھی۔ ہمارے پاس کوئی جواب نہ تھا چپ رہے۔ نادر دو نوالے کھا کر ہاتھ پونچھنے لگا لڑکی نے ٹشو پیپر تھما دیئے ایک ہمیں بھی ملا ہم نے بغیر کھائے ہاتھ صاف کر لئے۔ اب بنیان دکھانے کا سلسلہ شروع ہوا یہ سب بیکار تھا دیکھنے اور سننے کو نادر کے پاس کان اور آنکھیں نہ تھیں لڑکی کے پاس پیکنگ کا غذ اور تھیلے تھے وہ اس نے استعمال کئے اور نادر کے ہاتھ میں تھما خود کئی سو بھات اپنے پرس میں رکھ لئے اور الوداعی مصافحہ کر کے دوسرے گاہک کی طرف متوجہ ہوگئی ......نادر چند لمحے کھڑا رہا پھر یہ سوچ کر کہ ٹکٹ ختم ہوا۔ ہمیں لے کر آگے بڑھا۔

''چیز اچھی ہے......'' نادر بولا۔

''ہمارے ہاں اس سے اچھے بنیان ملتے ہیں......'' ہم نے کہا۔

''میں بنیان کی نہیں لڑکی کی بات کر رہا ہوں پارٹنر'' ......نادر نے کہا۔

''یہ تیسرا رشتہ ہے جو تم ہم سے قائم کر رہے ہو پہلے انکل بنایا پھر ماموں اور اب پارٹنر۔ اس لفظ پر ہمیں اعتراض ہے۔ کیونکہ جو کچھ تم کر رہے ہو ہم اس میں تمہارے پارٹنر نہیں ہیں......''

''آئی ایم سوری۔ آپ برا مان گئے'' ......اس نے معذرت کی۔

''اچھا یا برا ماننے کی یہ جگہ نہیں ہے'' ......ہم نے کہا ......سامنے اعظم کو ایک دکان سے نکلتے دیکھا تو آواز دی...... ''اعظم یہاں کیا کر رہے ہو......''؟ ہم نے پوچھا۔

''جوتے خرید رہا ہوں'' ......وہ گھبرا کر بولا۔

''کپڑے کی دکان سے'' ......نادر نے اس کی توجہ دکان کی طرف کرائی۔

''کپڑے کے جوتے خرید رہا ہے......'' ہم نے کہا ''جی......جی......وہ......''

''بھئی تم اتنے پریشان کیوں ہو۔ ہم افضل بھائی سے تمہاری شکایت نہیں کریں گے......'' ہم نے کہا۔

''دو لڑکیاں اندر بڑی اچھی ہیں......'' اعظم کا خوف جاتا رہا۔

''صرف اندر......یہاں ہر طرف لڑکیاں ہیں......اور اچھی ہیں......'' نادر بولا

اعظم نے چاروں طرف دیکھا پھر پوچھا'' ......آپ نے افضل انکل کو دیکھا ہے......'' اس لمحہ افضل بھائی اور بھابی سامنے سے آتے دکھائی دیئے۔ اعظم نے گڑگڑا کر کہا ''پلیز ان سے کچھ نہ کہیے''

''رات کو کافی پلاؤ گے......'' نادر نے کہا۔

''ہاں'' ......اعظم نے آہستہ سے کہا۔

''او تھے چلا گیا سی۔ چل'' بھابی نے اعظم کو ڈانٹ کر نئی خریداری کے بنڈل پیکٹ اور تھیلے اسے پکڑا دیئے اس نے ایک نظر ہماری طرف دیکھا اور پھر چپ چاپ سر جھکا کر چچا چچی کے پیچھے چل پڑا۔

اعظم راولپنڈی میں رہتا ہے جوہری کا کاروبار ہے۔ بنکاک آنے سے پہلے اس نے انگریزی کی ایک کتاب پڑھی تھی جس میں بہت سی معلومات تھیں یہ بھی لکھا تھا کہ آپ بنکاک چلے جائیں وہاں کیا ہوگا آپ اس کی فکر نہ کریں۔ تھائی جانتے ہیں اپنے مہمانوں کی خاطر تواضع کیسے کریں۔ اعظم غریب کو بنکاک آئے کئی دن ہو گئے تھے لیکن اس کے ساتھ کچھ بھی نہ ہوا تھا سوائے چچا چچی کی ہر وقت کی ڈانٹ پھٹکار کے نادر کا کہنا تھا یہ رات کو چچا چچی کے سونے کے بعد ہوٹل سے نکل کر باہر جاتا ہے سیر سپاٹے کے لئے۔ نادر کو دیکھ کر اور اس کی سرگوشیاں سن کر اس کے قول و فعل پر اعتبار ذرا مشکل ہے۔ اس لئے رات کو اعظم کے باہر جانے کی روایت ضعیف ہے۔ ہاں اس کے ادھر ادھر للچائی نظروں سے ماحول اور اس میں بسنے والے افراد کی طرف دیکھنے کے گواہ ہم بھی ہیں۔

اعظم گیا تو نادر نے پھر دکانوں کی طرف حملہ کرنے کی ٹھانی۔ اس بار ہم نے اسے یاد دلایا کہ آٹھ بجے سے پہلے اپنا نیا چشمہ دکاندار سے لینا ہے۔ ورنہ وہ بنکاک کو اچھی طرح کیسے دیکھے گا اس انکشاف پر وہ تڑپ اٹھا۔ اور نزدیک سے گزرتی ٹیکسی کو اشارے سے روکا اور دروازہ بند کر کے جانے لگا پھر اچانک خیال آیا گاڑی روک کر ہمیں بھی بٹھا لیا ... اس بات پر ہم بے حد ممنون ہوئے۔

شمیم بھابی نے تلوار خرید لی

سیر بینی موون ٹرپ میں ہم تیس افراد شامل تھے۔ ہر ایک کا مزاج الگ مشغلے مختلف لیکن یہاں ایک دوسرے سے تعاون اور محبت کا مظاہرہ ہر لمحہ ہوتا تھا دو پہر کو روبی بھابی کی آنکھ میں ذرا سی چبھن ہونے لگی ہر شخص نے ایک نسخہ تجویز کیا اور اپنی پٹاری سے دوائیں نکال کر دیں۔ خود ہم نے آنکھوں میں ڈالنے والے ڈراپس پیش کر دیئے۔ دنیا بھر کے اینٹی بائٹک آئنٹمنٹ اور ڈراپس دیکھ کر روبی بھابی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے محبت کے اظہار کے جواب میں ابھی تک انسان آنکھ سے آنسو نکال کر شکریہ ادا کرتا ہے۔ بھابی نے کسی کی دوا نہیں لی۔ لیکن ایک بات کا علم سب کو ہو گیا کہ ہر شخص حسب توفیق کچھ نہ کچھ اینٹی بائٹک ضرور ساتھ لایا ہے۔ اور چاہیں تو منی میڈیکل اسٹور کھل سکتا ہے۔ ہمارے ساتھیوں میں بھائی محمد افضل اور فرحت بھابی بھی شامل تھیں ان دونوں کو دیکھ کر بڑی ڈھارس ہوتی تھی۔ ایک معزز جوڑا جو اپنی طرف سے ہماری طرف اور سب کی طرف سے بنکاک کے کارکنوں اور غریبوں کی مدد کرتا رہتا تھا' ان کے بنکاک قیام کے دوران وہ سارے دکاندار ازل سے اپنا سیاہ مقدر لکھوا کر لائے تھے جن کی دکانوں میں انہوں نے قدم رنجہ نہیں فرمایا ورنہ ہر ایرا غیرا نتھو خیرا یہاں تک کے ٹھیلے والے تک بھات لوٹ گئے۔ فرحت بھابی کو جب روبی

بھابی کی آنکھ کی تکلیف کا علم ہوا یہ تڑپ اٹھیں۔ بڑی بہن کی طرح انہوں نے ہر ٹونا ٹوٹکا بتایا۔ بلکہ کئی ترکیبوں پر عمل کرنے کے لئے ضد بھی کی۔ آدمی دوسروں سے محبت کرے تو ہر قربانی دینے پر تیار ہو جاتا ہے ان کی محبت دیکھ کر ہم نے کئی بار اپنی آنکھوں کو مسلا کہ شاید چبھن یا درد کا احساس ہو تو بھابی ہمارے لئے بھی دو چار دوائیں اور جھاڑ پھونک بتا دیں۔ ظالم آنکھوں نے ہماری خواہش پوری کب کی ہے۔ اس لئے ہم اس اعزاز سے محروم ہو گئے۔

روبی بھابی کسی علاج پر آمادہ نہ تھیں تب فرحت بھابی نے کوئی منتر پڑھ کر ان کی آنکھوں پر پھونک دیا۔ شام کو ان کی آنکھیں بالکل ٹھیک تھیں۔ فرحت بھابی کا دعویٰ تھا یہ ان کی پھونک سے ہوا ہے۔ روبی بھابی نے بھی مسکرا کر اس بات کو تسلیم کر لیا تب ہم نے ان سے درخواست کی کہ خدارا نادر کی آنکھوں پر پھونک مار دیں تا کہ اسے صحیح نظر آنے لگے۔ اسے ہر لڑکی پری۔ اور ہر عورت حور نظر آتی ہے ہمیں ڈر ہے کہ یہ جلد ہی کسی کے ہاتھوں قتل ہو جائے گا۔ کیونکہ زندہ آدمی کو نہ حور ملتی ہے نہ پری فرحت بھابی تو تیار تھیں لیکن نادر بھاگ لیا کہنے لگا مجھے ہوا سے الرجک ہے۔ میری آنکھیں کمزور نہیں ہیں بلکہ انہیں ہوا سے بچانے کے لئے چشمہ لگاتا ہوں۔ آپ نے پھونک ماردی تو یہ آنکھیں بجھ جائیں گی۔ ہم نے اس کی بات مان لی۔ تب احساس ہوا ظالم الفاظ کا جادو کرتا ہے جب ہی لڑکیاں اس کی بات سنجیدگی سے سن لیتی ہیں۔

بھائی محمد افضل نہایت ملنسار اور پر خلوص آدمی ہیں۔ جب کسی ٹور پر جانا ہوتا لوگ بس میں دیر سے سوار ہوتے۔ اس لئے فاطمہ نے شرط لگا دی کہ جو دیر سے آئے وہ گانا سنائے۔ اس ڈر سے ہم سب سے پہلے آجاتے لیکن کوئی نہ کوئی ضرور دیر سے آتا اور پھر مزہ آتا۔ عموماً بھائی الیاس اور بھابی شمیم دیر سے آتے۔ اس میں بھائی الیاس کا قصور نہیں ہوتا کیونکہ بھابی کی شاپنگ ختم نہ ہوتی تھی۔ ہوٹل کے آس پاس کی گلیوں کے ٹھیلے والے' فٹ پاتھ پر سامان بیچنے والے ان سے خوب واقف ہو گئے تھے۔ جب بھی یہ دیر سے آتے بھائی الیاس کو گانا سنانا پڑتا ویسے بھی اچھا گاتے ہیں کانوں کو بھلا لگتا ہے۔ بھابی ان کا ساتھ دیتی تھیں ہنس ہنس کر پھر سب تالیاں بجاتے۔

اور یوں زندگی کے سارے شوخ رنگ بس میں بکھر جاتے۔ محسوس ہوتا جیسے ہم سب ایک خاندان کے افراد ہوں۔ سب کے درمیان ایک رشتہ ہو محبت کا' خلوص کا۔ دنیا میں جہاں جہاں یہ

منظر نظر آئے سمجھ ئیں جنت میں ہیں۔ نادر کے لئے بھی یہ جنت تھی مگر بغیر حوروں والی۔ اور اسے ایسی جنت نہیں چاہئے تھی۔

بھائی محمد افضل اور بھابی فرحت وہ معزز جوڑا تھا کہ اگر دیر سے بھی آئیں تو کوئی ان سے گانے کی فرمائش نہیں کرتا تھا۔ سب احترام کرتے تھے وہ خود بھی کوشش کرتے کہ وقت پر آجائیں۔ عموماً جب رات کو سیر کا پروگرام بنتا لطیفے سنائے جاتے۔ ایک دوسرے کو تنگ کرنے کی کوشش کی جاتی تو بھائی افضل اور بھابی فرحت کو معاف کر دیا جاتا ان کے ساتھ ان کا داماد اور اس کا بھائی اعظم تھا۔ جب ہم نے پہلی بار اصلی داماد دیکھا۔ سعادت مند حکم کا تابع' گردن جھکائے ساس سسر کے پیچھے پیچھے چلتا اب اس قسم کے داماد کتابوں میں رہ گئے ہیں۔ اس وجہ سے بچارہ اعظم بھی گردن ڈالے ادھر ادھر پھرتا۔ ہمیں ان پر بڑا ترس آتا اور بھائی افضل اور بھابی فرحت پر رشک کہ اس دور بلا خیز میں دودھ خالص نہیں ملتا' سونے میں ملاوٹ ہے' اصلی داماد کہاں سے مل گیا۔ ہم نے ان دونوں کے ساتھ تصویر بھی کھنچوائی تھی کہ اپنے احباب کو دکھا کر یقین دلا سکیں کہ دنیا میں ابھی اچھائی اور روشنی باقی ہے۔

رات کا کھانا بابل ہوٹل میں کھا کر نکلے تو بھابی شمیم نے کہا" بھائی میں نے ٹھیلے پر سلک کے پرس اور فوٹو فریم دیکھے ہیں غضب کے ہیں" بھائی الیاس برا ماننے لگے ہم نے سمجھایا جب سب کچھ خریدنے کا پروگرام ہے تو پھر پرس اور فریم کیوں رہ جائیں۔" بھابی کا کہنا تھا وہ ٹھیلے والے سے مول تول کر رہی تھیں کہ وہ برا مان گیا اور ان کے ہاتھ فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ اب ہم ان کی طرف سے خریداری کریں گے۔ ہمارے لئے یہ ایک بڑا اعزاز تھا کہ وہ بھابی جو بنکاک کی شاپنگ میں ہماری امام تھیں۔ آج وہ امامت کے لئے ہمیں منتخب کر رہی تھیں۔ یہ انقلاب زمانہ تھا یا بھابی کی مول تول کی عادت جس نے ٹھیلے والوں کو نالاں کر دیا تھا۔

راجھا ہوٹل کی گلی میں دونوں طرف بہت سے ٹھیلے کھڑے ہوتے ہیں جن پر پھل کھانے کے علاوہ' ہر مال ملے گا' والا منظر ہوتا ہے یہ بھابی شمیم کی شاپنگ ٹارگیٹ تھے۔ جب ہم راجھا ہوٹل والی گلی میں پہنچے تو بھابی نے خوشی سے اعلان کیا" ٹھیلے پر جو آدمی کھڑا تھا وہ نہیں ہے اب اس جگہ ایک لڑکی کھڑی ہے" ہماری امامت ختم ہوئی۔ بھابی نے مول تول شروع کیا ہمیں بھی مجبور کیا کہ سلک

کے پرس اور فوٹو فریم خرید لیں۔ بھائی الیاس روکتے رہے لیکن گزشتہ کئی دنوں سے جب وہ کامیاب نہیں ہوئے تھے تو آج کیسے ممکن تھا۔ اچانک ہماری نظر ٹھیلے پر رکھی ایک لمبی سی لکڑی پر پڑی' اٹھا کر دیکھا بھاری تھی ہم نے پوچھا" لڑکی نے جھٹ لکڑی اٹھا کر کھینچی تو چمکتی دمکتی ایک تلوار نکل آئی۔ ہم نے زندگی میں اتنے نزدیک سے تلوار نہیں دیکھی تھی اور پھر تلوار کے ہاتھ میں تلوار عجیب منظر تھا آنکھیں خیرہ ہو گئیں ہم نے گھبرا کر بھابی سے کہا خرید لیں یہ صدا ان کے کان میں گونجی تو وہ دل و جان سے تلوار کی طرف دیکھنے لگیں۔" اچھی ہے سستی مل جائے گی۔"

"یہ تو تلوار ہے"۔ بھابی نے خریداری کرتے وقت پہلی بار فیصلہ کرنے میں جھجک محسوس کی ہمیں موقع مل گیا۔ کہا تلوار ہے ڈرائنگ روم میں دیوار پر سجانے کے لئے بڑے لوگوں کے گھروں میں عام ہوتی ہے۔ بھابی نے پوچھا" کتنے کی ہے۔" اس نے ایک سو بھات بتائے۔ ہم نے پچیس کہے وہ تلوار سے عاجز تھی جھٹ پچاس میں سودا ہو گیا بھابی نے پچاس بھات دینے کے لئے پرس کھولا تب بھائی الیاس کی سمجھ میں آیا کہ تلوار خریدی جا چکی ہے۔ اس پر وہ گڑ بڑا گئے بے یقینی کی کیفیت سے پوچھا" کیا تلوار خرید لی"۔ "جی" بھابی نے تلوار ہاتھ میں لے کر مہارانی چاند بی بی کی طرح کہا تو بھائی الیاس کھول اٹھے" کیا وحشت ہے۔ تلوار کا کیا کرو گی۔" دیوار پر لٹکاؤں گی۔" وہ بولیں۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے نا" ان کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

"اس میں دماغ کی خرابی کی کیا بات ہے۔ پاکستانی 45 روپے میں اتنی خوبصورت تلوار مل گئی ہے"۔

"تھوڑے سے پیسوں میں یہ ٹھیلا بھی مل جائے گا اسے بھی خرید لو"۔ بھائی الیاس نے جل کر کہا" کتنے کا ہے یہ" بھابی نے ٹھیلے کی قیمت پوچھی۔

"یہ تلوار اتنی بڑی ہے کہ اس کا تو لائسنس ہوگا۔ کراچی ایئر پورٹ پر کسٹم والے خود سمجھ لیں گے" بھائی الیاس یہ کہہ کر آگے بڑھ گئے۔

"کسٹم کی مجھے کوئی فکر نہیں۔ بھائی صاحب آئیں گے ہمیں لینے۔" بھابی نے جیولری رکھنے کے ڈبے پر حملہ کیا اور تھوڑے سے بھات کے عوض فتح کر لیا۔ اس کے بعد کچھ اور مال غنیمت پر قبضہ کیا یہاں تک کہ ٹھیلے والی کے گھر جانے کا وقت ہو گیا تب بھابی نے ہوٹل کا رخ کیا۔

''بھابی الیاس ناراض ہو گئے ہیں'' ہم نے کہا۔

''ان کے لئے بھی سگریٹ خرید لیتی ہوں۔ الیاس بہت اچھے ہیں کبھی ناراض نہیں ہوتے۔''

بھابی بولیں'' آپ کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر بنکاک میں مزید اچھے ہو جائیں گے۔ کراچی کے حالات اس بات پر منحصر ہیں کہ تلوار آپ کے ہاتھ سے کتنی دور رہے'' بھابی ہنسنے لگیں۔ ہم نے بھی اس ہنسی میں ساتھ دیا۔ اچانک پشت سے دو اور قہقہے گونجے پلٹ کر دیکھا تو فہیم ساکرانی اور نادر ہمارے پیچھے تھے۔ دو دو تھیلے ان کے ہاتھوں میں بھی تھے ان کے دو قدم پیچھے رضیہ اور اسماعیل تھے۔ رضیہ کے ہاتھوں میں ڈنش ککی کا ٹن تھا۔ اس نے یوں پکڑا ہوا تھا جیسے اس میں جیتا ہوا کپ ہو۔

''آج بسکٹ بسکٹ ہو جائیں''۔ ہم نے کہا

''یہ گھر کے لئے ہیں'' رضیہ نے ہنس کر کہا۔

''اس گھر کے لئے جو تم نے راجھا ہوٹل میں بنایا ہے۔'' ہم نے بتایا

''اللہ آپ بھی بسکٹ کھاتے ہیں۔ کل آپ کو کھلاؤں گی۔'' رضیہ نے کہا۔

''اچھا اس ڈبے سے نہیں۔ دوسرے سے۔ یہ تو تم ابھی جا کر ختم کر لو گی'' فہیم نے کہا۔

''ارے۔ میں اتنے بسکٹ کھاتی ہوں۔ تو چپ رہ'' فہیم کو رضیہ نے ڈانٹ دیا۔

بھابی نے ایک دکان سے سگریٹ خرید لئے۔

ہوٹل آ گیا۔ استقبالی کاؤنٹر سے صوفوں تک سیاحوں کا میلہ لگا تھا آ رہے تھے۔ جا رہے تھے ہم کاؤنٹر کی طرف بڑھے۔ پنکی ٹیلرز سے کپڑے تیار ہو کر آنے تھے۔ فہیم نے روک لیا۔

''نادر نے پنکی کو صبح بتا دیا تھا کہ ہم بنکاک میں ابھی دو دن اور ہیں۔ وہ کپڑے اطمینان سے تیار کرے''۔

''اس کا تو آج شام کپڑے دینے کا وعدہ تھا۔ نادر نے اسے کیوں روکا''۔ ہم نے پوچھا

پنکی ٹیلرز نے نادر کے کپڑے سینے سے انکار کر دیا تھا۔ رش کی وجہ سے۔ تب نادر نے بتایا کہ ابھی ہم لوگ دو دن اور رہیں گے کپڑے اطمینان سے تیار کرے۔ اس لئے وہ آج کسی کے کپڑے نہیں لایا''۔ ہم نے نادر کی طرف دیکھا وہ مسکرا رہا تھا۔

''پارٹنر میں بھی پنکی سے کپڑے سلوانا چاہتا ہوں۔''

''ہم کیا کرتے اپنے پارٹنر کو اس غلطی پر معاف کر دینے کے سوا۔ اس لئے معاف کر دیا۔

بھائی محمد افضل کا اصلی ہیرے خریدنا

ہمیں یقین ہے کہ بنکاک میں جب کوئی گائیڈ کا امتحان پاس کرتا ہے' صدقِ دل سے یہ الفاظ دہراتا ہے'' میں قسم کھاتا ہوں کہ بنکاک میں آنے والے ہر سیاح کی جیب سے ایک ایک بھات نکلوالوں گا شاپنگ' سیر و تفریح' کھانے پینے اور ہوٹل کے نام پر۔ میری کوشش ہو گی کہ وہ سنگاپور نہ جانے پائے اگر جائے تو خالی ہاتھ جس طرح سکندر دنیا سے گیا تھا''۔

اس قسم پر گائیڈ دل و جان سے عمل کرتا ہے۔ اس لئے سیاحوں کے غول کے غول گرم پارکوں' ٹھنڈے ہوٹلوں اور شاپنگ سینٹر میں دکھائی دیتے ہیں۔ ہمارا گائیڈ آنند نہایت ہنس مکھ اور ملنسار تھا۔ اپنی مسلمان گرل فرینڈ فاطمہ کی وجہ سے ہم لوگوں کا خصوصی خیال رکھتا تھا لیکن سیاحوں سے بھات بھات خرچ کرانے کی قسم کو یاد کرتا۔ اس لئے جب ہم میں سے کسی کو دکان میں داخل ہوتے دیکھتا تو خوشی سے پھولا نہ سماتا۔ بابل ہوٹل میں ہر کرسی کے ساتھ شاپنگ بیگ کا انبار دیکھ کر اس کے چہرے پر جو روشنی پھیل جاتی وہ گوتم بدھ کو نروان حاصل کر کے بھی حاصل نہ ہوئی ہو گی۔ آنند کی زندگی کا سب سے دلچسپ موضوع شاپنگ تھا وہ ہر روز مختلف شاپنگ سینٹر کے رعایتی کوپن لاتا اور بانٹ دیتا۔ ہمیں بھی ان نیلے پیلے کاغذ ملتے جو کبھی استعمال نہیں ہوئے جس دن اس نے ہمیں بقلم پورا تار تھا اس درجہ مسرور تھا کہ اگر فاطمہ سے ملنے کا وقت مقرر نہ ہوتا تو ہمارے ساتھ بس سے

اتر آتا اور ہمیں بھات لٹاتے دیکھ کر آنکھوں میں نور اور دل میں سرور بھرتا۔ خیر تصور میں بنکاک کی یوتھ کو بھات سے ہاتھ فل کرتے دیکھتا اور خوش ہوتا رہا ہوگا۔ ایک بار ہم اس کے ساتھ دکان پر ہوا میں اڑنے والی پلاسٹک کی تتلی خریدنے گئے ہیں تو یوں محسوس ہوا جیسے وہ دکاندار لڑکی کی طرف دھکا دے رہا ہے۔ تاکہ ٹکرا کر معذرت کر لیں اور خریداری کر لیں۔ اس بات پر تو ہم بھی خوش ہوئے کہ دھکا لڑکی کی طرف دے رہا ہے۔ ورنہ رسم یہ ہے کہ غلطی سے لڑکی دکاندار ہو تو جان پہچان والے پشت سے کھینچتے ہیں کہ فاصلے کم نہ ہوں۔

ہمارے ہمسفر یاتریوں نے دل کھول کر شاپنگ کی اور آنند خوش رہا لیکن اسے اندازہ ہوا کہ ابھی خواتین کے پرس اور حضرات کی جیبیں بھاری نظر آ رہی ہیں اس لئے اعلان کیا کہ جیسم کٹنگ انڈسٹری جائیں گے۔ ہم نے تعجب سے پوچھا: ''ہم پتھروں کی کٹنگ دیکھ کر کیا کریں......''

''وہاں دنیا کے نہایت قیمتی اور نازک پتھر تراشے جاتے ہیں۔ یہ دیکھنے کی جگہ ہے۔'' آنند بولا۔ خواتین نے سنا تو مسرت سے چیخیں مارنے لگیں اور پروگرام فوراً بن گیا بس میں سوار ہو گئے ہم آگے بیٹھے تھے ہمارے ساتھ بھائی افضل آ بیٹھے۔ ''بھابی کہاں ہیں!'' ہم نے تعجب سے پوچھا۔

''ذرا سر میں درد ہے میں نے کہا آرام کریں۔......وہ ہنس کر بولے۔

''انہیں خبر ہے ہم لوگ کہاں جا رہے ہیں۔''

''نہیں''...... وہ بولے

''تو ہم ذرا خبر کر آئیں''۔

''بھائی رہنے دو......ذرا آزاد فضا اور...........'' بھائی محمد افضل ہنس رہے ہیں۔

ہم سمجھ گئے ''منہ بند رکھنے کی رشوت ہو گی'' ......ہم نے بلیک میل کیا افضل بھائی زور زور سے ہنسنے لگے لیکن بنکاک کے ظالم آکاش کو ان کی خوشی ایک نظر نہ بھائی ابھی وہ اچھی طرح ہنسنے بھی نہ پائے تھے کہ بھابی فرحت اپنے داماد کے ساتھ بس میں داخل ہو گئیں۔ انہوں نے ایک نظر بھائی افضل کی طرف دیکھا اور ایک خالی سیٹ پر بیٹھ گئیں ہم نے فوراً اٹھ کر انہیں اس سیٹ پر بلوایا لیکن وہ نہیں آئیں بلکہ بھائی افضل نے بھی آواز دی لیکن شاید وہ ناراض تھیں ان کی ناراضگی دیکھ کر بھائی

کے چہرے پر اداسی کے زرد پھول پھیل گئے۔ فضا بوجھل ہو گئی تب آنند نے مسکرا مسکرا کر گنتی کی بس چل پڑی تو وہ مائیکروفون ہاتھ میں لے کر ایک گانا سنانے لگا ہمارا خیال تھا اب وہ ناچنے لگے گا اس وقت وہ بنکاک کی قومی خدمت کر رہا تھا۔

یہ سفر جو ہیرے جواہرات کی دکان پر ختم ہوگا اور جس میں خواتین شامل ہیں اس ملک کے لئے ہزاروں بھات کمائے گا۔ آنند نے ایک کے بعد دوسرا گانا سنایا تو فضا کا بوجھل پن کم ہوا۔ بھائی افضل نے سوچا بھابی سے چند فٹ کی دوری کا جشن منانا چاہئے اس لئے ہم سے پوچھنے لگے......''آپ کو جواہرات کا شوق ہے؟''

''ہاں اگر کسی حسین خاتون کے کانوں گلے اور ہاتھ میں ہوں''

''خریدنے سے دلچسپی نہیں......'' وہ بولے

''دلچسپی کا تعلق سکہ رائج الوقت سے ہے ہمارا خیال ہے ہیرے وغیرہ مہنگے ہوتے ہیں اور ہم آج کل مہنگا جوتا تک خریدنے سے پرہیز کر رہے تھے''۔

''بھئی اتنے مہنگے بھی نہیں ہوتے کہ آدمی خرید ہی نہ سکے پھر بنکاک میں بہت سستے ہوتے ہیں۔'' وہ کہنے لگے۔

''کتنے بھی سستے ہوں ہماری پہنچ سے دور ہوں گے۔''

''یہاں پاکستان کے مقابلے میں آدھی قیمت سے بھی کم ہیں یہاں جو ہیرا پانچ ہزار کا ہوگا پاکستان میں دس ہزار کا فروخت ہو جائے گا۔''

''اچھا......یعنی ڈبل قیمت مل جائے گی اگر ہم دس ہزار کے ہیرے خرید لیں تو پاکستان میں بیس ہزار روپے مل جائیں گے'' ہم نے پوچھا۔

''بلکہ زیادہ بھی مل سکتے ہیں''...... بھائی افضل بولے۔

''لیکن اصلی نقلی کون پہچانے گا۔''

''میں......مجھے...... ہیروں کی پہچان ہے''

''آپ جوہری ہیں''

''میرے دادا کے زمانے سے یہ کام جاری ہے''

''لیکن آپ تو کنسٹرکشن کا کام کر رہے ہیں۔''

''تعمیرات کا کام بھی پتھر کا ہے قیمتی پتھر نہ سہی معمولی سہی لیکن ہیں اہم ان سے جو گھر بنتے ہیں اس میں رہنے والوں کی آنکھوں میں ہیروں کی چمک اور دلوں میں قیمتی پتھروں کے رنگ ہوتے ہیں۔''

''بے شک آپ نے ٹھیک کہا دراصل پتھر سب ایک ہیں صرف تراشنے کی بات ہے''۔

''لیکن اگر پتھر تراشا نہ جائے تو ہیرا نہیں بنتا''۔

''ہیرے کی قیمت ہی اس کے تراشے جانے پر ہے۔ ورنہ یہ عام پتھر ہے۔'' افضل بھائی نے بتایا۔

''آپ سچ کہتے ہیں آدمی تراشا جائے تو انسان بن جاتا ہے پتھر...... مجسمہ......''

''ہیرے کا ہر پہلو ایک نئی چمک دیتا ہے۔ پتھروں کی زبان ہوتی ہے یہ بولتے ہیں گفتگو کرتے ہیں زندگی سے ان کا گہرا تعلق ہوتا ہے''۔

''کیا واقعی پتھر انسان کی زندگی پر اثر ڈالتے ہیں!'' ہم نے تعجب سے پوچھا۔

''سفید پتھر وقار، متانت اور عزت کی علامت ہیں اس کی چمک زندگی کی حرارت ہے۔ سرخ پتھر خوشی پر مسرت جذبات کا عکاس ہے نیلا پتھر امید اور کامیابی کی دلیل ہے۔''

اگر کسی کو نیلا پتھر پہنے دیکھیں تو سمجھیں کہ وہ امید سے ہے''۔ ہم نے پوچھا بھائی افضل ہنسنے لگے بھابی فرحت نے مڑ کر دیکھا تب بھی وہ ہنستے رہے پھر بولے...... ''نیلا پتھر تو غیر شادی شدہ لڑکی بھی پہن سکتی ہے لیکن امید سے مراد آس ہے'' ...... ہم نے کچھ پوچھا اور وہ کچھ سمجھے ہم بھی ہنسنے لگے۔ ''آپ پتھر کیسے پہچانتے ہیں''۔

''یہ بات تجربے سے آتی ہے پتھر کو ہاتھ میں لیں تو وہ بول اٹھتا ہے میں اصلی ہوں یا نقلی یہ تو ہمارا خاندانی پیشہ ہے، دور سے دیکھ کر پتھر کی پہچان کر سکتا ہوں۔''

''آپ بنکاک سے کچھ خریدیں گے!''

''ہاں دو ایک روبی اور سفائر کراچی میں اس کی قیمت اچھی ملے گی تو رکی رقم نکل آئے گی ویسے میرا خیال ہے زیورات بنوانے کا۔ میری بیٹی کی شادی ہے اس سال...... آپ کچھ خریدیں گے؟''

''ڈبل قیمت کی لالچ بھی ہمیں کچھ خریدنے پر آمادہ نہیں کر سکتی اس میں ہمارا ارادہ یا آپ کے مشورے کا دخل نہیں بلکہ امریکی سکے کی کمی حائل ہے''

''سستے دو ایک پتھر لے لیجئے کام آئیں گے'' ...... افضل بھائی نے مشورہ دیا۔

''سستے پتھر نہیں سنگ زبانی کے کام نہ آئیں سوچ کر بتائیں'' ...... اس پر وہ خوب ہنسے۔

آنند نے کسی ایسی جگہ سے بس نکالی کہ ایک بڑے سے اسٹور کے سامنے جا کھڑی ہوئی یہ پتھروں کے تراش خراش کی انڈسٹری تھی اندر داخل ہوئے تو دائیں ہاتھ پر لائن سے شیشے کے کیبن بنے تھے جن میں خواتین بیٹھی نہ جانے کیا گھس رہی تھیں آنند نے بتایا یہ ہیرے تراش رہی ہیں بڑے بڑے لوہے کے کالے توے تھے جو تیزی سے گھوم رہے تھے اور خواتین لوہے کی چمٹیاں اس پر رگڑ تی تھیں۔ ہم نے لاکھ دائیں بائیں طرف سے جھانک کر دیکھا ہمیں ہیرا نظر نہیں آیا۔ خواتین کو ہیرا نہیں کہہ سکتے تھے کیا پتہ تھائی زبان میں ہیرا برا لفظ ہو اور خواتین ناراض ہو جائیں پھر کون مناتا پھرے گا۔

آنند نے کئی بار پوچھا تو ہم نے اقرار کر لیا کہ ہیرا کٹتا دیکھ لیا ہے اس کے بعد اوپر کی منزل میں جانا تھا زینے کے پاس استقبالی مشروب مفت تھا اس لئے ہم نے ایک نہیں دو گلاس نوش جان کئے اور اوپر پہنچے سیڑھیوں کے دونوں طرف شیشے کی بند الماریوں میں بھی مختلف رنگوں اور نمونوں کے پتھر چمک رہے تھے۔ خواتین ان پر فدا ہو رہی تھیں ساتھ قیمت بھی امریکی سکے میں درج تھی اسے دیکھ کر سب آگے بڑھ رہے تھے پہلی منزل پر شیشے سے شوکیسوں میں دنیا بھر کے پتھر رکھے تھے جو جگہ جگہ سے آتے ہیں ہمارے ہمسائے ہندوستان کے پتھر بھی رکھے تھے۔

ایک خاتون نے پوچھا ''پاکستان سے پتھر نہیں آتا'' ...... آنند نے مسکرا کر انکار کر دیا اور ہماری طرف دیکھا تو ہم نے بتایا پاکستان کسی پر پتھراؤ نہیں کرتا وہاں سے پھول آتے ہیں یا ہم جیسے سیاح۔ آنند خوش ہو گیا مسکرانے لگا بنکاک مسکراہٹ کی سرزمین ہے۔ خواتین پھر پتھر پر نثار تھیں کیلکولیٹر سے قیمت نکال کر افسوس کر رہی تھیں بھائی افضل بھی کئی پتھروں پر فدا ہو رہے تھے۔

ایک پتھر ہمیں بھی پسند آیا بالکل ایسا محسوس ہوتا تھا چیتے کی آنکھیں چمک رہی ہیں ایک کارڈ پر

اس کا نام دیکھ تو نائیگر آئی تھا ایک بلی کی آنکھیں بھی تھیں یہ سارے پتھر چاندی سونے کے لباس کے بغیر نہایت مہنگے تھے شمیم بھابی نے ہار نکلوائے اور پہن کر دیکھے اس وقت بھائی الیاس کی حالت قابلِ دید تھی دل میں طے کر رہے ہوں کہ زندگی میں آئندہ کبھی سفر کیا تو اکیلے کریں گے ان کے ہائیں ہائیں کرنے کے باوجود کئی ہزار بھات جیب سے نکل کر بنکاک کے خزانے میں چھپے گئے بھابی فاتح کی حیثیت سے ادھر ادھر دیکھنے لگیں لیکن سب فتوحات میں مشغول تھے بھائی محمد افضل اور بھابی فرحت جس انہماک سے شوکیس سے لگے بیٹھے تھے اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ آج دکان خالی ہو جائے گی۔ ہم ان کے نزدیک پہنچے تو دیکھا بھائی افضل کے ہاتھ میں تین سرخ رنگ کے پتھر ہیں اور یہ ان پر ہزار جان عاشق ہو رہے ہیں ہمیں دکھا کر خوشی سے بولے ''یہ ریڈ سفائر ہے میں نے اپنی زندگی میں اس سے زیادہ خوبصورت اور اتنا بڑا پتھر نہیں دیکھا اور قیمت بھی صرف پینتالیس امریکی ڈالر'' ہم نے ہاتھ میں لے کر دیکھے سرخ شیشے کے تین ٹکڑے۔

''آپ کے پاس ایک اور ہوگا...... بھائی افضل تھائی لڑکی سے بار بار کہہ رہے تھے اور وہ ظالم انکار کر رہی تھی اس عرصے میں بھابی فرحت دو در چار ٹیڑھے لمبے گول پتھروں کا سودا کر چکی تھیں آخر کو جوہر شناس کی بیوی تھیں ان کی آنکھیں بھی پتھروں کو پہچانتی ہوں گی۔ افضل بھائی کو چوتھا پتھر نہیں ملا تو انہوں نے تین ہی خرید لئے۔

رضیہ ہر پتھر پر لوٹ پوٹ ہو جاتی روبی کے لئے تو ضد کرنے لگی اسماعیل سمجھانے لگا ''ابھی اپنے کو سنگاپور جانا ہے اور شاپنگ بھی کرنی ہے پھر کیا پتہ پتھر جعلی ہو''۔

''جعلی نہیں ہے افضل انکل سے پوچھ لوں گی'' رضیہ مچل رہی تھی ہم اور آگے بڑھے فاطمہ حسرت سے ایک ہار کو دیکھ رہی تھی نگہت شبیر لوٹیا کو کانوں کے ٹاپس دکھا رہی تھی روبی بھابی ایک انگوٹھی سودا کر رہی تھیں۔

اچانک ہمیں احساس ہوا کہ ایک سیڑھی اوپر کی طرف بھی جاتی ہے جو راستہ اوپر جاتا ہے ہم اس پر چڑھ گئے یہاں نہ ہیرے تھے نہ جواہرات لیکن ہیرے جواہرات جیسی لڑکیاں تھیں اور جوہر شناس نادر انہیں دیکھ کر تڑپ اٹھا۔

''پارٹنر میرے لئے ٹائی پسند کر دیں''...... اس منزل پر تھائی سلک کی بنی ٹائی قمیص ڈاک کے ٹکٹ و یو کارڈ ملتے تھے ٹائی کی تک تو سمجھ میں آئی کہ زیادہ خرچ کر دیا تو اب گردن میں اس قسم کے پھندے کی ضرورت ہوگی۔ قمیص اور ڈاک کے ٹکٹ بکنے کی منطق نہ جانے کیا تھی۔ ''اگر صرف ٹائی کی بات ہے تو پسند کر دیتے ہیں باقی کام تم خود سرانجام دو''۔ ہم نے نادر کے گرد لڑکیوں کو دیکھ کر کہا۔

نادر کا مقدر خراب تھا ہمارے بعد اور لوگ بھی زر و جواہر کے دیدار کی لالچ میں اوپر چڑھ آئے اور نادر کے رنگ میں بھنگ پڑ گیا۔ تھائی لڑکیوں کی توجہ اکیلے گاہک پر تھی وہ بٹ گئی تھائی ٹائی سستی تھی یا ہمیں محسوس ہوئیں اس لئے جب تھائی لڑکی اس کی مدد کو بڑھی اور قمیص ہاتھ میں لے کر نادر لڑکی کو اپنے پروگرام سنانے لگا آہستہ آہستہ سرگوشیوں میں لڑکی نہ جانے کیا سمجھ کر اقرار میں سر ہلاتی رہی اور اگر صرف ہلانا ''ہاں'' کہنا ہے تو نادر کامیاب ہو گیا افضل بھائی اور فرحت بھابی بھی اوپر آئیں لیکن یہاں انہیں کوئی کام کی چیز نظر نہ آئی۔ جب آنند کو یقین ہو گیا کہ جیب اور پرس خاصی حد تک ہلکے ہو گئے ہیں تو اس نے واپسی کا اعلان کیا۔ نچلی منزل میں ادائیگی کے ساتھ حکومت کی جانب سے پتھروں کے اصل ہونے کا سرٹیفکٹ بھی دیا جاتا تھا پہلے بھابی شمیم نے ادائیگی کر کے اپنی پسند کا ہار لیا پھر بھائی افضل کاؤنٹر پر آئے اور ہم سب پر حیرت کا پہاڑ ٹوٹا کہ ان کے خریدے ہوئے بیشتر پتھر اور خاص طور سے ریڈ سفائر نقلی تھے اور کاؤنٹر والے نے سرٹیفکیٹ دینے سے انکار کر دیا۔

جوہر شناس محمد افضل خود حیران کھڑے تھے کہ

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

فلوٹنگ مارکیٹ کی سیر اور پھر بیاں اپنا

جمیل احمد صدیقی ہمارے دوست ہیں شہر میں کتنے لوگ ہیں جو ان کی دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ ان کے دفتر میں احباب کا مجمع نظر آتا ہے۔ چائے کافی کھانا اور کام ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ کسی دوست نے اشارہ کیا انہوں نے کام کر دیا۔ جب ہم ملک سے باہر جاتے ہیں' یہ بے حد خوش ہوتے ہیں۔ ہندوستان گئے تو ان سے کئی سفارشی خط لے گئے اور ہندوستان میں لطف اٹھایا۔ جب ہمارے بنکاک جانے کا شور ہوا۔ سب سے پہلے ان کا فون آیا۔ پوچھنے لگے'' بنکاک میں کیا دیکھو گے۔'' ہم نے جواب دیا: '' جو نظر آیا اور جو نظر نہیں آیا۔''

'' میں بتاؤں گا کیا دیکھو۔ تم آؤ گے یا میں آؤں!''

ہم نے کہا: '' ایک ہی بات ہے۔ ہم آجاتے ہیں''۔ دفتر پہنچے تو کئی دوست بیٹھے تھے۔ جمیل نے سب کو فارغ کیا صوفے پر ہمارے پاس آبیٹھے اور خوشی سے بولے: '' یار بنکاک کی فلوٹنگ مارکیٹ ضرور دیکھنا۔ بڑی رومانٹک چیز لگتی ہے۔''

'' تم نے دیکھی ہے؟'' ہم نے پوچھا۔

'' نہیں اس کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔''

ہم نے وعدہ کیا۔ اور جمیل احمد صدیقی کے دفتر سے اٹھے تو بے انتہا خوش تھے انہوں نے

بنکاک سے کوئی تحفہ لانے کی فرمائش نہیں کی تھی۔

بابل ہوٹل میں دوپہر کے کھانے کے بعد آنند نے اعلان کیا'' کل صبح فلوٹنگ مارکیٹ کا پروگرام ہے۔ جو جانا چاہے دس امریکی ڈالر جمع کرا دے۔'' ہمیں جمیل صدیقی کی فرمائش یاد آگئی سب سے پہلے اپنا نام لکھا دیا۔ ہمارے ساتھی دس ڈالر کا سن کر دائیں بائیں ہونے لگے۔ بعض نے سوچا کل بنکاک میں آخری دن ہے۔ صبح فلوٹنگ مارکیٹ شام کو روز گارڈن۔ دوپہر کو کھانا۔ شاپنگ کے لئے وقت کہاں ملے گا۔ کچھ نے امریکی ڈالر کو بھات سے ضرب دیا اور خاموش ہو گئے۔ تیس میں سے بارہ فلوٹنگ مارکیٹ دیکھنے پر تیار ہوئے۔ رات کے کھانے سے پہلے دس۔ سیڑھیوں سے اترتے وقت چھ رہ گئے۔ آنند نام کاٹتے اور لکھتے تھک گیا۔ ہوٹل سے صبح ساڑھے چھ بجے روانگی تھی ہمیں یقین تھا کہ صبح جانے والوں میں ہم تنہا ہوں گے لیکن جمیل احمد صدیقی اتنا پیارا دوست ہے اس کے لئے تنہا بھی جایا جا سکتا ہے۔

زرد پائن ایپل اور سیاہ کافی سے ناشتہ کر کے استقبالیہ میں پہنچے تو گاڑی تیار تھی۔ پہلے نتاشا مرزا اور کامران مرزا آئے۔ اس کے بعد شبیر لوٹیا اور نگہت۔ آخر میں بھائی جوہر شناس محمد افضل۔ انہیں دیکھ کر ہم خوش ہو گئے۔ دو جوڑوں کے درمیان ہم اکیلے تھے اب ہمارا جوڑا بھائی محمد افضل کے ساتھ بنا۔ ہائے رے قسمت ہماری یا ان کی! فرحت بھابی نہیں آئیں' بھلا سبزی اور پھل کون خریدتا ہے بس چلی تو سات بجے تھے۔ لوگ کم تھے اس لئے جلدی چل پڑے۔ ہم اور بھائی افضل ساتھ بیٹھے تھے۔ لیکن نہ وہ تعمیرات پر بات کر رہے تھے نہ ہیروں پر۔ شاید کل آنکھوں کے دھوکے پر شرمندہ تھے۔ سڑکیں گاڑیوں سے بھری تھیں۔ پولیس والے مستعد کھڑے تھے۔ ایک ٹریول ایجنٹ کی دکان کے باہر اردو میں بورڈ لگا تھا۔ '' سیاحوں کے لئے خصوصی رعایت'' دیارِ غیر میں اردو دیکھ کر جو خوشی ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔

آدھے گھنٹے میں ہم ساحل پر پہنچ گئے۔ جہاں ایک رنگین خوبصورت کشتی ہمارا انتظار کر رہی تھی۔ ہم کود کر اور خواتین اپنے شوہروں کے ہاتھوں کے سہارے کشتی میں سوار ہوئیں۔

اس قسم کی کشتیاں خاص مہمانوں کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔ آنند کشتی چلانے والے کے پاس جا بیٹھا۔ ذرا دیر میں دونوں طرف سفید سفید جہاز آ گئے۔ اس کے بعد کھلا سمندر۔ دائیں

26 Westridge I Rawalpindi

۱۳/فروری 91ء

Shafiqur Rehman, H.I.(M)

MBBS(pb), DPH (Edin), DTM & H (Eng), FCPS (Pak)

Surgeon Rear Admiral (Retd)

''چلا مسافر سنگاپور'' ایک واقعاتی سفرنامہ ہے۔ اس میں مسافر زمین سے پیوست رہتے ہوئے اپنے سفر کے مشاہدات اور تجربات کو بے ساختگی کے ساتھ بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ اندازِ تحریر سے بے تکلفی کے ساتھ ساتھ اپنی اہمیت کا احساس نمایاں ہے۔

زبان و بیان کی روانی حالات و واقعات کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ سفرنامے میں مناظر تیزی سے بدلتے ہیں مگر اس کے باوجود آپس میں جُڑے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ منظر کشی میں جاذبیت ہے، قاری اس میں محو ہو جاتا ہے۔

مجموعی طور پر یہ ایک دلچسپ سفرنامہ ہے۔

شفیق الرحمٰن

طرف شنگھر یلا تھا۔ بنکاک کا سب سے مہنگا اور خوبصورت ہوٹل۔

ہمارے دوست ڈاکٹر شاکر علی نے بنکاک جاتے وقت ہدایت کی تھی کہ ہم موقع ملتے ہی دریائے کوائی پر برج ضرور دیکھیں۔ ہم نے فلم برج اون دی ریور کوائی دیکھی تھی۔ وہ اچھی تھی اب صرف برج دیکھنے کا کیا فائدہ تھا لیکن ڈاکٹر صاحب کی خوشی ہماری خوشی ہے۔ اس لئے سپر ٹریولز والے مجاہد سے پوچھا۔ اس نے کہا ''آپ جب فلوٹنگ مارکیٹ جائیں گے تو اسی پل کے نیچے سے گزریں گے۔'' اچانک ایک بڑا سا پل نظروں کے سامنے آگیا ہم نے فوراً اندازہ کر لیا کہ یہ برج اون دی ریور کوائی ہے۔ اور اپنے ہمسفر کو بتا دیا۔ انہوں نے حیرت سے دیکھا۔ وہ ایک تاریخی پل سے گزر رہے تھے۔ کامران مرزا اور شبیر لوٹیا نے کھٹا کھٹ تصویریں بنا ڈالیں سب خوش ہو گئے۔ پل کو اچھی طرح دیکھنے لگے۔ فلم یاد کرنے لگے۔ اسی لمحہ آنند نے بتایا ہم جس دریا سے گزر رہے تھے وہ چاؤ پیا تھا اس بیان پر ہم خاموش ہو گئے جس پل کے نیچے سے گزر رہے تھے ظالم وہ پل نہیں تھا جس کا ہم نے اعلان کیا تھا۔ سب نے ہماری طرف منہ موڑ لیا۔ اور ہم نے آئندہ اپنے معلومات کے خزانے نہ لٹانے کا عہد کیا۔

پانی بنکاک والوں کے لئے دیوتا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے۔ پانی نہ ہو تو یہ دنیا ویران ہو جائے۔ اسی طرح بڑے قدرآور درخت بھی طاقت کا سرچشمہ ہیں۔ فصلوں میں چاول زیادہ اہم ہے۔ اس لئے دریا' درخت اور چاول کی عبادت کرتے ہیں۔ مکان بنانے سے پہلے' چاول کی کٹائی کے وقت عبادت کرتے ہیں۔ جشن مناتے ہیں نومبر کے مہینے میں جب چودھویں کا چاند آسمان پر نمودار ہوتا ہے تھائی لینڈ کی حسین لڑکیاں اپنے بالوں میں سرخ پھول سجائے لبوں پر ان دیکھے دیوتاؤں کے گیت گاتی ہیں کیلے کے پتوں میں سفید نیلے اور سرخ پھولوں کو سجا کر دریا میں بہاتی ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ ساحل پر چلتی رہتی ہیں۔ چاند کی دودھیا روشنی سے پھول اپنی خوشبو کے ساتھ دریا میں تیرتے رہتے ہیں۔ پھر کوئی لہر انہیں چومتی ہے اور اپنے آغوش میں چھپا لیتی ہے۔ برسوں سے یہ رسم چلی آ رہی ہے۔

پانی کا طاقت سب مانتے ہیں چاؤ دریا میں نہ جانے کب چپکے سے سمندر آ ملتا ہے۔ پھر یہ دونوں مل کر ایک ہو جاتے ہیں۔ بائیں طرف پانی میں لکڑی کے مکان بنے ہیں۔ ان میں زندگی کی

ہر سہولت ہے۔ غریب اور بے آسرا لوگوں کی یہ بستی ہے۔ یہ مکان ہر وقت ہلتے رہتے ہیں۔ پانی کی لہریں انہیں ادھر ادھر لرزاتی رہتی ہیں۔ غریبوں کی زندگی کی طرح ہم نے سوچا لوگ ان میں کیسے رہتے ہوں گے۔ آنند نے بتایا۔ اب یہ ٹھوس زمین پر سکون سے نہیں رہ سکتے۔ ان کی خوراک مچھلی اور چاول ہے۔ دائیں طرف ایسے مکان بنے تھے جن کا ایک حصہ خشکی پر تھا۔ یہ غریبوں میں شمار نہیں ہوتے ان کے دروازے کے پاس کشتیاں پارک تھیں۔ یہ بارش سے پانی حاصل کرتے ہیں۔ بڑے بڑے ٹینک چھتوں پر لگے ہیں جو ہر وقت آسمان پر بادلوں کو دیکھتے رہتے ہیں کب یہ برسیں اور ان کے دامن بھر جائیں۔ ان گھروں میں ناریل آم اور کیلے کے لاتعداد درخت ہیں۔ دسمبر کے مہینے میں۔ آم کے درختوں میں کیریاں لگی تھیں کیلے کے ناریل کے گچھے لدے تھے۔

پھر اچانک ایک سمندری تنگ گلی میں داخل ہو گئے۔ اس کے دونوں طرف لکڑی کے مکان تھے۔ بڑوں کے لئے کشتیاں اور چھوٹوں کے لئے ننھی منی کشتیاں جیسے ہمارے ہاں بچے سائیکلوں پر سیر کو نکلتے ہیں۔ یہاں کشتیوں میں یہ رسیوں سے اوپر بندھی ہوتی ہیں۔ رسی کا ایک سرا پکڑا اور کشتی پانی میں اتر آئی۔ اس میں کودے۔ دو چپو چلائے اور سفر پر روانہ۔ دھوبی ایک کشتی میں کپڑے لا رہا تھا۔ لے جا رہا تھا۔ پھر کشتی کے چاروں طرف کشتیاں آ گئیں۔ ان میں پھلوں اور سبزیوں کی دکانیں تھیں۔

تر و تازہ بھرے پھل اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والے پھول اور ان کے درمیان سر پر بڑے بڑے ہیٹ لگائے تھائی حسن کے نمونے۔ ان کے مسکراتے ہونٹ چمکتی آنکھیں دمکتے گال اور بے چین ہاتھ زندگی میں اس سے اچھا منظر شاید پھر دیکھنے کو نہ ملے۔ ہم نے اپنے دوست جمیل احمد صدیقی کا شکر ادا کیا۔ وہ نہ ضد کرتے تو ہم کب اس تیرتی ہوئی مارکیٹ میں آتے۔

ایک کشتی میں ناریل اور چھلکتی تھائی لڑکی۔ مجبور ہو کر بھائی محمد افضل نے دو ناریل خریدے۔ پیسے انہوں نے دیئے وصول ہم نے کئے۔ آسٹرا ڈال کر ایک گھونٹ لیا تو تازگی اور لذت منہ میں بھر گئی۔ آنکھیں یوں بھی خوش تھیں۔ ''سر کیلا۔ پائین ایپل'' آواز سے کان بھی مطمئن ہو گئے۔ بعض کشتیوں میں ٹھنڈے مشروب بھی تھے۔ ہر رنگ کی سبزیاں تھیں اور لڑکیوں کی فرمائش ''خرید لیں۔ لوٹ لیں'' اکیلے ہوتے۔ کوئی دیکھ نہ رہا ہوتا تو شاید سب کشتیوں اور ان میں لدے سامان کا

سودا کر لیتے لیکن سودائی دل کو سمجھایا کہ سبزیاں اور ہیں جو کھائیں گے اور یہ لڑکیاں اپنے گھروں کو لوٹ جائیں گی۔ کل دوسرے سیاحوں کو خوش کرنے اور بھات بٹورنے۔ آنند نے جب اطمینان کرلیا کہ حسب توفیق سب نے بی بیوں کی مدد کردی ہے تو کشتی آگے بڑھی لیکن کشتیاں بھی ساتھ ہولیں۔ ہمیں اس بات کی خوشی ہوئی۔ بلوچی اردو شاعر اور ہمارے دوست عطا شاد بلوچ کا ایک شعر یاد آ گیا۔

بڑا کٹھن ہے راستہ

جو آ سکو تو ساتھ دو

کیا خبر ان سب نے عطا شاد کی غزل سنی ہو اور نبھانے آ رہی ہوں۔

دو کشتیاں تو ہمارے ساتھ لگی لگی چل رہی تھیں نتاشا کامران نے بہت سی الائچی خرید لیں۔ دو ہمارے حصے میں بھی آئیں۔ الائچی دراصل ہمارے ہاں کی لیچی ہوتی ہے وہی ٹھنڈک وہی ذائقہ۔ ذرا بنکاک والوں نے اس پر نرم نرم کانٹے لگا دیئے ہیں۔ وہ ریشم سے ہوتے ہیں اچھے لگتے ہیں۔ کشتیوں کے سائے میں چلتے دور نکل گئے۔ اب چاروں طرف رنگ بجی سجائی کشتیاں نظر آنے لگیں۔ یہ کشتیوں کا بازار ہے۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ سب کشتیاں لڑکیاں اور عورتیں چلا رہی تھیں۔ مرد شاید سبزیاں اور پھل توڑ رہے تھے یا کشتیاں بنا رہے تھے۔

ایک جگہ کشتیاں رک گئیں دائیں طرف مارکیٹ بنی تھی لکڑی کے تختوں پر۔ دور تک دکانیں نوادرات پھل۔ سبزیاں اور لڑکیاں۔ یہاں آدھے گھنٹے رکنا تھا۔ یعنی شاپنگ کرنی تھی۔ لیکن ہم پر حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹا اس لئے کہ آنند نے بتایا "یہاں سے کوئی چیز نہ خریدیں۔ نہایت مہنگی ہیں" پھر احساس ہوا کہ ان لوگوں سے آنند کے مراسم ضرور خراب ہوں گے ورنہ ہمارے بھات اسے کب عزیز۔

دکانیں سیاحوں سے بھری تھیں۔ آنند نے زندگی میں شاید پہلی بار سچ بولا تھا۔ اشیاء کی قیمتیں سن کر ہاتھ لگانے سے بھی ڈر لگتا تھا۔ صرف باتھ روم مفت تھے۔ بھائی افضل نے یہاں بھی ناریل پانی پلایا۔ شکریہ ہم نے اناس خریدا۔ نگہت اور شبیر لوٹیا نے تھوڑی لوٹ مار کی۔ کامران نتاشا کی تصویر بناتا رہا۔ نئی نئی شادی ہو تو آدمی بے وقوف بنتا ہے یا تصویر بناتا ہے۔ ایک دکان پر مٹی کے

بنے خوبصورت پھل بک رہے تھے۔ ہم اور بھائی افضل پہنچے تو لڑکی نے گوتم بدھ کی قسم کھائی کہ ہمارے ہاتھ کچھ نہ کچھ ضرور فروخت کرے گی۔ اس لئے بہت سے پھل خریدنے پڑے۔ آنند نے کہیں سے جھانک کر دیکھ لیا اور شور مچا دیا۔

واپسی کا سفر شروع ہوا تو پہلے نتاشا مرزا اور پھر نگہت لوٹیا نے الائچی اور اناس کھلایا۔ دونوں طرف لکڑی کے مکانوں سے نکل کر کھلے سمندر میں آ گئے تو دیکھا بحری پولیس سیٹیاں بجا رہی ہے اور ہماری طرف آ رہے تھے۔ ہم حیران ہو کر اپنی ہمسفر خواتین کو دیکھنے لگے ان کو دیکھ کر بحری پولیس سیٹیاں کیوں بجا رہی ہے۔

بحری سپاہی سیٹیاں بجاتے ہماری کشتی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ہم پریشان ہو کر ساتھ سفر کرنے والی خواتین کو دیکھنے لگے۔ بنکاک میں کیا ہوتا ہے؟ خواتین قطعاً پریشان نہیں تھیں۔ انہیں شاید خطرے کا احساس ہی نہ تھا۔ بحری سپاہیوں کی کشتی نزدیک آئی اور ہماری کشتی روک دی گئی۔ سپاہی کود کر ہماری طرف بڑھے۔ ہم نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ بات سمجھ میں آ گئی یہ سب ہم سے ہاتھ ملانے اور ملنے آئے تھے۔ آخر شہرت بھی کوئی چیز ہے۔

پھر خیال آیا اپنے یار عزیز احمد صدیقی نے ہمیں مرعوب کرنے کے لئے انتظام کیا ہے۔ شاید اس لئے اصرار کیا ہو کہ ہم فلوٹنگ مارکیٹ دیکھنے جائیں تو یہ اپنا کمال دکھائیں جو بحری سپاہی سامنے آیا اس نے ہاتھ تو ملایا لیکن اس میں خلوص اور محبت سے زیادہ قانون جھلک رہا تھا۔ بلکہ ہاتھ سے زیادہ ہتھکڑی محسوس ہوا ہم سے بات کئے بغیر وہ کشتی کے اگلے سرے پر چلے گئے اور ایک خالی جگہ سے جھک کر تڑ مڑا وہ کاغذ اٹھایا جو ہم نے الائچی کھا کر ہاتھ پونچھ کر سمندر میں پھینکا تھا اور ہوا کے جھونکے سے وہ کاغذ سمندر میں گرنے کے بجائے کشتی میں گر گیا تھا۔ انہوں نے کاغذ لیا اور آنند کو تھائی زبان میں کچھ کہا اور کود کر چلے گئے۔

ہم نے آنند سے پوچھا "اس کاغذ کے ٹکڑے میں پرانے زمانے کے خزانے کا نقشہ تو نہیں؟"

آنند ہنسنے لگا پھر بولا "خیر ہو گئی ورنہ جرمانہ ہو جاتا۔"

"تم پر جرمانہ؟" ہم نے حیران ہو کر پوچھا۔

''مجھ پر ہی سمجھ لیں''۔اس نے کہا'' آپ نے کاغذ پھینکا تھا وہ سپاہیوں نے دیکھ لیا اس لئے چلے آئے۔ ہوا کا شکر یہ اس نے کاغذ کشتی میں لا ڈالا ورنہ بھاری جرمانہ ہوتا۔ یہاں سمندر میں کچھ پھینکنا جرم ہے۔''

ہم حیران رہ گئے الائچی کا سارا مزہ جاتا رہا جیب میں ہاتھ ڈال کر بھات گننے خدا کا شکر ادا کیا بچ رہے لیکن دل میں عجیب سی بے چینی محسوس کی سمندر کا پانی منہ چڑاتا ہوا لگا نگہت' شبیر لوٹیا' نتاشا مرزا کامران اور بھائی جوہر شناس افضل ذرا سی دیر کو سہم گئے۔

بحری سپاہیوں کی کشتی سمندر کا پانی اڑاتی دور چلی گئی۔ بائیں طرف ایک بڑا سا مندر نظر آیا پوچھنے پر معلوم ہوا یہ سانپوں کا مندر ہے۔ بھانت بھانت اور رنگ برنگے رینگتے پھنکاریں مارتے سانپ آنند کشتی کنارے لے جانے لگا ہمیں سانپوں سے ڈر لگتا' صرف اس سانپ سے خوفزدہ رہتے ہیں جو آستین میں گھس آتا ہے۔ جہاں سیکڑوں سانپ ہوں وہاں ایک آدھ اندر گھس آئے تو کون روکے گا۔ ہم اس مندر میں جانے سے جھجکے تو سب کے ارادے جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔ بھلا سانپوں کا کیا دیکھنا آنند کے تعلقات بھی یہاں اچھے نہ تھے اس لئے سب کے مشورے سے آگے چل پڑے۔

دائیں طرف لکڑی کے بنے پانی میں جھولتے گھر نظر آنے لگے۔ ان میں رہتے لوگ غربت کا اعلیٰ شاہکار تھے ہم ان کے پاس سے گزر گئے۔ کشتی پوری رفتار سے بھاگی جارہی تھی' سمندر کی ہوا خوش گوار تاثر دے رہی تھی۔ لیکن دل میں ایک ارمان تھا۔ سمندر کے بل کھاتے پانی اٹھتی گرتی لہروں میں کوئی کاغذ ایک ڈبا ہونا چاہئے اگر ایسا نہ ہوا تو یہ وقت گزر جائے گا اور اس کا زخم ہمیشہ کسک دے گا یہ سوچ کر ہم نے چاروں طرف دیکھا دور دور تک کوئی نہ تھا۔ بادلوں سے ڈھکا آسمان سر پر چھایا ہوا تھا۔ یوتھ فل کا کارڈ راجھا ہوٹل کا پتہ چند لمحوں بعد سمندر کے پانی پر تیر رہے تھے۔ جوہر شناس بھائی افضل نے چونک کر دیکھا اور کشتی تیزی سے آگے بڑھ گئی اس کے زور میں جو پانی اچھلا وہ کارڈ اس پر رقص کر رہے تھے۔ ہمارا دل اطمینان کے ٹھنڈے پانی سے بھر گیا۔ بنکاک کے سمندر کا سر نیچا ہو گیا پھر بائیں جانب ایک خوبصورت سا مینار نظر آیا۔ کشتی اس طرف بڑھنے لگی یہاں گھاٹ بنا تھا دور تک دکانیں تھیں اس کے بعد

عمارتیں اور درمیان میں مندر کا عکس۔

آنند نے بولنا شروع کیا یہ ڈان ٹمپل ہے جو 67 میٹر بلند ہے۔ یہ اس بادشاہ نے تعمیر کیا جو بنکاک کا نجات دہندہ تھا اس نے غیر ملکی فوجیوں کو مار بھگایا تھا۔

کشتی کنارے سے لگی تو کود پھاند کر وہاں پہنچے۔ اڑنے والی تتلیاں بنکاک کے مناظر کے کارڈ اور ٹھنڈے مشروب والوں نے گھیر لیا ان سے دائیں بائیں ہو کر گزرے تو ایک عمارت میں داخل ہوئے جہاں گوتم بدھ کے مجسمے رکھے تھے ڈان ٹمپل بنوانے والے بادشاہ کا لکڑی کا تخت رکھا تھا جس پر وہ آرام کرتا تھا۔ ہمیں تو وہ دیکھ کر وحشت ہوئی اس پر آرام تو کیا بے آرامی ہوتی ہوگی۔ خیر یہ بات بادشاہ اور لکڑی کے بڑے سے تخت کے درمیان تھی۔

ذرا آگے ایک سادھو گیروا کپڑے پہنے دنیا کی راحتوں اور گوتم بدھ کے درمیان آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ ہمیں دیکھا تو مسکرانے لگا۔ بلکہ ازراہِ شفقت اپنی طرف بلایا لیکن ہم کب خوشیوں اور روشنیوں سے بھری دنیا چھوڑ کر اس کی طرف جاتے ہم نے دور سے انکار کر دیا زندگی سے ابھی اور لطف اندوز ہونا تھا ہم سے مایوس ہو کر نگہت اور نتاشا مرزا کو بلا یا وہ مارے عقیدت کے کھنچے چلے گئے۔ سادھو نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا ایک پیلے دھاگے میں بندھی سنہری مالا دی۔ پھر انتظار کرنے لگا کہ اس کے سامنے رکھی لوہے کی کڑاہی میں بھات ڈالیں نتاشا تو مالا لے کر بڑھ گئی شبیر لوٹیا نے چند بھات ڈال دیئے سادھو نے ایسی نظر سے دیکھا کہ اس کا بس چلتا تو مالا چھین لیتا لیکن وہ تو اہنسا کا پجاری تھا چپ رہا نتاشا مرزا خوش تھی جیسے زندگی کی ساری کامیابیاں اب اس کے قدم چوم لے گی اچانک اسے ٹھوکر لگی اور کامران مرزا نہ تھام لیتا تو سامنے گوتم کے بت سے ٹکرا کر کم از کم سر میں چوٹ کا نشان ضرور پا لیتی۔ زندگی میں دوسروں پر بھروسہ اور اندھا اعتماد کرنے والوں کے ساتھ اکثر ایسا ہوتا ہے۔

'' آپ نے مالا کیوں نہیں لی؟'' نگہت لوٹیا نے پوچھا۔

''ہمارے پاس زندگی کی مالا ہے۔ جس کے ہر دانے پر خوش قسمتی اور کامیابی کی مہر اللہ تعالیٰ نے لگائی ہے پھر اس مالا کی کیا ضرورت۔''

بھائی جوہر شناس افضل اور ہم باہر ٹہلنے لگے مندر کا کلس کئی منزلوں پر تھا اور لوگ چڑھ رہے

تھے اس کے بارے میں روایت ہے کہ جو اس پر چڑھا وہ جنت کے مینار پر چڑھا اس کی کئی منزلیں ہیں۔ لوگ ٹھہر ٹھہر کر چڑھتے اور اترتے ہیں ہم نے اس کی سیڑھیوں کو دیکھا اور وحشت ہوئی جنت یوں سیڑھیاں چڑھنے سے ملتی تو لوگ سب چھوڑ چھاڑ کر سیڑھیاں ہی چڑھتے رہتے پھر بنکاک میں ابھی دیکھنے کو بہت کچھ تھا اور ہمارے یارِ عزیز جمیل احمد صدیقی نے اس کلس پر چڑھنے کی ہدایت نہ کی تھی آج کی سیر انہی کے حساب میں تھی۔ اس لئے بھائی جوہر شناس سے مشورہ کیا اور انہیں بھی ہم خیال دیکھ کر دائیں بائیں گھومنے لگے۔

وہاں ننھے ننھے بوڑھے درخت نظر آئے یہ عمر میں بڑے تھے لیکن قد اور شاخیں ننھی منی تھیں اس علاقے سے لے کر جاپان تک ایسے درخت بنانے کا رواج عام ہے یہ خوبصورت لگتے ہیں۔ یہاں یہ اتنے خوبصورت تو نہیں لگ رہے تھے لیکن ہمارے لئے حیران کن تھے۔ اس کے بعد دکانیں بنکام کی سوغاتیں بنکاک کی خواتین اور ہمارے بھات لیکن یہ ایک سہانا دن تھا ایک تو بھابی شمیم نہیں تھیں اور سونے پر سہاگہ کہ فرحت بھابی نہیں تھیں اب ان تیموں کے سر پر کون ہاتھ رکھتا ان کے چولہے گرم رکھتا اس لئے دکان سے دکانوں تک آگے بڑھتے رہے اور دل نہ پسیجا ہاتھ جیب تک نہ پہنچا یہ سب محروم رہ گئے ہائے ان کا مقدر بس ہم نے ایک ایک ناریل پانی خریدا اور پی گئے۔

دکانوں سے باہر نکلے تو ہاتھوں میں جاپان کے چھلے چھتریاں ٹوپیاں لئے لڑکوں اور لڑکیوں نے آگھیرا لیکن ہم نے تو جیسے گوتم بدھ کی قسم کھائی تھی اس لئے ایک گرم دوپہر ہم جیت گئے اور ٹمپل آف ڈان کی ساری دکاندار ہار گئیں۔ آنند بھی زیادہ فکرمند تھا۔ لیکن ہائے رے بنکاک والوں ایک طرف سے شبیر لوٹیا برآمد ہوئے تو ہاتھ میں اڑنے والی تتلیاں تھیں نتاشا مرزا بھی دو کارڈ خرید لائی تھی۔ اب گھاٹ پر جا کھڑے ہوئے ہماری کشتی دور لائن میں کھڑی تھی اسے آنے میں دیر لگی لیکن سورج کو سر جلانے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ کشتی میں کودے تو اس کے سائے میں فرحت تھی۔

واپسی کا سفر شروع ہوا سمندر سے ایرکنڈیشن بس میں آئے تو انسان کے موسموں پر اختیار کی داد دینی پڑی پھر وہی سڑکیں اور وہی بازار دکانیں اور آخیر میں بابل ہوٹل گرم کھانا لذیذ سویٹ ڈش اور فلوٹنگ مارکیٹ کا بیان جسے سن کر آنند پریشان ہو رہا تھا کہ اس کے ساتھ ہم نے کیا دیکھ لیا

نادر کو پریوں کی کہانی، فہیم کو ڈسکو میوزک کا شور، بھابی شمیم کو شاپنگ کی محرومی، رضیہ کو چاکلیٹ کی دوری غرض دیر میں سب ہمارے گرد جمع تھے اور اس بات پر کفِ افسوس مل رہے تھے کہ زندگی کا بڑا لطف کھو دیا کسی مسرت سے ہمکنار نہ ہوئے۔ نتاشا مرزا کامران مرزا مسکرا رہے تھے شبیر لوٹیا اور نگہت ہماری ہاں میں ہاں ملا رہے تھے اور بھائی جوہر شناس ہمارے پہلو میں بیٹھے سر ہلا رہے تھے سب کو احساس ہوا کہ بنکاک کا مطلب ہے فلوٹنگ مارکیٹ اور کیونکہ وہ دیکھ نہیں سکے اس لئے بنکاک دوبارہ آنا چاہئے ورنہ یہ سفر یہ تفریح یہ سیر نامکمل رہے گی۔ ہماری گفتگو اردو میں تھی اس لئے آنند کو کیا خبر کہ ہم کیا قیامت ڈھا رہے تھے اور غلطی سے کوئی آنند سے پوچھ لیتا تو اپنے انگور کون کھٹے کہتا ہے۔

کھانا کھا کر ایک گھنٹے آرام اور پھر روز گارڈن کو روانگی تھی اور یہی بنکاک میں قیام کا آخری پروگرام تھا اس کے بعد بنکاک کو الوداع کہا سیاحوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے وقت موسم منظر رنگ انہیں کوئی بھی نہیں روک سکتا یہ آگے بڑھتے رہتے ہیں۔

روز گارڈن کے دروازے پر لڑکی نے ہاتھ پکڑ لیا

بنکاک میں آخری دو پہر ڈھلنے لگی۔ سہ پہر کو روز گارڈن جانا تھا۔ وہاں جانے کے لئے دل سے کوئی تیار نہ تھا۔ سب بازار سے شاپنگ کو آخری ٹچ دینا چاہتے تھے۔ خاص طور سے بھابی شمیم سخت پریشان تھیں۔ آخری شام بغیر کچھ خریدے۔ بھات خرچ کئے گزر جائے گی یہ کیسا اندھیرا؟ کیسا المیہ ہے؟ ہمارا خیال ہے اگر بھابی شمیم کو حکومت پاکستان سفارت خانے میں افسر تجارت یا عوامی رابطہ متعین کردے تو چند ماہ بعد تھائی حکومت پاکستان سے تعلقات توڑ لے گی کیونکہ دکانداروں کی مخالفت کون برداشت کرتا ہے۔

چند دنوں میں راجھا ہوٹل کے آس پاس کی دکانیں سرشام بند ہونے لگی تھیں۔ ٹھیلے والے انہیں دیکھ کر اپنے ٹھیلے بھگا کر لے جاتے تھے۔ ایک دن تو عجیب منظر ہوا۔ شمیم بھابی دو چار راہ گیروں کی آڑ میں ایک ٹھیلے والے کے سر پر جا پہنچیں وہ غریب شاید گوتم بدھ کے تصور میں تھا۔ انہیں ٹھیلے اور اشیاء کے نزدیک دیکھ کر اس درجہ گھبرایا کہ ٹھیلا بھگاتے وقت زمین پر گر گیا۔ ٹھیلہ بھی الٹ گیا۔ اب بجائے اس پر رحم کھانے اور ہمدردی کرنے کے بھابی زمین سے گری ہوئی اشیاء اٹھا اٹھا کر اس سے مول تول کرنے لگیں اس غریب سے اور کچھ تو نہ بن پڑا بس اٹھ کر ایسا بھاگا کہ صفحۂ بنکاک سے غائب ہوگیا۔ شہر کے بڑے بڑے شاپنگ سینٹر پر بھی ان کے مول تول کا اثر پڑا۔ بھائی

الیاس بھی اداس اداس رہنے لگے اب انہوں نے ڈالر اور پونڈ کی گنتی چھوڑ دی' بے وفا کس گنتی میں ہوتے ہیں۔

ہم بھی روز گارڈن جانا نہیں چاہتے تھے۔ آنند کے قول و فعل کا اعتبار اٹھ گیا تھا۔ ظالم باغ باغیچہ دکھانے کے بہانے مصنوعی سمندر دکھالایا۔ سیر و تفریح کے بہانے شاپنگ سینٹر میں دھکا دے دیتا تھا۔ پھر مسلمان لڑکی فاطمہ سے عشق کر رہا تھا ویسے بھی روز دیکھا یا گارڈن بات ایک ہی ہے ہمیں دلچسپی تھی روز جیسے چہرے سے آنند کو اشارے کنایوں میں بتایا تھا کھل کر بات کرنے کی نہ ہمت تھی نہ موقع۔ خیر اپنے اپنے مقدر کی بات ہے۔ کچھ تو لوگ بھات زیادہ خرچ کر چکے تھے کچھ بنکاک کی گرمی میں روز دیکھ کر دل تر و تازہ کرنا چاہتے تھے اس لئے ہر شخص مجبوراً جانے پر آمادہ ہوگیا۔ آنند نے بار بار تاکید کی' سب ڈیڑھ بجے چل نکلیں گے۔ ڈیڑھ گھنٹے کا راستہ ہے ساڑھے تین بجے شو شروع ہوجاتا ہے۔ تب معلوم ہوا' وہاں کوئی شو بھی ہوتا ہے ہمیں کیا اعتراض تھا جو چاہیں دکھائیں ابھی آنکھوں میں روشنی باقی ہے کان بھی ٹھیک کام کر رہے ہیں۔ دانت بھی ہڈیاں وغیرہ توڑ لیتے ہیں اس لئے یہ دیکھنا سننا کھانا ہمیں پسند ہے۔

آنند نے کھانے تک انتظار کیا۔ سویٹ ڈش کا آخری لقمہ منہ میں رکھا تو اس نے سب کو گرفتار کیا اور بس میں بٹھا دیا۔ ہر شخص نے شور کیا۔ کھانے کے بعد قیلولہ' آرام' ہاتھ روم کا بہانہ کیا۔ لیکن آنند آج ہٹلر بنا ہوا تھا اس نے ہوٹل بابل کے ہاتھ روم کا راستہ دکھایا۔ آرام کے لئے بس کی سیٹ پیش کی......اور روانگی ہوگئی وہی سڑکیں۔ بنکاک میں ایک سڑک ہے سکھومت روڈ' سیدھی شہر کے بیچوں بیچ گزرتی ہے۔ سب سے مشہور اور بڑے ہوٹلوں کو جاتی ہے۔ ہمارے بنکاک جانے اور اس سڑک پر چہل قدمی کے بعد زیادہ ممتاز ہوگئی ہے۔ کیونکہ اب شناخت ہم ہیں یہیں سے پنکی کی دکان آتی ہے۔ اس پر بابل ہوٹل ہے۔ سکہ پہنچانے والی سکھنی کی درزی کی دکان اور اسی سے چل کر راجھا ہوٹل آتا ہے۔

آنند بہت دیر اس پر گاڑی چلواتا۔ ہماری معلومات میں اضافہ کرتا رہا اور ہم اپنے خوابوں میں سوتے رہے۔ چونکتے رہے۔ ڈیڑھ گھنٹے کا راستہ تھا ایک جگہ پارک نظر آیا اس کا نام لوم پنٹ پارک ہے۔ گوتم بدھ نیپال میں ایک جگہ لوم پنٹ میں پیدا ہوا تھا۔ اس پارک کا نام اسی مناسبت

سے رکھا ہے۔ بدھا کی ساری زندگی شانتی اور سکون کی تلاش اور تبلیغ میں گزری۔ اس پارک میں محبت کرنے والوں کے لئے شانتی اور سکون ہے۔ وہ کسی جھیل کے کنارے ایک حد تک نزدیک بیٹھ سکتے ہیں ظالم سماج اور ملکی قانون انہیں روک ٹوک نہیں کرتا۔ آنند تفصیل بتاتا رہا۔ اور ہم آنکھیں بند کر کے ایک جھیل کے کنارے جا بیٹھے آس پاس کسی کو شک تک نہیں ہوا۔

روز گارڈن آیا تو ہم قسطوں میں سو سو کر خاصے تر و تازہ ہو گئے تھے۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ بنکاک کا ہر شخص روز گارڈن پہنچا ہوا ہے دور تک گاڑیاں بسیں پارک تھیں۔ اندر داخل ہوئے تو ہاتھیوں نے سونڈ اٹھا اٹھا کر استقبال کیا۔ ان سے بچ کر نکلے تو بھابی شمیم قہقہے لگا رہی ہیں۔ دائیں طرف سامان سے بھرے پڑے دو سپر اسٹور۔ اب سمجھ میں آیا بھابی کی خوشی۔ اس کے آگے ٹھنڈے مشروب کی دکانیں اس کے بعد لمبا راستہ پھولوں سے ڈھکا محرابوں سے سجا نیچے پانی اوپر راستہ بطخیں تیر رہی ہیں۔ سامنے لائن سے دکانیں ظالموں نے یہاں بھی بھات بٹورنے کا سامان کر رکھا تھا۔

پہلی دکان میں ایک بوڑھی بیٹھی چرخہ کات رہی ہے۔ ایک بڑے سے برتن میں موتی جیسی شکل کی بڑی بڑی پھلیاں پڑی ہیں ان میں سے ہوا سے زیادہ باریک دھاگہ نکل کر پرسٹ پر لپٹ رہا ہے اس کا رنگ ہلکا پیلا ہے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا یہ ریشم کے کیڑے کے گھر سے ریشم کا دھاگہ نکالا جا رہا ہے۔ پھر اس منظر میں زیادہ دلچسپی پیدا ہو گئی۔ دیر تک دیکھتے رہے۔ ننھا سا کیڑا ہمارے تن کو ڈھانپنے کے لئے کتنی محنت کرتا ہے۔ اور ہم اسے برہنہ کر رہے ہیں۔ خیر یہ تو دنیا کا دستور ہے قراقلی ٹوپی بنانے کے لئے بھیڑ کے پیٹ کو چاک کر کے اس کا بچہ زندہ نکال جاتا ہے۔ تب اس کی کھال سے اصلی قراقلی ٹوپی بنتی ہے۔

اگلی دکان میں اسی ریشم سے تھائی سلک تیار ہو رہا تھا۔ اس کی قیمت پوچھ کر آس پاس دیکھا کہیں بھات چھپ رہے ہوں تو خرید لیں۔ یہاں سب کچھ بیچتے ہیں مول تول میں آدھی سے کم قیمت کر دیتے ہیں۔ دس بھات کا نوٹ آٹھ بھات میں نہیں دیتے۔ ہم نے اس پر کئی جگہ تکرار کی لیکن ضائع گئی بلکہ الٹا لوگ ہم پر ہنسنے لگے۔ دس کا نوٹ آٹھ میں کب ملتا ہے۔ حالانکہ بنکاک کے لوگ جب سب لٹانے پر آئے ہوں تو بے جان کاغذ کا ٹکڑا کیوں بچا کر رکھتے۔ تھائی سلک کی چمک دمک خوب تھی۔ ہمسفر خواتین ہاتھ پھیر پھیر کر دیکھ رہی تھیں۔ خوش ہو رہی تھیں اور مرد حضرات ادھر ادھر چھپ رہے تھے' اپنے بھات بچانے کے چکر میں۔

نوادرات کی دکانیں دکاندار لڑکیوں اور سامان سے بھری پڑی تھیں۔ اور وہ ہاتھ پکڑ پکڑ کر حضرات کو گھسیٹ رہی تھیں' اشیاء کی طرف۔ نادر کی عید تھی۔ اس کے منہ میں کتنی بار رال بھر گئی۔ اور اسے مجبوراً دکان سے نکل کر رال ٹپکانے ادھر ادھر کونے میں جانا پڑا! ایک بیہودہ سا طوطا۔ ایک نہایت گھٹیا ٹائی۔ ایک پیتل کا تمباکو رکھنے کا ڈبہ۔ نادر کے ہاتھوں میں تھا اور وہ تو شور ہوا کہ ہال کی طرف بھاگو ورنہ نادر وہاں بکنے والے پودے تک خرید لیتا۔ نادر بنکاک جانے والے مسافروں میں ایک بڑے ایوارڈ کا مستحق تھا۔ اس لئے کہ اس نے کسی لڑکی سے کبھی مول تول نہیں کیا جو قیمت اس کے شیریں لبوں سے نکلی وہ ظالم نے ادا کر دی بعد کو لڑکی پچھتاتی کہ کاش دگنی قیمت بتائی ہوتی۔

ہم سب بھاگ کر ایک گول سے لکڑی کے بنے ہال کی طرف گئے تو ہر طرف لائنیں لگی تھیں۔ یوں محسوس ہوا کہ سارا بنکاک امڈ آیا ہے۔ ہمیں اس قسم کے کھیلوں سے دلچسپی نہیں لیکن بھیڑ بھاڑ میں ایک آدمی کی مرضی کہاں چلتی ہے۔ اس لئے لائن میں لگ گئے۔ فہیم سا کرانی لپک کر کولڈ ڈرنک لے آیا۔ ''تم نے دوسری مرتبہ ہمیں کولڈ ڈرنک پلائی ہے اس آدھے گھنٹے میں'' ہم نے کہا ''ارے پہلے بھی آپ کو پلائی تھی میں سمجھا یہ میں آپ کو پہلی بار دے رہا ہوں''۔ وہ بولا اب مجبوری ہے ہم نے اسے منہ لگا لیا ہے اور جسے ایک بار منہ لگا لیں اسے عادتاً مروتاً نہیں چھوڑتے' میں ایک کولڈ ڈرنک اور لے آؤں'' یہ کہہ کر وہ دکان میں چلا گیا۔ لائن بہت آہستہ چل رہی تھی۔ اور جب پلٹ کر دیکھا لوگ بڑھتے جا رہے تھے۔ ایک بار تو احساس ہوا کہ ہاتھی بھی پیچھے لائن میں لگے ہیں لوگ اتنی دور تک تھے کہ ہاتھیوں تک پہنچ گئے تھے۔ خدا خدا کر کے اندر جانے کا موقع ملا تو بھاگ کر سیٹوں کی طرف جانا پڑا۔ ہر شخص بھاگ رہا تھا اچھی سیٹ کے لئے۔ ہمیں چوتھی رو میں جگہ ملی بھابی شمیم نے آواز دی ''یہاں آ جائیے''۔ دیکھا تو وہ چھٹی رو میں ہمارے لئے سیٹ روکے ہوئے تھیں۔ ہم بھاگ کر وہاں چلے گئے۔ نشستیں سیمی سرکل میں تھیں۔ سامنے بڑا سا سیمنٹ کا فرش تھا اس کے اوپر ایک اسٹیج بنا تھا۔

ابھی ہم بیٹھے لوگوں کو بھاگ بھاگ کر کرسیوں پر قبضہ کرتے دیکھ رہے تھے کہ ایک خاتون ٹوکری میں بہت سی خوشبوؤں میں بسے برف سے ٹھنڈے رومال لے کر آ گئیں اور اصرار کر کے ایک دیا ہم نے قیمت پوچھی تو مسکرا دیں۔ بنکاک مسکراہٹ کی سرزمین ہے۔ اور پھر ہم یہ سن کر مسکرا دیئے کہ خوشبوؤں بھرا ٹھنڈا رومال مفت ہے دخترِ تھائی لینڈ آگے بڑھ گئی اور دوسروں کو رومال دیئے ہم نے سوچا اگر یہ رومال صرف ہمارے لئے ہوتا تو چاہے اس میں خوشبو نہ ہوتی یہ ٹھنڈا نہ ہوتا لیکن دل ونظر کو کیسی ٹھنڈک بخشتا مگر یہ ہو نہ سکا۔ خواب کب پورے ہوتے ہیں ہم نے ٹھنڈے رومال سے چہرہ پونچھا ایک تراوٹ اور تازگی کا احساس ہوا۔ دیر تک چہرے پر ملتے رہے پھر ہاتھوں میں دبالیا۔ وہ رومال ہم ساتھ لے آئے تھے۔ سفر کے اگلے مرحلے پینانگ میں گم ہو گیا۔ بس اس کا اور ہمارا اتنا ہی ساتھ تھا ہم جب منہ چپکا چکے تو ایک خاتون دانتوں کی نمائش کرتی ہمارے پاس آ کھڑی ہوئیں۔ اور سوال کیا ''آپ کی ایک تصویر بنالوں'' خطاب ہم سے تھا سمجھ میں نہ آیا ایسی کیا بات ہے کہ بھرے مجمع میں یہ سوال ہم سے ہوا۔ ''بی بی آپ تصویر کا کیا کریں گی۔'' ''فریم میں لگا کر آپ کو دوں گی'' وہ مسکرائی لیکن فریم میں لگا کر دینے والی ترکیب سمجھ میں نہیں آئی۔ اس لمحے بھابی شمیم نے کہا ''کیا راز و نیاز ہو رہا ہے'' ہم جواب دیتے کہ نادر کو اپنی طرف بھاگتے ہوئے آتے دیکھا اور گھبرا کر ہم نے لڑکی سے کہا'' جلدی تصویر اتار لو'' اور اس نے کیمرہ کا بٹن دبا کر روشنی کا ایک فائر ہم پر پھینک دیا۔

ہال لوگوں سے کھچا کھچ بھر گیا تو شو کا آغاز ہاتھیوں سے ہوا۔ انہوں نے اندر داخل ہو کر اپنی سونڈ سے سلام کیا۔ اور تماشائیوں کی کرسیوں کے آگے بڑے سے سیمنٹ کے فرش پر ایک چکر لگایا اور باہر نکل گئے۔ اس کے بعد سولہ لڑکیاں نہایت رنگین اور حسین لباس پہنے ننگے پاؤں بالوں میں پھول لگائے داخل ہوئیں ان سب کو جھیل سیف الملوک سے بلایا گیا تھا۔ جب یہ ہنستیں تو موتیوں جیسے سفید دانت بجلی کے کوندے کی طرح چمکتے۔ یہ چکر لگا کر ناچنے لگتیں تو ساری کائنات جھوم اٹھتی۔

ہال میں سوئی پھینک خاموشی تھی۔ سب لوگوں کا علم نہیں، لیکن نادر سانس روکے بیٹھا تھا۔ جسم

کا ہر حصہ آنکھ بن گیا تھا۔ لڑکیاں اپنا فن دکھا چکیں تو ہال تالیوں سے گونج اٹھا شادی بیاہ کی رسوم شروع ہو گئیں۔ سہیلیوں کا آنا۔ بزرگوں کا پیغام دینا' پھر بارات' دولہا دلہن ایک دوسرے سے کمر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ سب کچھ وہی تھا جو مشرق میں تھا۔ بعید قریب سے کچھ فرق نہیں پڑتا ہے۔

شادی کے بعد دو دیہاتی اپنے مرغے لڑانے لے آئے۔ وہ غریب لڑ لڑ کر لہولہان ہو گئے تلوار بازی کا مقابلہ ہوا۔ پھر باکسنگ کا ایک کمزور تھا دوسرا طاقتور خوب گھوسم گھاسی ہوئی۔ جب ایک بالکل ہی ہار گیا تو یہ کھیل بھی ختم ہوا۔ اور پھر وہی حسین لڑکیاں میدان میں آ گئیں اگلی صف میں بیٹھے ہوئے کئی تماش بینوں کو گھسیٹ کر رقص میں شامل کر لیا۔ ہائے رے نادر کی قسمت وہ پانچویں صف میں بیٹھا تھا۔ یہ رقص صرف نادر کو جلانے کے لئے رکھا گیا تھا لڑکیاں اپنے ہم رقص ساتھیوں کو قابلِ اعتراض حد تک اپنے نزدیک لا رہی تھیں اور سب دیکھ رہے تھے۔ ہم نے ایک بات اچھی طرح سمجھ لی کہ شروع میں جو لڑکیاں آئی تھیں کل یہی اسٹاک میں ہیں۔ اس کے بعد صرف کپڑے اور بالوں کا انداز بدلا گئی لڑکیوں کو ہم قد اور بالوں کے رنگ سے پہچان گئے۔ اس میں پاکستان کا جھنڈا بھی تھا لیکن ظالموں نے الٹا پکڑ رکھا تھا ان کے اور ہمارے درمیان فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ احتجاج کرتے تو کوئی سنتا نہیں۔ اس وقت دیکھنے اور سننے کے لئے خوش جمال چہرے تھے۔

شو ختم ہوا تو ایک طلسم ٹوٹ گیا۔ لوگ ہال سے باہر نکلنے لگے۔ ہمارے ساتھی حسین چہروں کو دل کھول کر داد دے رہے تھے۔ لیکن ہمارا خیال تھا سارا جادو اس رومال میں تھا جو سب سے پہلے پیش کئے گئے تھے جن سے آنکھیں اور چہرے صاف کیا تھا۔ بس پھر انہی کو دیکھا انہی کو سنا۔ روشنیاں اور رنگ حسن کو چار چاند لگاتے ہیں۔ یہ سب تھا لیکن دل کہتا تھا ان موہنی صورتوں کو کب دیکھنا نصیب ہوگا بنکاک کب آئیں گے؟ زندگی کب تک وفا کرے گی دل اداسیوں کی تاریکی میں ڈوب رہا تھا کہ اچانک سامنے پیڑوں کے نیچے وہ ساری موہنی صورتیں کھڑی ہیں لوگ ساتھ کھڑے ہو کر تصویریں بنوا رہے ہیں خوش ہو رہے ہیں ہمارے ساتھی اس طرف لپکے ہم نے نزدیک سے دیکھا وہی لباس وہی چہرے۔ لیکن حسن کا وہ عالم نہ تھا۔ چہروں پہ گہرے میک اپ کی تہیں صاف نظر آ رہی

تھیں۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ان کے قد اتنے دراز نہ تھے جو ہمیں ہال میں نظر آ رہے تھے۔ آسمانی حسن زمین پر آ گیا تھا۔ کاش ہم ان سب کو سورج کی روشنی میں نہ دیکھتے تو یہ جادو دیر تک زندگی کے ساتھ چلتا۔ پھر ایک خیال اور بھی آیا۔ اچھا ہے اداسی دور ہو گئی۔ بھابی شمیم اور الیاس بھائی نے ان کے ساتھ تصویریں نادر غائب تھا۔ اس منظر میں اس کی غیر موجودگی نا قابل یقین تھی۔ وہ ظالم پہلے ہی تحفوں کی دکان میں ایک لڑکی کو پسند کر چکا تھا۔ اور اسی طرف کھنچ گیا تھا۔

روز گارڈن میں ہاتھیوں کا شو شروع ہوا۔ نصف درجن ہاتھی لکڑی کے لٹھے اٹھا رہے تھے پانی میں پھینک رہے تھے کھیل رہے تھے مہاوت کے حکم پر کام کر رہے تھے یہ دلچسپ کھیل لوگوں کی تالیوں میں دیر تک جاری رہا۔ اب روانگی تھی۔ ایک اہم دن کا خاتمہ۔ بنکاک کی سیر کی آخری تفریح۔ آنند ایک ایک کر کے ہمارے ہمسفروں کو تلاش کر رہا تھا کچھ شاپنگ سنٹر میں تھے دو ایک ٹھنڈے مشروب کی دکان میں نادر کو خواتین کے جھرمٹ سے گھسیٹ کر نکالا گیا۔

روز گارڈن کے دروازے پر ایک لڑکی نے ہمارا ہاتھ پکڑ لیا ہم نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ لیکن کسی نے توجہ نہ دی لڑکی مسکرا رہی تھی۔ اس نے چھوٹی سی چابی کے گچھے میں لگی ایک تصویر دی۔ ہم نے دیکھا وہ ہماری تصویر تھی۔ اب ہم پہچانے یہ وہی لڑکی تھی جس نے ہال میں تصویر کھینچی تھی لڑکی نے مسکرا کر سوال کیا ''سو بھات'' تصویر کی قیمت سو بھات تھی سو بھات بہت ہوتے ہیں پاکستان کے پچھتر روپے اپنے دوست فوٹو گرافر افضل حسین کو پچھتر روپے دیں تو سو تصویریں بن جائیں ہم نے سوچا ایک لڑکی ہماری تصویر بنا کر دے رہی ہے اسے کچھ ضرور ملنا چاہئے۔ اس لئے دس بھات پیش کئے وہ برا ماننے لگی۔ اسے منانے کے لئے بیس کر دیئے۔ لیکن وہ سنگ دل نہ مانی۔ ہم نے پوچھا ''ہم نہیں خریدیں گے تو اس تصویر کا تم کیا کرو گی'' جل کر بولی'' گلے میں لٹکائے پھروں گی'' ہم نے کہا ''بس یہی چاہتے تھے۔ تم گلے میں تصویر ڈالے پھرو گی۔ ہم زندگی اطمینان سے گزار دیں گے''۔

ہم سے مایوس ہو کر وہ دوسری طرف بڑھ گئی۔ اس کے پاس بہت سی تصویریں تھیں۔ اس کا پیشہ تصویریں کھینچنا اور اس طرح فروخت کرنا تھا ہم بس تک جاتے ہوئے پلٹ پلٹ کر دیکھتے رہے۔ شاید اب آواز دے شاید اب بلا کر بیس بھات مین تصویر ہمارے ہاتھوں بیچ دے لیکن افسوس ایسا نہ ہوا بلکہ وہ تصویر آج تک ہمیں نہ ملی۔

بس میں سب خاموش تھے بھائی جمیل زکریا نے تجویز پیش کی۔ آنند نے ہم سب کی بڑی خدمت کی ہے۔ اسے کوئی تحفہ دینا چاہئے۔ اس بات پر سب نے اتفاق کیا فوراً فہیم ساکرانی نے سب سے بھات جمع کئے اور جمیل زکریا کے حوالے کر دیئے۔

شہر پہنچتے تک اندھیرا ہو گیا بنکاک کی آخری شام ڈوب گئی اور رات شروع ہوئی ہوٹل راجھا پہنچے پنکی ٹیلرز نے دوپہر کو کپڑے بھجوا دیئے تھے وہ سوٹ کیس میں رکھ کر تھوڑی دیر آرام کیا پھر بابل ہوٹل کھانے کے لئے پہنچے وہاں سب جمع تھے اور اس وقت بھی ہر ایک کے ساتھ سامان سے بھرے تھیلے رکھے تھے۔ آنند بہت خوش تھا۔ اس کی دوست فاطمہ بھی آئی تھی اور بات بے بات مسکرا رہی تھی۔ جمیل زکریا نے آنند کے لئے نہایت خوبصورت چمڑے کا بریف کیس خریدا۔ اسے دیکھ کر آنند اور زیادہ خوش ہو گیا۔ فاطمہ بھی سب لوگوں سے بار بار ہاتھ ملانے لگی نادر تو اس کا ہاتھ چھوڑنے پر آمادہ ہی نہ تھا اسے پاکستان اور بنکاک کے تعلقات کا واسطہ دیا تب وہ بابل ہوٹل کی ملازماؤں کی طرف متوجہ ہوا آج کھانے میں زیادہ اہتمام تھا آنند کو غالباً بل ادا کرنا تھا کھانے کے بعد چائے پی گئی بھابی شمیم نے ہوٹل سے نکل کر دکانوں پر حملے کا پروگرام بنایا بھائی الیاس کا موڈ خراب ہو گیا۔ وہ تھکے ہوئے تھے آرام کرنا چاہتے تھے بحث مباحثے کے بعد روبی بھابی اور جمیل زکریا کے ساتھ چلی گئیں۔ الیاس بھائی ہوٹل کی طرف روانہ ہوئے۔ نادر شاید بابل ہوٹل میں ملازم لڑکیوں کے ساتھ برتن وغیرہ دھلوانے رہ گیا۔

فہیم ساکرانی ہمارے ساتھ تھا وہ میڈونا کے کیسٹ خریدنا چاہتا تھا ہمیں کیا اعتراض تھا لیکن جب اس نے ادھار بھات مانگے تب ہم ہوشیار ہو گئے اس نے جو کیسٹ خریدنے کے لئے چنے تھے وہ نہایت گھٹیا اور خراب تھے۔ کیوں کہ ہم نے راجھا ہوٹل کے نزدیک ایک دکان پر اعلیٰ جاپانی کیسٹ دیکھے تھے فہیم غریب کو کیا خبر تھی کہ اپنے بھات بچانے کے لئے میڈونا کے کیسٹ کیا بس

چلیے تو میڈونا کو دھکا دے سکتے ہیں۔ راجھا ہوٹل کے نزدیک جو دکان بند تھی وہی کیسٹ والی تھی اور ہم نے صبح تک صبر کرنے کے لئے کہا۔

''صبح تو ہم سات بجے پتایا بیچ جا رہے ہیں'' وہ بولا

''یہ دکان صبح چھ بجے کھل جاتی ہے'' ہم نے اسے سمجھایا اور وہ اچھے بچوں کی طرح سمجھ گیا۔

ہوٹل پہنچ کر استقبالیہ کے ایک صوفے پر بیٹھ گئے یہاں سیاحوں کا میلہ لگا تھا کچھ آ رہے تھے کچھ جا رہے تھے ان کا سامان ان کا لباس چہرے دیکھنے لگیں تو عجیب عجیب کہانیاں دکھائی دیتی ہیں۔ کتنے سمندر کتنے براعظم عبور کر کے یہ بنکاک آئے ہیں مسکراہٹ کی سرزمین دیکھنے کل ہم یہاں نہ ہوں گے لیکن یہ سب ہوں گے۔ کچھ نئے کچھ پرانے۔ دنیا کا یہی دستور ہے۔

نہ ہم عرب نہ امریکی ہمیں کون خوش کرے گا

آنکھ کھلی تو بنکاک میں صبح ہونے میں دیر تھی۔ ہم نے شیشے کی بڑی سی کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا روشنیاں جگمگا رہی تھیں ذرا ذرا دیر بعد سڑک پر سے گاڑیاں بھی گزر رہی تھی۔ بنکاک کبھی نہیں سوتا۔ آج ہم جا رہے ہیں بنکاک کا ساتھ چھوٹ رہا ہے۔ سیاحوں کے ساتھ یہ ایسا برتاؤ کرتا ہے۔ ہزاروں لوگ روز آتے ہیں اور چند دن بعد واپس چلے جاتے ہیں۔ یہ ملنے اور بچھڑنے کا کھیل ہے۔ سب اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ صبح ہوتے ہی ہمارا قافلہ پتایا بیچ چلا جائے گا۔ یہ تھائی لینڈ کے ان چند ساحل سمندر میں ہے جس پر سیاحوں کا ہجوم رہتا ہے۔ دنیا بھر کے لوگ یہاں کھنچے چلے آتے ہیں۔ ہم لوگ اسے پتایا کہتے ہیں۔ بنکاک والے برا نہیں مانتے۔ نام کوئی سا رکھ لو لیکن اس ساحل پر ضرور قدم رکھو۔

سامان رات ہی کو باندھ لیا تھا۔ بنکاک کی دکانوں کا کچھ بوجھ اپنا بنا لیا تھا۔ اب اسے اٹھا کر لے جانے کی پریشانی تھی۔ ہم اکیلے ہوتے تو گھبراتے۔ ہمارے ساتھ جم غفیر تھا جن کے پاس بوجھ ہی بوجھ تھا۔ جو وہ کریں گے وہی ہم بھی کریں گے۔

دیر تک نہاتے رہے جب بنکاک کے آسمان پر سفیدی نظر آنے لگی تو ہم ناشتے کے لئے گئے۔ اناس، پپیتہ اور تربوز کے ڈھیر لگے تھے۔ یہ سب جی بھر کر کھایا۔ دوبارہ کافی پی تو دیکھا

ہمارے ساتھی ایک ایک کر کے آرہے ہیں۔ سب سے پہلے شمیم بھابی اور بھائی الیاس آئے پھر بھابی روبی اور بھائی جمیل زکریا۔ آنند بھی مسکراتا آ گیا وہ غریب صبح سے لوگوں کو فون کر کے ''مارننگ کال'' ''مارننگ کال'' کہتا تھک گیا اس نے ہدایت دی کہ اپنا سامان کمرے کے دروازے پر رکھ دے بیرا نیچے استقبالیہ میں لے آئے گا۔ اوپر پہنچے تو کمرے کا چارج لینے ہوٹل کا ایک آدمی کھڑا تھا۔ ہم نے اسے گلاس تولیہ چادریں کھڑکی دروازے گنوا دیئے وہ کھڑا مسکراتا رہا سامان باہر رکھ کر ہم نیچے آئے تو استقبالیہ آنے اور جانے والے سیاحوں سے بھرا تھا۔ لاکر سے پاسپورٹ اور سکہ امریکہ نکال کر چابی استقبالی کلرک کے حوالے کر کے دو ہزار بھات بچا لئے۔ پہلے دن جب چابی ملی تھی ساتھ میں دھمکی بھی ملی تھی کہ چابی گم ہوئی تو دو ہزار بھات جرمانہ دو ہزار بھات کے چکر میں ہمیشہ ہاتھ دل کے اوپر جیب پر رہا اور لوگ سمجھے بنکاک کی سڑکوں پر دل پکڑے رکھنے کے لئے چابی کے گم ہونے کا بہانہ کر رہے ہیں۔ آج اس جھوٹ کی زندگی سے چھٹکارا ہوا۔

گاڑی کب کی کھڑی تھی اب سامان اور ہمارے لادنے کا وقت آ گیا۔ آنند سامان رکھوا کر لوگوں کو گاڑی میں بٹھاتا رہا۔ بھابی شمیم آجاتیں تو بھائی الیاس کا پتہ نہ ملتا شبیر لوٹیا سوار ہو گئے تو نگہت ہوٹل میں رہ گئی۔ سات بجے روانگی تھی ساڑھے سات بج گئے۔ آنند پریشان تھا۔ بارہ بجے کورل آئی لینڈ جانا تھا اس کے لئے ایک بڑی کشتی بک تھی دیر سے پہنچیں گے تو کشتی والا نہیں ملے گا۔ اس کی پریشانی دیکھ کر ہم نے پوچھا ''ارے ظالم ایسا تو نہیں کہ بارہ بجے کے بعد سمندر ہی نہ ملے'' اس بات پر وہ پریشانی کے لمحے میں بھی ہنسنے سے باز نہ آیا۔ جب سب بیٹھ گئے۔ اور روانگی کے لئے دروازہ بند ہو گیا تو کامران مرزا نے تڑپ کر نتاشہ سے پوچھا۔ ''میرا کیمرہ کہاں ہے'' اس کی ڈھونڈیا مچی۔ بس کی روانگی رک گئی۔ بس کی بیسمنٹ سے تمام سامان نکالا گیا دو ایک بھاگ کر کمرہ دیکھ آئے۔ کچھ نے استقبالیہ اور ناشتے کے ہال کی تلاشی لی۔ نتاشہ کا کہنا تھا کہ اس نے کیمرہ ناشتے کی میز پر رکھا تھا ہم نے نادر سے پوچھا ''تم نے ناشتے میں کیا کھایا ہے۔'' وہ گھبرا کر بولا ''کیمرہ میں نے نہیں کھایا'' کامران مرزا سخت پریشان تھا کیمرہ مہنگا تھا اس کے ساتھ اس میں فلم اس سے زیادہ مہنگی تھی جس میں بنکاک کی یادگار تصویریں تھیں۔ نتاشہ غریب پریشان تھی۔ کامران الجھ رہا تھا۔

کامران اور نتاشہ بنکاک ہمارے ساتھ آنے تھے۔ لیکن دور دور تھے۔ کمرہ راجھا ہوٹل میں بک تھا۔ یہ دونوں ہوٹل ایمبیسڈر میں جا کر سوتے تھے بابل کا کھانا نہیں کھاتے تھے اس طرح ان

کے اور ہمارے درمیان کئی سوئمنگ پول آتے تھے۔ لیکن اس پریشانی کے لمحے میں انہوں نے ہماری بات بھی توجہ سے سنی۔ ہمارے مشورے پر استقبالیہ میں شکایت بھی درج کرا دی۔ کیمرے کے گم ہوتے ہی یہ جوڑا ہم سب میں ملا۔ ہر شخص یوں محسوس کر رہا تھا کہ کیمرہ اس کا کھویا ہے آٹھ بجے مجبوراً سفر شروع کیا گیا۔ لیکن ایک افسردگی سب پر طاری تھی۔ وہ سفر جو خوشی اور مسرت سے شروع ہوتا وہ اداسی کے ساتھ جاری تھا۔

بنکاک سے نکل کر قومی شاہراہ پر آ گئے۔ ناریل اور کیلے کے پیڑ دونوں طرف آرہے تھے لوگ اونگھنے لگے۔ اچانک بس کی پچھلی نشست سے شور کی آواز آئی'' کیمرہ مل گیا'' کامران مرزا کا کیمرہ مل گیا۔ وہ نتاشہ مرزا کی سیٹ کے نیچے رکھا تھا۔ ایک خوشی کی لہر چاروں طرف پھیل گئی سب خوش ہو گئے۔ کامران نے اعلان کیا۔ پتایا میں ایک ایک ڈرنک میری طرف سے سب کو پیش کی جائے گی ہر ایک نے خیر مقدم پُر جوش تالیوں سے کیا لیکن کامران مرزا نے پتایا پہنچ کر اپنا وعدہ بھلا دیا۔ کیا خبر بھات کی کمی ہو۔ یادداشت کی کمی بھی کہی جا سکتی ہے۔

کیمرہ کیا ملا ہر ایک کی ہنسی اور مسکراہٹ واپس مل گئی۔ اب لطیفے قصے کہانیاں شروع ہوئیں۔ بس ایک دریا پر سے گزر رہی تھی۔

''یہ دریائے وائے ہے'' نگہت لوٹیا نے ہم سے پوچھا۔

''نہیں ہوائی'' ہمارا جواب تھا۔

آنند نے بتایا یہ دریائے مین یکون ہے بڑا سا پل تھا وہ جلد پار ہو گیا بس ایک پٹرول پمپ کے ریسٹورنٹ کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ سب اتر پڑے۔ یہاں چائے کافی کولڈ رنگ سوکھا ہوا اناناس ملتا ہے۔ بھائی افضل اور بھابی فرحت شاپنگ کے لئے اتر آئے۔ دکان پر کام کرنے والی لڑکیاں خوش ہو گئیں تین بڑی بڑی تنکوں کی بنی ٹوکریاں اور کپڑے کی صافیاں خرید لی گئیں۔ پتھر کی نمک دانی کا سودا بھی ہو گیا۔

ایک فروٹ کی دکان تھی۔ اس پر سب کچھ تھا۔ ایک چیز ہم نے خریدی۔ ڈیڑھ کلو کا بڑا سا گدرا امرود چھ پاکستانی روپے کا ٹکڑے کئے تو پندرہ بن گئے کھا کر دیکھا نہایت لذیذ ذائقہ دار ہم اتنے اچھے پھل کے ذائقے سے محروم تھے بس کا سفر پھر شروع ہوا۔

ایک شہر سے گزرنے لگے اس کا نام چول پوری تھا یہاں زیادہ تر کسان رہتے تھے جو گن اور چاول اگاتے ہیں۔ آنند تفصیل بتانے لگا۔ تھائی لینڈ میں بہترین چاول پیدا ہوتا ہے جو پاکستانی نو روپے کلو بکتا ہے۔ آنند جب زیادہ تعریف کرنے لگا تو ہم نے بے چین ہو کر کھانے کی فرمائش کی۔

وہ ہنس کر بولا "بابل ہوٹل میں روز وہی چاول کھاتے تھے"

"اچھا اچھا وہ تھا بہترین تھائی چاول . ذائقہ دار....." ہم نے عام سے چاولوں کی گھبرا کر تعریف کر دی . . وہ خوش ہو گیا۔

سڑک کے دونوں طرف لوگ سمندری نمک بیچ رہے تھے ایک اور چیز بھی تھی۔ سڑک کے کنارے تھوڑی تھوڑی دور لوگ بوتلوں میں تیل بیچ رہے تھے۔ آنند نے بتایا یہ مچھلی کا تیل ہے جس میں نمک ہوتا ہے تھائی لینڈ کے غریب لوگ اپنا کھانا اسی تیل میں پکاتے ہیں اس سے نمک کا خرچ بھی بچ جاتا ہے اس تیل میں نہایت تیز بو ہوتی ہے اتنی زیادہ کہ جو پکاتا وہی کھاتا ہے دوسرا آدمی اسے سونگھنے تک کی ہمت نہیں کر سکتا۔ آنند کو بھی یہ کھانا پسند تھا۔ وہ چاول پسند کرتا تھا۔ ہم نے اسے باسمتی چاول کی بریانی کھانے پاکستان بلایا ہے۔

بس کا لمبا سفر ہے۔ دونوں طرف ویرانہ ہے۔ بنکاک میں آبپاشی بارش سے ہوتی ہے۔ اور بارش کئی ہفتوں سے غائب تھی اس لئے زمین پیاسی تھی۔ ویسے تو ہم بھی پیاسے تھے۔ لیکن آنند نے پتایا بیچ کی آمد کی خبر سنا کر پیاس بھلا دی۔

پتایا بیچ ویت نام کی جنگ سے پہلے ویرانہ تھا امریکی فوجیوں کے گھر جانے کی چھٹی ملتی تو وہ ادھر ادھر نکل جاتے ایک دن جہاز لے کر اس ساحل پر پہنچے تو خوش ہو گئے۔ ساحل ان کی پسند کا شراب شباب سب کچھ سستا۔ اب تو ظالموں نے گھر ہی دیکھ لیا۔ جہاز بھر بھر کے آتے اور پتایا ترقی کرتا گیا۔ امریکہ کا سارا سکہ اس کی گلی کوچوں میں آ گیا۔ امریکی ملاحوں کی عیاشی کا اڈہ بن گیا۔ ویت نام سے نزدیک ہے اس لئے ہفتہ اتوار بھی یہاں بسر ہوتا۔ اور اب یہ عالم ہے کہ امریکہ میں اتنا ڈالر نہ ہوگا جتنا پتایا میں خرچ ہوتا ہے۔ امریکیوں کے بعد عربوں نے بھی اسے اپنی نگاہ کا مرکز بنایا۔ سارا کام امریکی اور عربی چہروں کو خوش کرنے کے لئے ہوتا ہے یہ سن کر ہمیں بڑی مایوسی ہوئی کہ ہم نہ امریکی ہیں نہ عرب۔ ہمیں کون خوش کرے گا۔؟

کورل آئی لینڈ میں بھائی الیاس کے ہاتھ رہ گئے

پتایا بیچ کی کئی سڑکوں پر تعمیر ہو رہی تھی بلڈوزر چل رہے تھے۔ کرین کام کر رہی تھی۔ یوں محسوس ہوا ہماری آمد سے پہلے تزئین و آرائش ہوئی تھی۔ ہم جلدی آ گئے یا کام سست ہو گیا پتلی پتلی گلیاں بازار اس کے بعد ویرانہ۔ پھر دائیں طرف ساحل سمندر شروع ہو گیا۔ بائیں طرف ہوٹل۔

سمندر دیکھ کر بھائی الیاس کی توند اور جمیل زکریا کے بازو پھڑکنے لگے۔ کامران مرزا بھی سمندر کی طرف منہ کر کے بیٹھ گیا۔ ایک ہم تھے جسے دائیں بائیں سے فرق نہ پڑتا تھا۔ شہر دور رہ گیا۔ ہوٹلوں کا شہر جب آدھے سے زیادہ گزر گیا تو بس ایک گیٹ میں داخل ہوئی۔ یہ ہوٹل پتایا سٹی تھا۔ پہلے ہمیں اتارا گیا اس کے بعد سامان۔

ہوٹل کے استقبالیہ میں سب جمع ہو گئے۔ ہوٹل کی طرف سے یا شاید آنند کی طرف سے ایک ایک ٹھنڈا مشروب پیش کیا گیا اور معذرت کی گئی جو کمرے ہم لوگوں کے لئے آج دن کے بارہ بجے سے بک تھے اب وہ دو بجے ملیں گے۔ سامان استقبالیہ پر رکھ دیں کپڑے باتھ روم میں بدل لیں اور اگلے پروگرام پر چلے جائیں۔ واپس آئیں گے تو سامان کمروں میں ملے گا یہ کہہ کر ہر ایک کو کمرہ نمبر الاٹ ہو گیا۔ یہ معذرت جس لڑکی نے کی تھی وہ سرد خوش ادا تھی اس لئے ہم نے اعتراض نہیں

کیا سامان پر مرے کا نمبر چاک سے لکھ دیا گیا۔ زر و جواہر سکہ امریکہ ٹکٹ اور پاسپورٹ کے لئے لاکر مل گئے۔

پھر وہی دھڑکا لاکر کی چابی گم ہوگئی تو کیا ہوگا؟ کتنے ہزار بھات ادا کرنے ہوں گے۔ اس سرو خوش ادا سے پوچھا تو ہنس کر بولی "آپ چابی گم ہی کیوں کریں؟" ہم نے اصرار کیا "جان بوجھ کر کون گم کرتا ہے۔ آپ چابی کی بات کرتی ہیں یہاں دل فرار ہو جاتا ہے" اس جملے پر انہوں نے ہمیں ایک نظر خوش ادا سے دیکھا تو ہمارے ہاتھ سے ڈالر گرنے لگے۔ خیر انہوں نے آٹھ سو بھات کی رعایت دی۔ چابی گم ہونے کی صورت میں صرف بارہ سو بھات جرمانہ ہوگا۔ ہم نے سوچا چلو پتایا میں آٹھ سو بھات یوں بچ جائیں تو دل کو آرام آئے گا۔

استقبالیہ میں جو صوفے پڑے تھے اس پر خواتین بیٹھی تھیں۔ اچانک خوشی کی لہر پھیل گئی۔ سپر ٹریولز والوں کی طرف سے ایک بڑا شاندار کیک مسز گوئیس اور مس گوئیس کو پیش کیا گیا سب نے حیرت سے دیکھا۔ تب آنند نے بتایا آج 25 دسمبر ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا دن اور اسی خوشی میں مسز گوئیس کو مبارکباد کا کیک پیش کیا گیا۔ اس بات کا اہتمام اچھا لگا کیک بڑا تھا۔ مسز گوئیس کے ساتھ ہم سب خوش ہو گئے۔ تالیوں کے شور میں کیک کاٹا گیا کھایا گیا۔ اچھا تھا۔ مسز گوئیس سوچ رہی ہوں گی۔ کتنا اچھا ہو 25 دسمبر کو وہ سپر ٹریولز والوں کے ساتھ ہی کسی سفر میں ہوں۔ ہم نے سوچا کاش بقرعید کے دن اس سفر میں ہوتے۔ ہر ایک کو موٹا تازہ بکرا ملتا قربانی کے لئے۔

باتھ روم سے لباس تبدیل کر کے اور توند کو آزاد کر کے بھائی الیاس نکلے پھر جمیل زکریا نہانے کے لباس میں برآمد ہوئے۔ کامران مرزا اور جرمن جوڑا سمندر دیکھتے ہی پیراک بن گئے تھے۔ نادر تھا جو بار بار باتھ روم گھس جاتا۔ یہاں تک کہ اس کا باتھ روم میں جانا شک پیدا کرنے لگا تب ہم نے اس کی بو سونگھنے کے لئے باتھ روم میں جھانکا۔ شیشے کی طرح چمکتا اور خوشبوؤں میں بسا باتھ روم سب کو دعوت دے رہا تھا۔ لیکن نادر کی دعوت کچھ اور تھی وہ ایک بھولی بھالی لڑکی تھی جو واش بیسن صاف کرنے اور باتھ روم کا فرش خشک کرنے پر مامور تھی۔

"دیکھی پارٹنر" اس نے سرگوشی میں کہا۔

"کیا؟" "باتھ روم کی روشنیاں؟"

"نہیں۔ وہ لڑکی۔ میں اس سے شام کا وقت لے رہا ہوں۔" وہ بولا!

"یہ تو بھنگن ہے" ہم نے حیرت سے کہا "اس کے لئے میں ہزار بار بھنگی بن سکتا ہوں" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا مسکرا کر اس سے کچھ کہا وہ بھی مسکرائی لیکن بولی کچھ نہیں۔ نادر نے پھر کچھ کہا لڑکی نے انکار میں گردن ہلائی۔ اس لمحے کاؤنٹر پر کام کرنے والی لڑکی نے جھانکا اور تھائی میں کچھ اس سے کہا" نادر کو نزدیک دیکھ کر ہنس کر بولی "یہ انگریزی نہیں جانتی"۔

وہ لڑکی باتھ روم سے چلی گئی مجبوراً دل پر پتھر کی سل رکھ کر نادر باہر آیا تو سب جانے کے منتظر تھے بس میں ہمارے برابر بیٹھ کر ٹھنڈی آہیں بھرنے لگا ہم نے توجہ نہ دی تو کوئی اداس امریکی گانا گنگنانے لگا۔ اب سمندر بائیں طرف تھا۔ لہریں ساحل سے ٹکرا رہی تھیں۔ لوگ پانی میں اسکوٹر چلا رہے تھے۔ نہا رہے تھے۔ اور بھائی الیاس بے چین ہو رہے تھے بار بار کہہ رہے تھے میں نے اس سے اچھا بیچ آج تک نہیں دیکھا ویسے انہوں نے اس سے پہلے کوئی بیچ نہیں دیکھا تھا۔ بس بازار کے ایک کونے سے گزری تو وہاں سے آنند نے ایک گائیڈ عورت کو بٹھا لیا۔ جس نے اس بڑی کشتی تک رہنمائی کی جس میں بیٹھ کر کورل آئی لینڈ جانا تھا۔

کشتی میں بیٹھے تو محسوس ہوا یہ جھولا ہے۔ یہ دونوں طرف سے جھول رہی تھی اوپر چھت تھی نیچے کمرے بنے تھے۔ سفر شروع ہوا تو ہر لمحہ احساس ہو رہا تھا سمندر کی مضبوط لہریں اسے دو ٹکڑے کر دیں گی۔ سمندر بپھرا ہوا تھا۔ دور ایک پہاڑ نظر آ رہا تھا وہی کورل آئی لینڈ تھا۔ ہمارا خیال تھا دس پندرہ منٹ میں پہنچ جائیں گے۔ لیکن سمندری طوفان بڑھتا جا رہا تھا۔ کشتی کی دیواروں کو مضبوطی سے پکڑ کر کھڑے ہونے پر لہریں سر سے پاؤں تک نہلا رہی تھیں۔ ایک وقت ایسا آیا کہ آنند نے واپسی کا پروگرام بنا لیا۔ لیکن کشتی چلانے والے ان طوفانوں کے عادی تھے۔ وہ مسکراتے رہے سمندر سے لڑتے رہے۔ واپس جانے کی صورت میں انہیں شاید کرایہ نہ ملتا اس لئے وہ ہمیں زندہ یا مردہ کورل آئی لینڈ پہنچانا چاہتے تھے ہم نے سوچا کہ جو ہمیں خشکی پر بچاتا ہے وہی سمندروں کا رکھوالا ہے۔ اس لئے اطمینان سے بھائی افضل کی پشت پر کھڑے ہو گئے۔ سمندر کی مضبوط لہریں انہیں بھگوتیں ہم صرف چھینٹا چھینٹ ہوتے فہیم ساکرانی نے چھت پر بلایا۔ ہم نے کوشش بھی کی

لیکن لوہے کی سیڑھی سے اوپر نہ جا سکے ادھر ادھر لڑھک گئے۔ سمندر کی لہروں سے ہر لمحہ احساس ہوتا کہ سامنے پہاڑ دور ہوتا جا رہا ہے اس بات کا تذکرہ ہم نے آنند سے کیا۔ اس نے کچھ سمجھایا جو سمندر کی لہروں نے سمجھنے نہ دیا۔ یہاں تک کہ پہاڑ نزدیک دکھائی دینے لگا اور ہوا میں لوگ پیرا شوٹ لئے اڑتے نظر آئے۔ نیچے کشتیاں ان کے ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔ پیرا شوٹ اڑتے اور اترتے پہلی بار نظر آئے۔ کشتی ساحل کے نزدیک آئی تو ایک اور کشتی میں بٹھا کر ساحل پر لایا گیا۔ ہماری کشتی سمندر میں دوسرے مسافر لانے چلی گئی۔

کورل آئی لینڈ ایک مختصر سا جزیرہ ہے۔ جس میں پتایا بیچ کے تحفے۔ کھانے پینے کی اشیاء ملتی ہیں۔ یہاں پانی کے اسکوٹر کشتیاں' پانی پر اسکیٹنگ اور پیرا شوٹ سے سمندر کے اوپر اڑنے کا لطف ہے۔ درجنوں چھوٹی بڑی لڑکیاں چابیوں کے گچھے' چوڑیاں اور ننھے ننھے تحفے بیچنے کے لئے گھیراؤ کر لیتی ہیں۔

آنند نے سب سے پہلے لنچ بکس تقسیم کئے آلو کے پراٹھے' پچنے کا سالن اور کیلا اس ٹور کا سب سے بدمزہ کھانا۔ ایک دو نوالے کھا کر سب نے آنند کو ڈانٹا۔ ناریل پانی مہنگا تھا۔ ہم نے سستا تلاش کیا۔ منہ لگایا تو احساس ہوا پرانا اور خراب ہے اسی لمحہ آنند نے ٹھنڈے مشروب کی بوتل پیش کی ہم نے خوش ہو کر قبول کی دیکھا تو ہمارے ہمسفر سب کے ساتھ خوش ہیں اور منہ سے بوتلیں لگائے ہیں۔ اور یہ اس دکان سے خریدی جا رہی تھیں جہاں دراز قد اور کھلے بالوں والی لڑکی تھی۔ نادر اس کے پاس کھڑا تھا۔ اب ساری بات سمجھ میں آ گئی۔ زلفیں گرفتار کرتی ہیں۔ اور ہوا میں اڑتی زلفیں نادر کے دل کو لہرانے کے لئے کافی تھیں۔ ہم نے دل میں لڑکی کا شکریہ ادا کیا۔ اسی لمحہ ایک خاتون ہاتھ میں بڑی سی ٹوکری لے کر ہمارے سامنے آ کھڑی ہوئیں ہم نے نادر کی طرف اشارہ کیا لڑکی نے اشارے سے بتایا "آپ کی طرف بھیجا ہے" انہوں نے سوال کیا' ہم نے انکار کیا...... انہوں نے اصرار کیا ہم نے چیزوں کی قیمت چوتھائی لگائی وہ آدھی پر آمادہ ہو گئیں ہم نے سوچا چلو اس بہانے دوستوں کے لئے چابی کے چھلے خرید لیں۔ وہ پرس بیچنے پر بھی ضد کرنے لگیں تب ہم اسے بھابی شمیم کے پاس لے گئے وہاں الجھا کر واپس آئے تو نادر ابھی تک ٹھنڈے مشروب والی سے دل ٹھنڈا کر رہا تھا۔

کورل آئی لینڈ پر سیکڑوں سیاح تھے۔ ان میں عورتوں کی تعداد زیادہ تھی۔ یہ روسی' امریکی' چائنی اور جاپانی تھیں۔ لڑکیاں زیادہ تر پیرا شوٹ کی دیوانی ہو رہی تھیں اس پر سواری دو سو بھات میں ہوتی تھی۔ اسکوٹر پر پانی پر اسکیٹنگ بھی دو سو بھات میں تھا اس طرح ہر مال دو سو بھات۔ اسکوٹر اور کشتی رانی میں مول تول ہو رہا تھا ہمیں ہر شخص کشتی میں سوار کرانا چاہتا تھا لیکن ہمارے اور سمندر کے درمیان کبھی اچھے تعلقات نہیں رہے۔ جب بھی ساحل پر کھڑے ہوئے وہ پوری طاقت سے ہم پر حملہ آور ہوئے۔ اور کیونکہ ہم امن پسند صلح جو قسم کے آدمی ہیں اس لئے وہاں سے ہٹ آئے اب اس کے سینے پر کشتی چلانا ایسا ہی ہے جیسے کوئی سینے پر مونگ دلے۔ اس لئے ہم نے کسی کی بات نہ مانی اور اس طرف چلے گئے جہاں لڑکیاں پیرا شوٹ میں سوار ہونے کے لئے لائن بنائے کھڑی دیوانی ہو رہی تھی۔

کورل آئی لینڈ ایک چھوٹا سا سرسبز جزیرہ ہے۔ اس کے دائیں طرف غیر آباد علاقے ہیں پیرا شوٹ سے سمندر کی سیر کا انتظام تھا اس کا ٹکٹ دو سو بھات ہے۔

ہم اس طرف پہنچے تو اچھی خاصی خلقت کو منتظر پایا۔ پیرا شوٹ پر سوار ہونے والوں کی ایک لمبی لائن لگی تھی اس میں سب لڑکیاں تھیں تیرہ سے سولہ سال کی عمر والی۔ شوخ شرارتی' ہنستی شور مچاتی' ایک طرف کونے میں نادر کھڑا تھا گم صم مجسم آنکھ بنا۔ پیرا شوٹ زمین پر گرتا تو چار آدمی دوڑ کر سنبھالتے جو آدمی پیرا شوٹ میں ہوتا اسے زمین پر اتر کر تھوڑی دور بھاگنا ہوتا تھا بعض لوگ ایسا نہیں کرتے تھے اس لئے گر جاتے تھے۔ زخمی ہو جاتے تھے لیکن ذوق شوق کا عالم کم نہ تھا جس لڑکی کو سیر کے لئے اوپر جانا ہوتا پیرا شوٹ کی رسیاں کمر کے گرد باندھی جاتی۔ چار آدمی پیرا شوٹ کو اٹھاتے۔ تیز ہوا کے رخ کرتے۔ پیرا شوٹ میں ہوا بھر جاتی وہ اڑنے کے لئے تیار ہوتا۔ چاروں آدمی پیرا شوٹ چھوڑ دیتے۔ ایک آدمی لپک کر لڑکی کے پیچھے چمٹ جاتا۔ پیرا شوٹ ہوا میں بلند ہوتا تو وہ آدمی لڑکی کے کاندھے پر چڑھ جاتا وہاں سے اس کے سامنے آ کر چمٹ جاتا پھر پلٹ کر پیچھے آتا اور اس طرح چمٹتا کہ نادر کا دل کانپ جاتا۔ نیچے کشتی ہوتی جس میں پیرا شوٹ کی ڈور بندھی ہوتی اور پر بیچاری ڈری سہمی لڑکی اور کرتب دکھاتا تھائی مرد...

دنیا میں ڈر اور خوف ایک ایسی کیفیت ہے کہ اس وقت جو چاہے کر لو۔ ہمیں تو یوں محسوس ہوا

یہ پیراشوٹ ایک بہانہ ہے۔ یہاں تو بات عزت پر بنی ہوئی ہے۔ اور نہ جانے کس کس ملک کی عزت ہوا میں داؤ پر لگی تھی۔ ہم دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہے۔ جولڑکی اترتی خوفزدہ ہونٹ سفید چہرہ بجھا ہوا۔ دائیں کو پاؤں رکھتی تو بائیں کو پڑتا۔ لیکن جب اپنی ساتھیوں کو دیکھتی مسکراتی اس مسکراہٹ میں ''میری توبہ'' کا جملہ صاف سنائی دیتا۔ ہم نے نادر سے کہا تم اللہ کا نام لے کر یہ کام شروع کر دو۔ پیراشوٹ اوپر اٹھے تو چھلانگ لگا کر لڑکی پشت پر سوار ہو جانا۔ اس کے بعد ہم دیکھ لیں گے۔ نادر نے دو ایک بار ہمت کی لیکن تھائی لینڈ کے لوگ یوں تو مسکراتے ہیں لیکن دھکا دینے میں اپنا جواب نہیں رکھتے نادر ناکام ہو گیا کھڑا ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔

جو کچھ وہاں ہو رہا تھا ہم سے دیکھا نہ گیا اس لئے منظر سے ہٹنے لگے۔ اس وقت شمیم بھابی الیاس بھائی کو بکرے کی طرح گھسیٹتے ہوئے لائیں اور لائن میں کھڑا کر دیا۔ ہم نے حیرت سے دیکھا۔ ''آپ پیراشوٹ سے سمندر کی سیر کریں گے''؟

''کیوں نہیں..... ذرا لطف رہے گا'' وہ مسکرا کر بولے۔

''بہتر تھا آپ سمندر کے اندر سیر کر لیتے..... اوپر سے گرنے کی تکلیف سے بچ جاتے.....''

''آپ میرے میاں کو کیا سمجھتے ہیں سو جوانوں کے ایک جوان ہیں۔ ویسے بھی انہیں سیر و تفریح کا بہت شوق ہے''۔ بھابی شمیم نے الیاس بھائی کو پیراشوٹ پر سوار کرانے کا مکمل انتظام کر لیا بھائی الیاس کے چہرے پر مسکراہٹ طاری تھی۔ لائن آہستہ آہستہ سرک رہی تھی۔ جب ان کا نمبر آیا اور چار آدمی پیراشوٹ پکڑنے اور ایک ان کے نزدیک آیا تو ہمیں یقین ہوا کہ پیراشوٹ کی سیر مرد بھی کر سکتے ہیں' جو آدمی بھائی الیاس کی گردن اور پیٹھ پر سوار ہوتا' جب وہ نزدیک آیا تو اس کے چہرے کے تاثرات کچھ اچھے نہ تھے کہاں لڑکیوں کے سر کمر اور کہاں اپنے بھائی الیاس آناً فاناً پیرا شوٹ اٹھا تھائی مرد گردن اور پیٹھ پر سوار ہوا۔ لیکن اب اس کی چستی اور تیزی میں نمایاں کمی تھی بھائی الیاس کو ایک جھٹکا لگا۔ بھابی شمیم نے خوش ہو کر تالیاں بجائیں اچانک بھائی الیاس نے پلٹ کر بھابی شمیم کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں ''بروٹس یوٹو'' پھر وہ سمندر کے اوپر آسمان کی طرف بلند ہو گئے اور چند لمحوں بعد کسی پرندے کی طرح نظر آنے لگے بھابی شمیم گردن اٹھائے انہیں دیکھتی رہیں اس عرصے میں دو تین لڑکیوں کو پیراشوٹ کے بہانے ایک ایک تھائی

مرد کے حوالے کر کے اوپر بھیج دیا گیا۔ ہم کڑھتے رہے اچانک بھائی الیاس آسمان سے زمین کی طرف آنے لگے۔ ان کے ساتھ تھائی مرد نے کرتب دکھانے شروع کر دیئے پہلے وہ الٹا ہوا اس نے ٹانگیں بھائی الیاس کی گردن میں پھنسا دیں۔ وہاں سے وہ ان کی ٹانگوں کی طرف آیا۔ پھر پیٹھ سے چمٹ گیا یہ سب پیراشوٹ کو نیچے لانے کی ترکیب ہوتی ہے بھائی الیاس کے سلسلے میں کوئی اعتراض نہ تھا لیکن لڑکیوں کے بارے میں باوجود کہ ہم نادر نہیں تھے برا مانتے تھے۔

بھائی الیاس زمین پر آئے تو بھاگنا بھول گئے معہ پیراشوٹ زمین پر گر گئے شاید تھائی مرد ان پر گرا۔ جلدی سے لوگوں نے پیراشوٹ اٹھایا۔ بھائی الیاس کے حواس باختہ تھے۔ کئی منٹ تک وہ شمیم بھابی کو تھائی مرد سمجھ کر دھکے دیتے رہے ان کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ دونوں بازو کہنیوں سے زخمی ہو گئے تھے۔ ایک گھٹنے پر خراش آئی تھی۔ لیکن شرمندگی کے مارے بار بار کہہ رہے تھے۔ ''نہیں چوٹ نہیں لگی۔ کوئی بات نہیں۔ سب ٹھیک ہے''۔ لیکن دراصل کچھ ٹھیک نہیں تھا اور یہ واپسی تک رہا بلکہ کیا خبر اب بھی کبھی کبھی آسمان دیکھ کر ان کے بازو درد کی کسک دے جاتے ہوں ہمارا خیال ہے یہ سب ایک منصوبہ بندی کے ساتھ ہوا۔ بھائی الیاس بھابی کو ڈالر دیتے وقت دو چار جملے کہتے منہ بناتے۔ سست ہو جاتے۔ پیراشوٹ کی سیر کے بعد یہ سلسلہ ختم ہوا۔ بھابی کو جو رقم درکار ہوتی ہو ان کی جیب میں ہاتھ ڈالتیں نکال لیتیں بلکہ خود بھائی الیاس کہتے ذرا میری جیب سے نکال لو۔ کیونکہ آنے والے چھ دن تک بھائی الیاس دونوں ہاتھ نہ اوپر اٹھا سکتے تھے نہ درد کی وجہ سے بھابی شمیم کو ڈانٹ سکتے تھے سوائے ایک مصرعہ دہرانے کے ''تم ہی نے درد دیا ہے تم ہی دوا دینا'' اور کمرے میں جاتے ہی دونوں بازوؤں پر کسی کریم کی مالش شروع ہو جاتی تھی۔

بھائی الیاس کے گرد سب جمع ہو کر ان کے تاثرات معلوم کر رہے تھے۔ وہ صرف ایک جملہ کہہ رہے تھے۔ ''مزہ آیا۔ بہت مزہ آیا''۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان کے منہ سے ایک اور جملہ نکلتا تھا جو صرف ہم سن رہے تھے ''لعنت ہو پیراشوٹ پر اور کورل آئی لینڈ پر'' ہم بھائی الیاس کو لے کر اس طرف آئے جہاں پانی پر اسکیٹنگ کے لئے اسکوٹر کھڑے تھے پہلے کامران مرزا نے اسکیٹنگ کی۔ اس کے بعد فاطمہ عطر والا اسکوٹر کے ساتھ سمندر میں چل پڑیں اسکوٹر چھینٹے اڑاتا دور نکل گیا۔ پھر وہ اِدھر اُدھر کے چکر لگانے لگا۔ فاطمہ دونوں ہاتھوں میں رسی پکڑے دونوں پاؤں میں

لکڑی کے اسکیٹ باندھے کشتی کے ساتھ ساتھ چکر لگا رہی تھی۔ سب کنارے پر ہنس رہے تھے۔ فاطمہ کی واپسی شروع ہوئی۔ اسکوٹر کنارے پر گہرے پانی میں آکر رک جاتا تھا۔ اس کے رکتے ہی اسکیٹنگ کرنے والا شخص پانی میں گر جاتا تھا اور پھر وہ تیر کر کنارے پر آتا اسکوٹر کنارے کے نزدیک آکر رک گیا اور فاطمہ پانی میں گر کر ہاتھ پاؤں مارنے لگی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ڈوب رہی ہے ہم نے اس کے شوہر سیفی سے پوچھا ''فاطمہ کو تیرنا آتا ہے'' وہ بولے ''نہیں'' اتنا سنا تو برابر میں کھڑا کامران مرزا پانی میں کود گیا اور فاطمہ کو ڈوبنے سے پہلے نکال لایا۔ جب وہ ہم سب کے نزدیک پہنچی تو ریت پر بیٹھ گئی۔

''آپ کو تیرنا نہیں آتا تو اسکیٹنگ کے لئے کیوں چلی گئیں....''

''میں لائف جیکٹ پہنے ہوئی تھی'' وہ بولی

''لائف جیکٹ؟'' ہم نے حیران ہو کر پوچھا'' آپ اسے لائف جیکٹ کہہ رہی ہیں جو ایک باریک سے کپڑے کی جیکٹ تھی''۔

''جی'' وہ پریشان ہو کر بولی

''آپ سمندر سے زندہ واپس آگئیں کافی ہے'' ہم نے کہا۔

''تم نے کبھی پہلے واٹر اسکیٹنگ کی ہے'' جمیل زکریا نے پوچھا۔

''نہیں'' فاطمہ نے جواب دیا۔

''ارے تم نے غضب کر دیا اگر ذرا سا جھٹکا لگتا تو کمر'' جمیل زکریا نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''یہ سب سیفی کی شرارت تو نہیں تاکہ وہ دوسری شادی کر سکے''...... بھائی الیاس کے ہوش اب ٹھکانے آگئے تھے۔

سیفی ہنسنے لگا۔ ''عباسی صاحب مجھے بتائیے کیا جو جیکٹ میں نے پہنی تھی۔ وہ لائف جیکٹ نہیں تھی'' فاطمہ نے پوچھا۔

''نہیں'' ہم نے کہا۔ ''وہ عام جیکٹ سے بھی گئی گزری تھی'' اور اسی لمحہ فاطمہ مارے خوف کے بے ہوش ہو گئی۔

فاطمہ نے ایک آنکھ کھول چاروں طرف دیکھ کر پوچھا ''کیا میں زندہ ہوں؟''

''ہاں اس دنیا میں ہو ابھی تک سیفی عطر والا تمہارا شوہر ہے۔ اور چاروں طرف سمندر ہے'' فاطمہ نے دونوں آنکھیں کھول کر دائیں بائیں ہمسفر ساتھیوں کو دیکھا جہاں پشت پر سمندر بھی ابل رہا تھا۔ اب وہ سمندر سے خوفزدہ تھی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ اس خونخوار سمندر کے سینے پر پندرہ منٹ تک اسکیٹنگ کرتی رہی ہے۔ اعتماد اور یقین انسان کو بہادر بنا دیتا ہے۔ ہم خود اپنا یقین اور اعتماد خدا پر رکھ کر دنیا کے میدانوں میں فتح یاب ہوتے ہیں۔ نگہت لوٹیا رضیہ اور بھابی شمیم، فاطمہ کو تسلیاں دیتی رہیں۔

جزیرہ اب ویران ہونے لگا دکانوں کی رونقیں ماند پڑنے پڑ گئیں۔ سیاح جانے لگے آنند نے واپسی کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ سب لوگ ساحل پر جمع ہونے لگے۔ تب اچانک ہمیں ایک آواز سنائی دی۔ ''گڈ بائی'' ہم نے پلٹ کر دیکھا ایک تھائی لڑکی کھڑی تھی۔ ہم حیران رہ گئے اس جزیرے پر ہمیں کوئی الوداع کہنے والا ہے۔ لڑکی نے ہاتھ ہماری طرف بڑھا دیا ہم نے پہچان لیا یہ وہ لڑکی تھی جس سے چابی کے چھلے خریدے تھے لیکن اس وقت یہ ایک یتیم لڑکی نظر آرہی تھی اور اب اس کا نیا روپ تھا۔ ہم نے سوچا چابی کے کچھ اور چھلے خرید لیں اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس خواہش کا اظہار کیا۔ لیکن اس نے معذرت کر دی دکان بند کر دی گئی تھی۔ وہ گھر لوٹ کر جا رہی تھی۔ سارے دن سیاحوں کے ہاتھ سووینز بیچ کر وہ پلٹ کر چلی گئی۔ چند قدم کے فاصلے پر ایک موٹر سائیکل کھڑی تھی جس پر ایک نوجوان بیٹھا تھا لڑکی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی موٹر سائیکل اسٹارٹ ہوئی لڑکی نے ہاتھ ہلایا اور چند لمحوں بعد پہاڑ کی اوٹ میں چلی گئی۔ یہ سب ماضی ہو گیا۔

آنند نے ایک ایسی کشتی میں بٹھایا جس کا پیندا فائبر گلاس کا تھا اور کہا نیچے دیکھیں سب نے حیرت سے دیکھا سمندر کی تہ تک نظر آرہی تھی۔ شفاف پانی میں مچھلیاں، پودے نیچے پتھر اور عجیب قسم کی کائی تھی۔ اتنے میں شور ہوا کوئی آدمی کشتی کے نیچے سے گزرا ہے کہاں؟ کدھر کئی آوازیں آئیں ہمارا جرمن ہمسفر کشتی کے کنارے پر نمودار ہوا۔ یہی تیرتا ہوا کشتی کے نیچے سے نکلا تھا۔ سب کی فرمائش پر ایک بار پھر تیرتا ہوا نکلا اور فائبر گلاس کی تہہ سے صاف نظر آیا سمندر ایک گہرا راز ہے اس میں کون سی مخلوق آباد ہے۔ اس میں کتنی غذا پوشیدہ ہے انسان کا پتہ لگانے میں مصروف

ہے۔ہم سب سمندر کی تہہ میں نظر آنے والی چیزوں پر حیران ہو رہے تھے۔خوش ہو رہے تھے جب آنند کو احساس ہو گیا کہ ہم سب حیران پریشان ہو چکے تو اس نے اس بڑی کشتی میں سوار کرایا جو واپس پتایا بیچ لے کر جاتی سمندر اب زیادہ خونخوار نہ تھا۔لوگ تھکے ہوئے تھے اس لئے کشتی میں پڑی کرسیوں پر بیٹھنے پر زیادہ توجہ دی اس مرتبہ یہ کشتی ہوٹل کے بالکل سامنے جا کر رکی ایک چھوٹی سی کشتی کے ذریعے ساحل پر پہنچے اور پیدل ہوٹل چل دیئے جہاں گیٹ پر ایک نل لگا تھا۔سب نے جوتے اور ہاتھ منہ اچھی طرح دھو کر اپنے کمروں کا رخ کیا آنند نے اعلان کیا۔ٹھیک چھ بجے شو دیکھنے چلنا ہے۔جب تک آرام کریں نادر لپک کر باتھ روم گیا پھر دیر تک انتظار کرتا رہا۔لیکن موہنی صورت والی لڑکی چلی گئی۔

ہمارا کمرہ دوسری منزل کے آخری کونے میں تھا۔نہایت خوبصورت لیکن ایک پریشانی تھی کمرے میں لائٹ نہیں تھی اس لئے نہ کوئی بلب جل سکتا تھا نہ ایئر کنڈیشن آن ہو سکتا تھا ہم نے گھبرا کر استقبالیہ کو فون کیا وہاں جو خاتون موجود تھیں انہوں نے انگریزی سمجھنے سے انکار کر دیا اتنا کرم کیا ایک انگریزی بولنے والے صاحب کو پکڑ لائیں۔ہم نے انہیں پریشانی بتائی وہ ہنسنے لگے اور بولے اندر دروازے کے برابر چابی رکھنے کی جگہ بنی ہے آپ اس میں چابی رکھیں تو کمرے میں روشنی آ جائے گی۔یہاں لائٹ کا یہی دستور ہے ہم نے شکریہ ادا کیا اور جس چابی کو لاپروائی سے ٹیلی ویژن پر پھینک دیا تھا اسے اٹھا کر عزت سے چابی کی بنی ہوئی جگہ رکھا اور کمرہ روشن ہو گیا۔

ایئر کنڈیشن بھی ایک آواز سے چل پڑا ٹیلی ویژن زندہ ہو گیا۔ہم نے فریج کھول کر دیکھی وہ دنیا بھر کی مشہور شراب کی بوتلوں سے بھری تھی اور ایک کارڈ پر سب کی قیمتیں لکھی تھیں بعض شراب اور پانی کی بوتل کی ایک قیمت تھی ہم زمین پر بیٹھ کر ایک ایک بوتل نکال کر ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگے۔ان کا رنگ ان کا وزن اور اس میں بھرا شر ایک بوتل ہاتھ سے گرتے گرتے بچی تب ہم نے سوچا اگر یہ ٹوٹ جاتی تو اس کی بو سارے کمرے میں پھیل جاتی۔پھر کمرے میں آنے والے ہم سفروں کو کیسے یقین دلاتے کہ ہم ایسا کوئی کام نہیں کرتے جس میں شر ہو۔سب بوتلیں اندر رکھ دیں ڈر کے مارے پانی کی بوتل بھی استعمال نہ کی کیا خبر لیبل بدل گیا ہو تو۔

منہ ہاتھ دھو کر بستر پر دراز ہوئے تو سکون محسوس ہوا۔پھر آنکھ لگ گئی ساڑھے پانچ بجے

آنند کی کال تھی۔نہا کر تر و تازہ ہو کر نیچے پہنچے تو بھوک کا احساس ہوا ہوٹل کے خوبصورت کیفے میں جا کر کچھ کھانے کو جی چاہا ۔ست دیکھ کر صرف ایک چیز کھانے کے قابل نظر آئی وہ تھی ''چین کیک'' ہم نے اس کا آرڈر دیا اور اطمینان سے بیٹھ گئے ایک ایک کر کے ہمارے اور ہمسفر بھی آئے اور چائے' کافی پی کر چلے گئے ہم نے بھی کافی پی لیکن چین کیک نہیں آیا ظالموں نے نام تو لکھ دیا تھا۔اس کے بنانے کی ترکیب نہ آتی تھی۔ہم سے کافی اور چین کیک کا بل لے لیا۔جب تک ہم بس میں نہ بیٹھے اور بس نہ چلی بار بار پوچھ آتے چین کیک بنا اور وہ ایک ہی جواب دیتے ''تیار ہو رہا ہے'' رات کو ایک بجے جب واپس آئے تو اس وقت تیار ہو رہا تھا چین کیک کی تیاری میں ایک عرصہ لگ گیا ہمارے باہر جانے کے بعد کیک بنانے کی ترکیب والی کتاب بازار سے منگائی گئی پہلے وہ فرانسیسی میں آ گئی پھر انگریزی کا نسخہ ہاتھ لگا اسے دیکھ کر چین کیک بنایا گیا اور ہمیں رات کو ایک بجے پیش کیا گیا۔

پتایا میں لیڈی بوائے سے ملاقات

پتایا بیچ پر دنیا کا ایک عجیب وغریب شو ہوتا ہے جس میں سیکڑوں لڑکے رقص موسیقی اسٹیج کرتے ہیں یہ لڑکے ہانگ کانگ جا کر ہزاروں بھات خرچ کر کے اپنی ظاہری شکل عورتوں کی بنوالیتے ہیں تھائی لینڈ میں سب کی ناک بیٹھی ہوئی ہوتی ہے۔لیکن ان لڑکوں کی ستواں اور حسین ناک ہوتی ہیں۔ یہ چہرے کی نقوش بھی بدلوا لیتے ہیں اور پھر حسین لڑکیوں سے زیادہ حسین نظر آتے ہیں پتایا میں اس شو کے دو تھیٹر ہیں جن میں بیک وقت چودہ سو ناظرین شو دیکھ سکتے ہیں اس کا ٹکٹ دس امریکی ڈالر ہے۔کرسمس اور نئے سال کے آغاز کا زمانہ سیزن کہلاتا ہے۔ان دنوں یہ تھیٹر دن میں دو شو کرتے ہیں۔اسی طرح اندازہ لگائیں تو امریکہ کا سارا ڈالر یہاں آجاتا ہے یہ لڑکے اپنے حسن و جمال میں لاثانی ہوتے ہیں۔اس حد تک کہ بعض امریکی سیاحوں نے شادی کرلی اور پھر مقامی انتظامیہ کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔تھائی حکومت اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے سنجیدگی سے غور کررہی ہے۔آنند ہمیں جلدی لے جانا چاہتا تھا۔ ہمارے ساتھیوں کو اطمینان تھا سیٹیں بک ہیں شو سات بجے شروع ہوتا ہے۔ پھر ایک گھنٹے پہلے جانے سے کیا حاصل دراصل کسی کو اس شو کی مقبولیت اور لوگوں کے ذوق کا اندازہ نہ تھا آنند نے ساڑھے چھ بجے ہال پر پہنچا دیا وہاں قیامت کا

منظر دیکھا اندر جانے کے لئے جو لائن لگی تھی وہ باہر نکل کر فٹ پاتھ پر دور تک چلی گئی تھی ہم نے حیران ہو کر دیکھا اور بہت سے لوگوں کے پیچھے لگ گئے ٹکٹ کے ساتھ ایک کوپن بھی تھا۔اپنی پسند کے ایک ڈرنک مفت حاصل کی جا سکتی تھی۔

آنند بار بار سب کو یقین دلا رہا تھا کہ یہ شو بنکاک بائی نائٹ کی طرح نہیں ہے اس میں سب جا سکتے ہیں لیکن بھائی افضل بھابی فرحت اندر جاتے ہوئے ڈر رہے تھے پہلا شو ختم ہوا تو لائن نہایت سست رفتاری سے آگے بڑھی اندر بڑا سا ہال اور اس کے دونوں طرف اسٹیج کے دائیں بائیں نکلی ہوئی گیلریاں۔اندر جا کر احساس ہوا کہ شاید پہلا شو دیکھنے والے باہر نہیں نکلے ہیں سارا ہال لوگوں سے بھرا تھا۔ نہ کوئی ریزرویشن نہ سیٹ نمبر جہاں جس کا جی چاہے بیٹھ جائے لوگ اچھی سیٹوں کے لئے ادھر سے ادھر بھاگ رہے تھے ہمیں ہال میں جگہ نہ ملی تو دائیں طرف کی گیلری کی طرف لپکے وہاں دو تین سیٹیں مل گئیں ایک سیٹ پر بیٹھے تو نادر کو ساتھ پایا باقی لوگ کہاں رہ گئے کچھ پتہ نہ چلا انسانوں کے اس سیلاب کا کوئی بند نہیں تھا سب ادھر ادھر بہہ رہے تھے۔

لوگ اندر چلے آرہے تھے شاید سات سو سے زیادہ ہوں نادر نے اپنی پسند کی مشروب لانے کے لئے کہا ہم نے ڈانٹ دیا ایسے میں باہر گئے تو پھر اندر کیسے آؤ گے یہ بات نادر کی سمجھ میں آگئی۔

اچانک ہال میں اندھیرا چھا گیا اور ایک زوردار چھناکے کی موسیقی کے ساتھ پردہ اٹھا تو رنگوں کی دھنک تن گئی۔

ایک نئی دنیا دکھائی دینے لگی رنگوں، روشنیوں، آوازوں اور سازوں کی ہر موسیقی کی لہر رقص کا انداز تیز تھا نظر ایک لمحہ کو اٹھتی نہ تھی کیبرے میں کئی گانے امریکی بحریہ کے تھے دور سے وردی تک امریکی بحریہ کی لگتی تھی ہجر وصال اور جدائی کے نغمے بھی تیز دھنوں کے تھے۔ لیڈی بوائے بڑی اچھی اداکاری کر رہے تھے۔ہال میں پن گرانے والی خاموشی اور ہر رقص کے بعد تالیاں ہی تالیاں تھیں آنکھیں اور دل یقین کرنے کو تیار نہیں تھا کہ حسین وجمیل لہراتی بل کھاتی لڑکیاں دراصل لڑکے ہیں ہمارے کئی ہمسفر آج بھی یقین نہیں کرتے ہم نے بھی انہیں یقین دلانے کی کوشش نہیں کی ایک لیڈی بوائے نے کمال کردیا وہ دائیں طرف زنانہ بائیں طرف مردانہ لباس پہنے ہوئے تھے۔دائیں طرف کا رخ تو لڑکی نظر آتا گاتا بھی اسی آواز میں تھا بلکہ الٹا ہاتھ بالوں میں پھیرتا جو

مردانہ تھا پھر وہ تیزی سے بائیں طرف کا رخ کر کے کھڑا ہوا تو مرد نظر آنے لگا ہال میں بیٹھے ہر شخص نے اسے پسند کیا نادر کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ سب کیا ہے اور تیزی سے لڑکا لڑکی اور لڑکی لڑکا بن جاتا ہے یہ کمال فن تھا اخیر میں اگلی صف میں بیٹھے ہوئے بہت سے مردوں کو لیڈی بوائز نے رقص کی ایک دھن پر بلا کر نچانا شروع کر دیا غالباً نچانا ان کا پرانا مشغلہ ہے سیاح ڈالر دے کر ان کے ساتھ ناچتے ہوں گے۔ ٹکٹ خرید کر اگلی صف میں بیٹھنے والوں کے لئے یہ عیاشی مفت ہے پردہ گرا ہال روشنیوں سے جگمگا تا تو سب لوگ واپس اپنی دنیا میں لوٹ آئے۔

ہال کے باہر لیڈی بوائے کھڑے تھے لوگ ان کے ساتھ تصویریں کھنچوا رہے تھے بعض نے تصویر نزدیک سے بنوانے کے لئے بھات بھی دیئے آنند بس کے ساتھ کھڑا تھا اور روح کو غذا کے بعد اصل غذا کی ضرورت تھی اسی کا اہتمام تھا۔

لطیف ہوٹل ایک پاکستانی کی ملکیت ہے اس کے کرتا دھرتا لطیف کسی صنف لطیف کے چکر میں گئے ہوئے تھے اس لئے ان کے بھائی جاوید اختر سے ملاقات ہوئی پتایا باورچی بن کر آئے تھے آج بھی باورچی ہیں لیکن باورچی کم منیجر اس شام کے سارے کھانے ان کی تصنیف تھے اچھے تھے خاص طور سے گھی سے تر بتر سوجی بادام پڑا حلوہ اختر نے تھائی لینڈ والوں اور پتایا کی برائی خوب کی بس گالیاں نہیں دیں ان کی نفرت کا سبب تھوڑی دیر میں سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گیا جس مکھ ملنسار تھائی جس کا نام سوم جی تھا۔ اور جاوید اختر کی بیوی تھی ہمیں اچھی لگی آدمی تھوڑی دیر کے لئے ملے تو اچھا لگتا ہے جاوید اختر اس وقت کو رو رہا ہو گا جب تھوڑی دیر کو مل کر ہمیشہ کے لئے ساتھ ہو گیا۔ لطیف ہوٹل چوبیس گھنٹے کھلا رہتا ہے یہاں زیادہ تر عربی سیاح آتے ہیں۔ جاوید اختر کو ہر سیاح ناپسند تھا۔

پہلے امریکیوں کے خلاف بولتا رہا پھر عربوں کو گالیں بکنے لگا ہم لاکھ باتیں کرتے رہے اپنے اور عربوں کے برادرانہ مخلصانہ تعلقات کا واسطہ دیتے رہے لیکن یوں لگتا تھا جاوید اختر کو دبئی سے ڈی پورٹ کیا گیا تھا عربوں کے قصے سنانے لگا وہ صرف سننے کے تھے کسی دوسرے کو سنانے کے نہیں۔

نومبر دسمبر پتایا بیچ پر انگریزوں' امریکیوں اور یورپیوں کا موسم ہے سڑکیں انہی سے بھری تھیں

دکانیں انہی کا سواگت کرتی ہیں اس موسم میں ڈالر کی قیمت گر جاتی ہے یہ سیاح اس گری ہوئی قیمت کو بھی نعمت سمجھتے ہیں ان دنوں سونا بھی مہنگا ہو جاتا ہے شراب' شباب' شب پرانے حساب سے ہوتی ہے فروری سے عرب آنے لگتا ہے اس وقت سونا اور ڈالر دونوں سستے ہو جاتے ہیں عرب کو اس کی کب پروا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے خرید لیتا ہے کسی دن جوش میں آیا تو پتایا بیچ خرید لے گا۔ اور تھائی دیکھتے رہ جائیں گے جاوید اختر نے امن وامان کی صورتحال بھی نازک بتائی چوری اور قتل کی بہت سی داستانیں سنا سنا کر ہمیں ڈراتا رہا کان میں چپکے سے کہا "یہاں ایڈز بہت ہوتی ہے" ہم چونک گئے اپنے کان پر ہاتھ لگا کر دیکھا کہیں انفیکشن نہ ہو پھر مسکرا کر اطلاع دی کہ ایڈز کا علاج فوراً ہو جاتا ہے پریشان نہ ہوں دو انجکشن لگاتے ہیں آدمی صحت مند ہو جاتا اور ملک چلا جاتا ہے وہاں جا کر کیا ہوتا ہے اس میں تھائی والوں کا کوئی تعلق نہیں قتل چوری اور ایڈز کو ہر طرح چھپایا جاتا ہے ورنہ سیاح کیوں آئیں۔

ہم نے کہا "جاوید اختر اگر تم پاکستان آ کر دو چار تقریریں ایک دو مضمون اخبار میں شائع کرا دو تو لوگ پتایا بیچ کے نام سے ڈرنے لگیں" اس پر وہ ہنسنے لگا اور ہمیں سکا ہوا ناریل سونف اور تل کھانے کو دیئے ہم نے کھانے کی تعریف کی تو چائے بھی پینے کو مل گئی۔ آنند غریب کو کیا معلوم ہم پتایا اور تھائی لینڈ کے خلاف اپنے دل میں جاوید اختر کی زبان سے زہر بھر رہے ہیں۔

یہ 25 دسمبر کی رات تھی پتایا بیچ کے بازاروں اور دکانوں کی سیر کی جائے مطلب تھا جو بھات بچ گئے جو ڈالر ابھی مٹھی میں ہیں انہیں پتایا بیچ والوں کے حوالے کئے جائیں اس تجویز پر سب سے زیادہ بھابی شمیم نے خوشی کا اظہار کیا باقی سب بھی ان کی امامت پر تیار ہو گئے بھائی الیاس نے ٹھنڈا سانس لیا لیکن لطیف ہوٹل کی ٹھنڈی فضا میں وہ سانس ضائع ہو گئی پتایا شہر سے پتایا سٹی ہوٹل جانے کے لئے بس کی سہولت ختم ہو گئی آنند نے گائیڈ کیا واپسی کے لئے بازار سے ویگن کرائے پر لی وہ فی کس زیادہ سے زیادہ دس بھات لے گی اس طرح جب تک جی چاہے بازار میں گھومیں شاپنگ کریں اور سب ایک جگہ جمع ہو کر واپس ہوں یہ مشورہ سب نے تسلیم کیا اور آنند صبح تک کے لئے خدا حافظ کہہ گیا۔

پتایا بیچ کا شہر زیادہ بڑا نہیں ہے لیکن اس کے بازو اس کا دل بڑا کشادہ ہے آنند نے بتایا تھا

چلا مسافر سنگاپور

جہاں گلابی روشنی جلتی نظر آئے سمجھ لیں شراب خانہ ہے اب جو نظر بھر کر دیکھا تو پورا پتایا گلابی ہو رہا ہے گلابی رنگ محبت کا' حیا کا اور زندگی کی حرارت کا ہے پتایا میں زندگی اپنے پورے جوبن کے ساتھ نظر آرہی تھی۔ ہر دکان گلابی تھی یا ہمیں نظر آرہی تھی۔

ایک بڑا سا اسٹور تھا اس کا نام مائیک تھا ریڈیو میں ملازمت کے حوالے سے یہ نام پسند آیا اس کا ایک دروازہ دائیں طرف کی سڑک پر تھا تو دوسرا بائیں طرف کی سڑک۔ چاہیں تو ایک سڑک سے پشت کی سڑک پر اس اسٹور سے گزر کر جاسکتے ہیں جمیل زکریا نے فیصلہ کیا سب لوگ ساڑھے بارہ بجے رات اسی اسٹور کے سامنے ہوٹل واپسی کے لئے جمع ہو جائیں اس کے بعد سب اپنی اپنی پسند کی دکانوں کی طرف چل پڑے۔

ہم بھائی الیاس اور بھابی شمیم کے ساتھ ایک اسٹور میں چلے گئے یہاں دنیا بھر کی چیزیں بھری تھیں سیلز گرلز کا اصرار تھا کہ کچھ نہ کچھ لے کر ضرور جائیں ان کی ضد دیکھ کر سب کچھ خریدنے کو جی چاہنے لگا اب مسئلہ انتخاب کا تھا ہر بار نظر ان کے ہاتھوں اور چہروں پر پڑ جاتی جب ذرا دیر ہوئی اور ہم کچھ نہ خرید سکے پھر سچ بولنے کے علاوہ اور کچھ سمجھ میں نہ آیا اپنے انتخاب کا اعلان کیا تو سیلز گرل شرمانے لگی یہ موقع اچھا تھا ہم باہر نکل آئے۔

دکانیں سامان سے اور فٹ پاتھ لوگوں سے بھرے تھے سامنے ایک بار نظر آئی اس میں ایک بڑا سا باکسنگ کا ایرینا بنا تھا ہمارے لئے کسی شراب خانے میں لڑنے جھگڑنے اور باقاعدہ مکا بازی کا انتظام دیکھنے کا پہلا موقع تھا ہم نے اندر جا کر پوچھا تو معلوم ہوا یہاں شراب پی کر نشے میں لڑنے کی اجازت نہیں باقاعدہ پیشہ ور باکسر لڑتے ہیں ناظرین جام ٹکراتے اور اپنے اعصاب سے لڑتے ہیں اس ہوٹل میں نہ سافٹ ڈرنک ملتی نہ پانی یہ سب کام شراب سے انجام پاتا تھا باتھ روم میں گئے نہیں کیا خبر وہاں کے نلکوں میں شراب ہی نکلتی ہو جب ہم کاؤنٹر پر کھڑے تھے ادھر ادھر کئی لڑکیاں بے باکی سے سگریٹ پی رہی تھیں اور ہمیں توجہ سے دیکھ رہی تھیں ہم نے سوچا تھوڑی دیر اور کھڑے رہیں تو زبردستی جام حلق میں انڈیل دیں گی اس لئے باکسنگ کے شو کا وقت پوچھ کر باہر نکل آئے آزاد فضا میں۔

ایک جگہ ذرا سی تاریکی میں ایک صاحب نے روک لیا۔ سر! کرسمس نائٹ...... ہم دامن بچا

کر نکلے تو دیکھا سامنے ایک نہایت خوبصورت ہوٹل ہے گلابی رنگ میں ڈوبا نام تھا کپ' جی چاہا اندر سے ضرور دیکھیں دو قدم بڑھا کر اندر گئے دائیں طرف بڑا سا کاؤنٹر اس پر دو آدمی بیٹھے تھے ایک لڑکی اندر سے نکل کر ہماری طرف بڑھی ہم نے غور سے دیکھا یہ کون ہے وہ بھی ٹھٹکی چند لمحوں بعد ہم پہچان گئے یہ سیام پارک والی لڑکی تھی جس سے نادر نے وعدے کئے تھے بنکاک میں ہمیشہ ٹھہرنے کے لئے سادھو بننے کے لئے لیکن آج وہ ہمارے ساتھ نہ تھا۔

ہمیں دیکھ کر اس کے چہرے پر اداسی چھا گئی ہاتھ پکڑ کر ایک کمرے میں لے گئی جہاں نشست کا انتظام تھا۔ ہمیں صوفے پر بٹھا کر اس نے پوچھا کیا پئیں گے ہم نے بتایا ہم شراب نہیں پیتے وہ کمرے سے چلی گئی۔ تب ہم نے سوچا اس سے تفصیل سے پوچھیں گے پتایا میں اپنی معمولی شکل کے ساتھ کپ میں کیا کر رہی ہے۔

چند لمحوں بعد وہ آ گئی ایک ٹرے میں دو گلاس بھرے ہوئے زرد اناس کے رس برف کے ساتھ ایک گلاس اس نے ہماری طرف بڑھا دیا۔

''تم یہاں پتایا میں کیسے''؟ ہم نے پوچھا

میں یہاں رہتی ہوں اپنی بوڑھی ماں اور بہنوں کے ساتھ۔ میری ماں بیمار ہے دو بہنیں چھوٹی ہیں علاج کا بندوبست نہیں میری شکل اچھی نہیں اس لئے نوکری نہیں ملتی۔

لیکن یہاں تم......

نوکر ہوں لیکن اندر کے کام کے لئے باہر گاہکوں کے پاس نہیں جا سکتی آپ کو دیکھا تو چلی آئی تھی آج ماں کی طبیعت زیادہ خراب ہے اس کی آنکھوں میں گدلا سا دریا چھلکنے لگا۔

افسوس ہے۔ ہم نے کہا۔

''کوئی بات نہیں'' اس نے آنکھیں پونچھیں۔

زندگی بھر ہماری ایک کمزوری ہمیشہ نقصان پہنچاتی رہی۔ کسی آنکھ میں آنسو برداشت نہیں ہوتا ایسا محسوس ہوتا کہ یہ دو قطرے ساری دھرتی جل تھل کر دیں گے بستیاں ڈوب جائیں گی زندگی اپنی ساری تمازت اور حسن کھو دے گی۔ ہم نے جلدی جلدی اناس کا جوس اپنے گلے میں اتارا جیب سے ایک سو بھات نکال کر ٹرے میں رکھے اور چپ چاپ اٹھ کھڑے ہوئے۔

''آپ کا شکریہ'' اس نے افسردگی سے کہا۔

''کاش تم سیام پارک والی لڑکی ہی رہتیں تو سب اچھا تھا''۔

''سیام پارک؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''تم سیام پارک میں تھیں۔''

''نہیں میں بتایا ہے کبھی باہر نہیں گئی آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے'' ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ سچ چھپا رہی ہے یا ہماری آنکھیں دھوکا کھا رہی ہیں۔

باہر نکلے تو سمندر کی جانب سے آنے والی ہوا میں نمی تھی۔ پتایا جاگ رہا تھا پوری آب و تاب کے ساتھ ہمارے قدم سپر اسٹور مایک کی طرف اٹھ گئے جہاں سب ہمارے منتظر تھے جمیل زکریا نے ایک بڑی سی ویگن کرائے پر لی اور واپسی کا سفر شروع ہوا شہر ختم ہوا تو ویرانہ آ گیا آسمان پر آخری تاریخوں کا زرد چاند بادلوں سے کھیل رہا تھا ذرا دیر میں سمندر کی بھیگی ہوا جسم سے ٹکرانے لگی۔ دائیں طرف سمندر کا شور اور بائیں طرف ہوٹلوں کی کھڑکیوں سے باہر گرتی روشنی یہ سب منظر اچھا لگا دیر تک سفر جاری رہا ایک سحر تھا جو چاروں طرف پھیلا تھا ہوٹل کے گیٹ پر جادو ٹوٹ گیا۔

ہوٹل کے استقبالیہ پر لڑکی چاق و چوبند بیٹھی تھی ہم نے اس کی پشت کی دیوار پر لگی گھڑی دیکھی نئی تاریخ بدلے ایک گھنٹہ ہو چکا تھا اپنے کمرے میں آ کر سمندر کی طرف والی کھڑکی کے پٹ کھولے تو اداس بھیگی چاندنی اندر آ گئی تب ہم نے کمرے کی روشنی بجھا دی چاندنی بڑھ کر ہمارے بیڈ تک آ گئی یوں محسوس ہوا جیسے آسمان سے اتر کر حسن کی دیوی ہمارے کمرے میں حصہ دار بن گئی دور سے سمندر کے سر پٹخنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں زندگی میں ایسے لمحے بہت کم آتے ہیں۔

قدرت کا سارا حسن ساری نزاکتیں میسر تھیں جی چاہا دروازہ کھول کر سمندر کے کنارے چلے جائیں اور ساری رات اس کی لہروں کو کھیلتے دیکھیں چاند کو اپنا سفر پورا کرنے میں بادلوں کی آنکھ مچولی دیکھیں۔ اسی وقت کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا چاندنی کمرے سے یوں چلی گئی جیسے اس کی چوری پکڑی گئی دروازے پر بیرا تھا ایک ڈھکی ہوئی ٹرے لے کر۔

''کیا ہے؟ ہم نے کچھ نہیں منگایا''

''سر آپ کا پین کیک تیار ہے''

''اوہ مائی گاڈ آخر یہ تیار ہو گیا شکریہ اسے وہاں میز پر رکھ دو'' بیرا چلا گیا ہمیں احساس ہوا ظالم سماج ہر جگہ ہے اب جو روشنی بجھا کر دیکھا تو چاندنی گہرے بادلوں کے پیچھے قید ہو گئی تھی دل آزردہ ہو گیا جیسے کوئی عزیز دوست بچھڑ جائے۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی نگہت لوٹیا کا فون تھا آپ جاگ رہے ہیں تو ہماری طرف آ جائیں وہاں نادر بھائی الیاس بھائی بھابی سب ہی تھے۔

''کیا پئیں گے؟''

''بہت ٹھنڈا پانی'' ہم نے کہا

''سیون اپ'' شبیر لوٹیا نے کہا

''پانی'' ہم نے اصرار کیا۔

''یہ آپ کیا لائے ہیں'' بھابی شمیم نے پوچھا۔

''پین کیک ہے'' ہم نے فخر سے پلیٹ پیش کی۔

''اس وقت اتنی رات گئے یہ کہاں سے آیا' کیا سپر ٹریولرز والوں نے دیا ہے نگہت لوٹیا نے پین کیک کو دیکھ کر حیرت سے کہا۔

ہم نے پین کیک کی روائیداد سنا دی سب مشتاق ہوئے کہ کھا کر دیکھیں کیا چیز بنی ہے ایک چھری سے اس کے ٹکڑے کئے گئے سب نے چکھا ایک چھوٹا سا ٹکڑا اس پتایا کے پین کیک کا ہمارے حصے میں بھی آیا جسے ہم نے پانی کے گھونٹ کے ساتھ نگلا ڈبل روٹی کا میٹھا ٹکڑا جو شاہی ٹکڑے اور فرینچ ٹوسٹ کے درمیان پایا جاتا ہے۔

اس وقت رات کے ڈھائی بجے تھے تھوڑا سا بھوک کا احساس ہوا نگہت نے بسکٹ نکالے بھابی شمیم مایک سے خریدا کیک لے آئیں سیون اپ اور پانی سے رات کا ناشتہ کیا لطیفے سنے' قہقہے لگائے بھائی افضل کو فاطمہ عطر والا کو فون کر کے آنند کی آواز میں ''مارننگ کال'' کہا جرمن جوڑے کو انگریزی میں اس کے سوئمنگ ڈریس چوری کر لینے کی دھمکی دی پھر سب تھک گئے اس لئے سونے کے لئے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

"آپ کا شکریہ" اس نے افسردگی سے کہا۔

"کاش تم سیام پارک والی لڑکی ہی رہتیں تو سب اچھا تھا"۔

"سیام پارک؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"تم سیام پارک میں تھیں۔"

"نہیں میں بتایا ہے کبھی باہر نہیں گئی آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے" ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ سچ چھپا رہی ہے یا ہماری آنکھیں دھوکا کھا رہی ہیں۔

باہر نکلے تو سمندر کی جانب سے آنے والی ہوا میں نمی تھی۔ پتایا جاگ رہا تھا پوری آب و تاب کے ساتھ ہمارے قدم سپر اسٹور مائیک کی طرف اٹھ گئے جہاں سب ہمارے منتظر تھے جمیل زکریا نے ایک بڑی سی ویگن کرائے پر لی اور واپسی کا سفر شروع ہوا شہر ختم ہوا تو ویرانہ آ گیا آسمان پر آخری تاریخوں کا زرد چاند بادلوں سے کھیل رہا تھا ذرا دیر میں سمندر کی بھیگی ہوا جسم سے ٹکرانے لگی۔ دائیں طرف سمندر کا شور اور بائیں طرف ہوٹلوں کی کھڑکیوں سے باہر گرتی روشنی یہ سب منظر اچھا لگا دیر تک سفر جاری رہا ایک سحر تھا جو چاروں طرف پھیلا تھا ہوٹل کے گیٹ پر جادو ٹوٹ گیا۔

ہوٹل کے استقبالیہ پر لڑکی چاق و چوبند بیٹھی تھی ہم نے اس کی پشت کی دیوار پر لگی گھڑی دیکھی نئی تاریخ بدلے ایک گھنٹہ ہو چکا تھا اپنے کمرے میں آ کر سمندر کی طرف والی کھڑکی کے پٹ کھولے تو اداس بھیگی چاندنی اندر آ گئی تب ہم نے کمرے کی روشنی بجھا دی چاندنی بڑھ کر ہمارے بیڈ تک آ گئی یوں محسوس ہوا جیسے آسمان سے اتر کر حسن کی دیوی ہمارے کمرے میں حصہ دار بن گئی دور سے سمندر کے سر پٹخنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں زندگی میں ایسے لمحے بہت کم آتے ہیں۔

قدرت کا سارا حسن ساری نزاکتیں میسر تھیں جی چاہا دروازہ کھول کر سمندر کے کنارے چلے جائیں اور ساری رات اس کی لہروں کو کھیلتے دیکھیں چاند کو اپنا سفر پورا کرنے میں بادلوں کی آنکھ مچولی دیکھیں۔ اسی وقت کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا چاندنی کمرے سے یوں چلی گئی جیسے اس کی چوری پکڑی گئی دروازے پر بیرا تھا ایک ڈھکی ہوئی ٹرے لے کر۔

"کیا ہے؟ ہم نے کچھ نہیں منگایا"

"سر آپ کا چین کیک تیار ہے"

"اوہ مائی گاڈ آخر یہ تیار ہو گیا شکریہ اسے وہاں میز پر رکھ دو" بیرا چلا گیا ہمیں احساس ہوا ظالم سماج ہر جگہ ہے اب جو روشنی بجھا کر دیکھا تو چاندنی گہرے بادلوں کے پیچھے قید ہو گئی تھی دل آزردہ ہو گیا جیسے کوئی عزیز دوست بچھڑ جائے۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی نگہت لوتیا کا فون تھا آپ جاگ رہے ہیں تو ہماری طرف آ جائیں وہاں نادر بھائی، الیاس بھائی، بھابی سب ہی تھے۔

"کیا پئیں گے؟"

"بہت ٹھنڈا پانی" ہم نے کہا

"سیون اپ" شبیر لوتیا نے کہا

"پانی" ہم نے اصرار کیا۔

"یہ آپ کیا لائے ہیں" بھابی شمیم نے پوچھا۔

"چین کیک ہے" ہم نے فخر سے پلیٹ پیش کی۔

"اس وقت اتنی رات گئے یہ کہاں سے آیا" کیا سپر ٹریولرز والوں نے دیا ہے نگہت لوتیا نے چین کیک کو دیکھ کر حیرت سے کہا۔

ہم نے چین کیک کی روئیداد سنا دی سب مشتاق ہوئے کہ کھا کر دیکھیں کیا چیز بنی ہے ایک چھری سے اس کے ٹکڑے کئے گئے سب نے چکھا ایک چھوٹا سا ٹکڑا اس پتایا کے چین کیک کا ہمارے حصے میں بھی آیا جسے ہم نے پانی کے گھونٹ کے ساتھ نگلا ڈبل روٹی کا میٹھا ٹکڑا جو شاہی ٹکڑے اور فریج ٹوسٹ کے درمیان پایا جاتا ہے۔

اس وقت رات کے ڈھائی بجے تھے تھوڑا سا بھوک کا احساس ہوا نگہت نے بسکٹ نکالے بھابی شمیم مائیک سے خریدا کیک لے آئیں سیون اپ اور پانی سے رات کا ناشتہ کیا لطیفے سنے قہقہے لگائے بھائی افضل کو فاطمہ عطر والا کو فون کر کے آنند کی آواز میں "مارننگ کال" کہا جرمن جوڑے کو انگریزی میں اس کے سوئمنگ ڈریس چوری کر لینے کی دھمکی دی پھر سب تھک گئے اس لئے سونے کے لئے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

ہم نے نیچے اترنے والا زینہ استعمال کیا اور استقبالیہ پر آ گئے جانے کیوں لڑکی اس وقت بھی مستعد بیٹھی تھی باہر رات کے پچھلے پہر کا جادو پھیلا ہوا تھا اس لئے لڑکی اچھی طرح دکھائی نہ دی آہستہ سے دروازہ کھول کر ہم باہر نکلے تو چاندنی قدموں میں آ گئی پھر کاندھوں اور پھر سارے جسم میں اتر گئی۔ سڑک ویران تھی سمندر کی لہریں بغیر تھکے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہی تھیں ناریل کے درخت چپ چاپ کھڑے کچھ سن رہے تھے ہم آہستہ قدموں سے دور تک چلے گئے ہر سمت نیلی چاندنی نے ڈیرے ڈالے تھے ریت ٹھنڈی تھی۔ پانی کناروں سے کھیل رہا تھا ہم کھڑے یہ منظر دیر تک دیکھتے رہے پھر نہ جانے کہاں سے بادل آ گئے سارا آسمان ڈھک گیا ہلکی سی پھوار پڑنے لگی چاندنی ہمیں ہوٹل سے باہر لائی تھی اور پھوار نے واپس جانے کی ضد کی دروازہ کھول کر اندر گئے تو استقبالیہ کلرک نے کہا ''صبح بخیر کافی یا چائے''۔ ''کافی کمرے میں''۔

''بہتر جناب۔''

کمرے میں پہنچے تو رات کا جادو ٹوٹنے لگا پتایا بیچ پر ایک نئی صبح طلوع ہو رہی تھی۔

جوس کا ایک قطرہ بشرٹ پر اور دیوانہ ہونا ایئر ہوسٹس کا

سادھو ہندوستان یاترا کو نکلے متھرا بنارس' کاشی کے بھگوان کے چرنوں میں پھول نہ چڑھائے یہ ممکن نہیں۔ اسی طرح جو بنکاک جاتا ہے سنگاپور کا رخ ضرور کرتا ہے۔ اس کی بہت سی وجوہ ہیں ہم صرف دو بتائیں گے۔ اول یہ کہ بنکاک سے سنگاپور کا ٹکٹ زیادہ مہنگا نہیں ہے دوسرے جوتے کپڑے بنکاک سے خریدیں تو الیکٹرانک کا سامان سنگاپور میں اس حد تک سستا ملتا ہے کہ بعض چیزوں کے ساتھ بیچنے والی گھر تک چھوڑنے آتی ہے۔

ہمارے سنگاپور جانے کی وہ حسین درخواست تھی جو ہمارے بچپن سے جوانی تک ساتھ ساتھ پروان چڑھی۔ اور جب بنکاک جانے کا منصوبہ بنا تو ''جیون میں ایک بار آنا سنگاپور'' ہر لمحے ستانے لگا۔ لاکھ دل کو تسلی دی کہ یہ آواز فلم کے لئے ابھری ہے۔ لیکن جب جیون ہے تو ایک بار سنگاپور جانے میں کیا حرج ہے۔ بلکہ وہاں کے حالات سازگار ہوں تو بار بار جانا چاہئے۔ اس بات کا تذکرہ ہم نے سپر ٹریولز والے مجاہد سے کر دیا تھا۔ اور اس نے ہنس کر کہا تھا۔

''سنگاپور تو آپ کو جانا ہی ہے ورنہ زندگی کا کیا مزہ'' اس لئے زندگی کا مزہ لینے سنگاپور جانا تھا۔ ہمارے ہمسفر سنگاپور کا نام سن کر اپنی جیب سے لمبی لمبی فہرستیں نکال کر اس پر نشان لگانے لگے۔ پتایا بیچ سے نکلے۔ گاتے بجاتے' کھاتے پیتے ہوائی اڈے پہنچے تو آنند نے اطلاع دی کہ ہمارے پاسپورٹ

میں واپسی کی راہداری نہیں ہے۔ایک بیکار سا کاغذ جسے ہم بنکاک ایئرپورٹ پر آمد کی خوشی میں پھاڑ چکے تھے۔وہی درکار تھا۔آنند پریشان تھا ہمیں اطمینان' بنکاک میں رہنا پڑا تو کیا فرق پڑتا ہے۔آنند ایک اچھا گائیڈ تھا اس لئے ذرا دیر میں مسئلہ بھی حل ہوگیا۔لاؤنج میں پہنچے تو اطلاع ملی سنگاپور ہم دو گروپوں میں جائیں گے۔سات آدمیوں کا قافلہ پانچ بجے اور دوسرا چھ بجے' اب جو روانگی کے بورڈ پر نظر پڑی تو سنگاپور ایئر لائن کا نام پانچ جگہ لکھا تھا۔یوں محسوس ہوا یہ بندر روڈ سے کیماڑی جانے والی کوئی ویگن ہے جو ایک ایک گھنٹے بعد جا رہی ہے' دو ایک دوسری ایئر لائنیں بھی اسی رفتار سے جاری تھیں۔تھائی ایئر لائن کا دور دور پتہ نہیں ہم نے پی آئی اے کا دفتر تلاش کیا۔وہ ملا نہیں۔دو ایک سے پوچھا انہوں نے اشارے سے بتایا لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ پی آئی اے والے دفتر بند کرتے ہیں تو احتیاطاً بورڈ اندر رکھ جاتے ہیں۔غیروں کی نظر پاک صاف بورڈ پر کیوں پڑے۔غیر ملکی زرمبادلہ کے بڑے بڑے بورڈ لگے تھے اس پر لکھا ہے "ہر ملک کی کرنسی ملتی ہے' تبدیل کی جاتی ہے" ہم نے پاکستانی سو روپے کے نوٹ کے عوض سنگاپور ڈالر مانگا کاؤنٹر پر کھڑی لڑکی نے نوٹ الٹ پلٹ کر دیکھا اور معذرت کرلی۔پاکستانی روپیہ قابلِ قبول نہ تھا اسی لمحے ایک ہندوستانی نے اپنی کرنسی دی اور ڈالر پائے۔ہم نے بحث کرنا چاہی معلوم ہوا موصوفہ کو انگریزی بہت کم آتی ہے یا کسی معزز سیاح کے لئے بچا کر رکھی تھی۔

دنیا بھر کے ہوائی اڈوں پر ڈیوٹی فری شاپ سے صرف دو چیزیں سستی ملتی ہیں ایک شراب اور دوسرے چاکلیٹ' انہیں بنانے اور فروخت کرنے والوں کی بدنصیبی کہ ہم دونوں اشیاء استعمال نہیں کرتے ہاں الٹ پلٹ کر ضرور دیکھتے ہیں۔دیر تک دکان میں مٹرگشت کرتے رہے۔کیسی کیسی حسین بوتلیں' ان میں مختلف رنگوں کی شراب۔اس دن سوچا کاش پیتے تو آج روزِ عید ہوتا پیتے جاتے اور بہکتے جاتے۔جو ہوش میں نہیں کہہ سکتے مے نوشی کے بہانے کہہ جاتے دل کا بوجھ ہلکا کرتے۔

لیکن نہ ہم شراب کا کچھ بگاڑ سکے نہ وہ ہمیں گو نہ بے خودی دے سکی بس اپنا وقت ضائع کیا۔

جہاز میں سوار ہوئے تو یوں محسوس ہوا اڑن کھٹولے میں آبیٹھے ہیں۔ہمیں بیچ میں سیٹ ملی۔ راستے کے برابر۔دوسری سیٹ پر فاطمہ اس کے بعد عطر والا اور دوسرے کنارے پر نادر۔

ایئر ہوسٹس جو لباس پہنے تھیں وہ اچھا تھا ان پر اور اچھا لگ رہا تھا۔ان کی تعداد سے اندازہ ہوتا تھا کہ پچھلے کئی جہازوں میں وہ سوار ہونے سے رہ گئی ہیں۔خدا جھوٹ نہ بلوائے تو ہر مسافر پر کم از کم

دو ایئر ہوسٹس تعینات تھیں ہمارا یہی خیال تھا۔ہم سیٹ پر بیٹھے بھی نہ تھے کہ ایئر ہوسٹس نے برف سے زیادہ ٹھنڈا رومال پیش کیا اور مسکراہٹ کا یہ عالم تھا کہ ہونٹوں کی تراش خراش کا پتہ ہی نہ چلا دل کو یہ ڈھارس ہوئی کہ اگر صرف سنگاپور ایئر لائن کا یہ حال ہے تو سنگاپور میں کیا ہوگا۔عزت سادات بچے گی یا لٹ جائے گی۔رومال سے ابھی چہرے کو ٹھنڈک پہنچا رہے تھے کہ ایک گلاس میں ٹھنڈا مشروب پیش کیا گیا اس کے بعد جانے کیا ہوتا کہ جہاز نے پرواز کی ٹھانی۔چند لمحوں بعد ہی ایئر ہوسٹس نے دوبارہ حملہ کیا ٹرالی گھسیٹتی ہمارے برابر آ کھڑی ہوگئی اور پوچھا "کون سا مشروب؟"

مشروب کا نام لیتے ہی روح افزا مشروبِ مشرق یاد آ گیا۔اس ظالم نے صرف روح کا نام سنا تھا افزاء ابھی تک وہاں نہیں پہنچی تھی۔ہم نے ایک سفید مشروب کی طرف اشارہ کیا۔اس نے خوش ہو کر برف ڈال کر گلاس بنا دیا۔یوں ہی بات کرنے کی غرض سے ہم نے مشروب کا نام پوچھ لیا اس لئے مسکرا کر نام بتا دیا ہم جسے سیون اپ سمجھے تھے وہ نامی گرامی وائن نکلی۔ہم نے گھبرا کر واپس کردی۔وہ ٹرالی چھوڑ کر لپک کر پائن ایپل جوس لینے گئی۔تو ایک اور ٹرے میں جام رکھے دوسری طرف سے ہم پر حملہ آور ہوئی۔معذرت کی تو وہ اصرار کرنے لگی وہ تو اچھا ہوا ہمارے اور اس کے درمیان فاطمہ اور نادر بیٹھے تھے ورنہ شاید زبردستی حلق میں انڈیل دیتی۔ٹرالی والی جوس لے کر آئی تو ہمارے ہاتھ میں دیتے وقت ذرا سا چھلکا اور ایک قطرہ ہماری بش شرٹ پر گر گیا تو یوں سمجھو قیامت آ گئی وہ اس حد تک معذرت کرنے لگی کہ ہم شرمانے لگے۔وہ لپک کر ایک رومال پانی میں بھگو کر لائی اور اپنے ہاتھ سے اس قطرہ کو نیست و نابود کرنے لگی۔قطرہ دل کے دائیں طرف گرا تھا۔نہ جانے یہ دل کی سازش تھی کہ یا سنگاپور ایئر لائن والوں کی۔اس منظر کو نادر نے برداشت نہیں کیا زور زور سے نعرے لگانے لگا "ماموں یہ فاؤل گیم ہے......" ہمارے دوسرے ساتھی ہم سفر بھی اپنی اپنی نشستوں پر پہلو بدلنے لگے۔ہمیں بھی یوں محسوس ہوا جب سے پیدا ہوئے ہیں اور جب تک زندہ رہیں گے۔یہ منظر دل کے پاس ٹھنڈک رکھے گا۔

اس سارے عمل میں زیادہ سے زیادہ بتیس سیکنڈ لگے ہوں گے لیکن نادر پر بتیس برس بیت گئے۔ایئر ہوسٹس مسکرا کر اس شریر قطرے کو گیلے رومال میں جذب کر چکیں تو مسکرانے لگی اور پوچھا "آپ مسلمان ہیں"۔

اس وقت یہ سوال زیادہ اچھا نہ لگا۔ظالم نے کس وقت خدا یاد دلایا......

"آپ کو مسلم فوڈ ملے گا......"

آنند نے انتظام کر دیا تھا کہ ہم سب لوگوں کو حلال کھانا ملے (چاہے ہم بنکاک میں کچھ بھی کرتے رہے ہوں۔) ٹرالی اور ٹرالی والی آگے بڑھی تو دوسری ٹرالی والی اور وہی اصرار یوں محسوس ہوا کہ سنگاپور ایئر لائن والوں نے آج فیصلہ کر رکھا ہے کہ زہد و تقویٰ پارہ پارہ کر دیں گے دل میں ایک خیال آیا کہ اتنے اصرار پر بھی ہماری طرف سے انکار کہیں وجہ ناراضگی نہ بن جائے۔ اور باقی سفر چشم ولب کی توجہ کے بغیر گزرے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ کھانا' چائے' کافی' مسکراہٹ۔

فاطمہ کو بخار ہو گیا یا شاید حرارت تھی۔ اسے اسپرین اور کمبل مل گیا۔ ایک ایئر ہوسٹس نے نبض دیکھی دوسری نے تھرما میٹر سے ٹمپریچر لیا۔ اس وقت دل چاہا کاش ہم بیمار ہوتے مسیحا نزدیک تو آتا' ہاتھ تو لگاتا۔

جہاز کو ہلکا سا جھٹکا لگا۔ ایک ایئر ہوسٹس نادر کے پاس سے ٹرے لئے گزر رہی تھی وہ لڑکھڑائی۔ ہم نے آواز لگائی ''نادر پکڑنا' اس ظالم نے ایئر ہوسٹس کو پکڑ لیا۔ وہ شکریہ ادا کرنے لگی۔ حالانکہ ہم نے ٹرے پکڑنے کے لئے کہا تھا نادر خوشی کے مارے ایئر ہوسٹس کو چھوڑنے پر آمادہ نہ تھا ہم سب نے احتجاج کیا۔ آخر وہ خود کسمسا کر بازو سے نکل گئی۔ نادر با قاعدہ مورچہ باندھ کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا کہ موقع ملے تو فائدہ اٹھائے ادھر ایئر ہوسٹوں نے متفقہ فیصلہ کر لیا کہ چاہے جہاز گر جائے وہ نادر کے قریب نہیں آئیں گی۔ آہ بے چارے کی قسمت کہ سنگاپور تک فضا متوازن رہی۔ اور جہاز خاموشی سے سیدھا اڑتا رہا۔

سنگاپور کا ہوائی اڈہ ویسا ہی تھا جیسا ہونا چاہئے۔ عالی شان جدید ترین سہولتوں سے لیس جہاز سے اتر کر لاؤنج میں گئے کاؤنٹر پر لائن میں لگے ایک کارڈ بھرا اور کھٹ سے ویزا لگ گیا سنگاپور کے ہم مہمان بنے۔ لاؤنج سے سنگاپور کا نقشہ اور گائیڈ بک مفت ملی۔ کسٹم نے کچھ نہیں کہا۔ نہ سامان دیکھا نہ ہماری شکل۔ بس باہر کی طرف اشارہ کر دیا۔ ہم باہر نکلتے ہوئے سوچ رہے تھے کہ یہاں بھی اگر مس پیٹ جیسی افسر مہماندار ملی تو؟ دل نے کہا یہ سنگار پور ہے جیون میں ایک بار آئے ہیں۔ بار بار بلانے کے لئے نازک لب اور جادو بھرے چشم ہوں گے۔

سب سے پہلے ایک صاحب نے مصافحہ کیا۔ ہمارے ارمانوں پر اوس پڑ گئی۔ دوسرے نے لپک کر سامان لے لیا۔ پھر اچانک سامنے ایک چھوٹے سے قد کی نہایت سیاہ رنگ کی خاتون آ کھڑی ہوئیں ہم نے منہ دوسری طرف پھیرنا چاہا تو مصافحہ کرنے والے صاحب نے متعارف کرایا'' سنگاپور میں یہ آپ کی گائیڈ ہیں'' ...... پتہ نہیں کہاں سے ایک بجلی گری اور سارے ارمان جل گئے۔

جیون میں ایک بار آنا سنگاپور

سنگاپور ہوائی اڈے پر گائیڈ راجم کا سامنا ہوا تو سارے خواب بکھر گئے اس پر موصوفہ نے سنگاپور خوش آمدید کہا تو آنکھوں کے ساتھ کان بھی برا ماننے لگے اچانک انہوں نے اپنا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں دے دیا سیاہ لجلجا سا۔ دیر تک سوچتے رہے اس ہاتھ کا کیا کریں ایک بار ریڈیو کے لئے ڈرامہ لکھا تھا ہیرو نے ہیروئن کا ہاتھ پکڑ لیا تو اس نے شرما کر کہا ''میرا ہاتھ چھوڑ یئے نا'' ہیرو نے کہا ''شریف آدمی جب ایک بار ہاتھ پکڑ لیں تو زندگی بھر نہیں چھوڑتے'' مکالمہ لکھتے اور ریکارڈ کرتے وقت سوچا تھا کسی نازک ہاتھ کو تھامنے کے لئے کیا خوبصورت جملہ ہے آج وہ یاد آیا تو گھبرا کر راجم کا ہاتھ چھوڑ دیا اس نے قطعاً برا نہیں مانا اسے یہ ہاتھ ہمارے سارے ہمسفروں کو دینا تھا ہمیں اطمینان تھا وہ بھی کچھ نہیں کریں گے۔

سنگاپور میں سواگت ایسا ہوا کہ ''جیون میں ایک بار آنا سنگار پور'' کی صدا پر افسوس ہونے لگا تعارف کی تقریب ہوئی اور سامان ایک کھلی سوزوکی میں رکھ کر ہمیں ایئر کنڈیشنڈ بس میں بٹھایا گیا راجم بس میں سوار ہوئیں بس چلی تو ڈرانے لگیں اس وقت دل کیسا مچلا کہ ان سے کہیں ''بی بی اللہ نے شکل اچھی نہیں دی تو کم از کم بات تو اچھی کریں'' لیکن یہ اخلاقیات سماجیات ایسی زنجیریں ہیں کہ انہیں توڑ نہیں سکتے اس لئے سنگاپور میں آنے والی اور سیاہ بختیاں سوچتے رہے۔

راجم نے کھلے لفظوں میں کہا اگر کسی نے سڑک پر کوئی چیز پھینکی فوراً جرمانہ ہو جائے گا ہمارے ساتھ سب ہی چونک گئے ہم کہاں آ گئے خواب تو نہیں دیکھ رہے فرمانے لگیں اگر دس ڈالر کا نوٹ سڑک پر گراؤ گے پانچ سو ڈالر جرمانہ ہوگا پھر مزید خوفزدہ کیا ''سڑک پار کرنے پر بھی پانچ سو ڈالر جرمانہ'' ہم نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا یہ کیسا اندھیرا ہے جس سڑک سے جائیں اس سڑک سے واپس آئیں گے دوسری طرف نہیں جا سکتے اپنے ملک میں سڑک پار نہیں کرتے تو ٹریفک کے خیال کی وجہ سے ہم سڑک پار کریں گے تو تیز رفتار ٹریفک میں خلل پڑے گا ہر شخص بس، منی بس، ٹرک، کار، موٹر سائیکل بھگائے لئے جا رہا ہے تو اس کا کوئی مقصد ہوگا اس میں ملک کی ترقی ہوگی اب ہم سڑکیں پار کر کے ان کی رفتار میں فرق ڈالیں یہ کبھی سوچا نہ تھا پھر ہمارے ملک میں سڑک پار کرنے کا رواج نہیں بھئی جس طرف جا رہے ہو جاؤ۔ دوسری طرف کیا ہے اگر ہے تو گردن اٹھا کر دیکھ لو۔ ضروری تو نہیں کہ سڑک پار کر کے ادھر جاؤ ویسے قانون کوئی ایسا نہیں جس کے تحت سڑک پار نہ کی جا سکتی ہو اب جو سنگاپور میں سڑک پار کرنے کی ممانعت سنی تو دل گھبرانے لگا سب سے پریشان ہو کر پوچھا ''کیا بالکل سڑک پار نہیں کر سکتے''۔

موصوفہ نے آدھے گھسے دانتوں کی نمائش کر کے کہا ''نہیں جہاں سے زیبرا کراسنگ ہے وہاں سے پار کرنے کی اجازت ہے''۔

اس پر ہم نے پوچھا ''اور زیبرا کراسنگ بھی ہے شہر میں؟'' وہ گردن جھکا کر ہنسنے لگیں شاید شرما رہی ہوں اچانک ہمیں خیال آیا کہ اگر انہوں نے زیبرا کراسنگ کے بارے میں پوچھ لیا تو کیا ہوگا۔

کئی سال پہلے لندن گئے تو وہاں زیبرا چڑیا گھر میں اور کراسنگ سڑکوں پر دیکھا تھا سڑک پار کی تھی بلکہ جہاں زیبرا کراسنگ نہیں تھی وہاں سے بھی سڑک پار کی تو ٹریفک یوں منجمد ہو گیا تھا جیسے ہم صدر مملکت ہیں اور اچانک سڑک پر نکل آئے ہیں اس کراسنگ میں ہمیں لطف آیا اور سڑک پر یہ کھیل دن میں کئی کئی بار کھیلتے تھے خوش رہتے تھے اس بات کو عرصہ گزر گیا اب نہ جانے زیبرا کراسنگ کیسا ہوگا یہ سوچ کر چپ رہے۔

ہمارے خاموش ہونے کی دیر تھی کہ انہوں نے پھر ڈرانا شروع کر دیا فرمانے لگیں اس وقت

ہم جس سڑک پر جا رہے ہیں یہاں پندرہ سال پہلے سمندر تھا سنگاپور میں زمین کم ہے اس لئے سمندر کو دھکا دے دیا ہے ہم جب بھی سمندر کے کنارے کھڑے ہوئے اس نے ہمیں دھکا دیا تھا سمندر کو دھکا دیا جا رہا ہے ہم نے سوچا ایسا تو نہیں کہ سمندر نہایت حساس نازک مزاج حسن پرست ہو اور راجم اس کے کنارے آ کھڑی ہوئی ہوں بس وہ پیچھے ہٹ گیا ہو اتنی دور کہ ان کی شکل نظر نہ آئے ان کے قول کے مطابق سمندر پہلے سیدھے ہاتھ پر تھا اب الٹے ہاتھ پر ہے ہم نے ان کی بات مان لی کہ الٹے سیدھے کی ہمیں کب سدھ بدھ ہے اب تک سمندر سے سترہ سو تیترا ایکڑ زمین حاصل کی گئی اس میں سے سات سو ایکڑ زمین ہوائی اڈے کو ملی۔

سنگاپور کا ہوائی اڈہ دنیا کا مصروف ترین ہے اس میں چالیس ہوائی کمپنیاں اپنے جہاز لاتی اور لے جاتی ہیں ایک گھنٹے میں ستر ہوائی جہاز اترتے چڑھتے رہتے ہیں اس طرح ہر منٹ ایک جہاز آتا یا جاتا ہے اس میں زیادہ تر سنگاپور ایئر لائن کے جہاز ہوں گے خشک زمین کی کمی کی وجہ سے شہر میں لاتعداد پل بنے ہیں۔ ان میں سے بعض پل ہوائی جہازوں کے لینڈنگ اور ٹیک آف کے لئے ہیں۔ نیچے ٹیکسی چل رہی ہے اوپر پل پر کسی ہوائی کمپنی کا جہاز اتر رہا ہے دوڑ رہا ہے ہوائی اڈے پر پہنچنے کے لئے یا پرواز کرنے کے لئے۔

سنگاپور میں انسانوں سے زیادہ جن آباد ہیں ذرا سا جزیرہ جو چھ سو سترہ اسکوائر کلومیٹر ہے شیر کی طرح دھاڑ رہا ہے ویسے سنگاپور کا مطلب شیر کا شہر ہے۔

بس چلی جا رہی تھی باہر بارش ہوئی رک گئی سنگاپور کی صفائی کا بارش نے انتظام کر رکھا ہے سبزہ وہ اگاتی ہیں اس کی تراش خراش انسان کرتا ہے جگمگاتے نیون سائن ٹریفک لائٹس کو پار کرتے ہوٹل امپیریل پہنچے یہ پہلے اوبرائے کے نام سے خدمت کرتا تھا اب امپیریل نام رکھ لیا ایک ہندو کا بلکہ ہوٹل کی چین ہے آرچرڈ روڈ مشہور ہے ہوٹل امپیریل اسی کے کونے پر بنا ہے ایک پہاڑی پر ہے جہاں شہر اور بندرگاہ نظر آتی ہے ہم نے نہیں دیکھی اس لئے سنی سنائی بات ہے اس کی بارہ منزلوں میں چھ سو کمرے ہیں ہوٹل کے اندر ایک چائنیز ایک فرنچ اور ہندوستانی ہوٹل موجود ہیں اس کے علاوہ گانے ناچنے، پینے پلانے، بہکنے بہکانے کے لئے بھی خاطر خواہ انتظام ہے ڈبکیاں لگانے کے لئے سوئمنگ پول ہے اور آسمان سے برستی بارش۔

ہوٹل پہنچے تو دن نکلا ہوا تھا کرسمس کی ساری سجاوٹ باقی تھی یکم جنوری کی آمد کی تیاری تھی ہمارے استقبال کے لئے ہوٹل کی خواتین کو بھیجا تھا راجم کو دیکھنے اور راہ میں خوفزدہ ہونے کے بعد نہ آنکھیں اعتبار کررہی تھیں نہ کانوں کو یقین تھا کہ جو دیکھ رہے ہیں سن رہے ہیں سچ ہے۔حق ہے۔

لاؤنج میں رکھے صوفے پر بٹھا کر خیر مقدمی مشروب پیش کیا گیا ذائقہ میں وہ سنگترے کا رس تھا لیکن جس نفاست اور نزاکت سے پیش کیا وہ اس کے ذائقہ کو بڑھا گیا راجم کا تاثر ہر لمحہ برا ہوتا جا رہا تھا ظالم نے بیٹھتے ہی حساب کتاب شروع کر دیا اور جیبوں سے ڈالر نکلوانے شروع کر دیئے اس کے بدلے ایک لفافہ بھی دیا جس میں ہوٹل کے کمرے کی چابی اور ایک کارڈ تھا یہاں پریشانی یہ تھی کہ جب بھی کمرے کی چابی مانگو کارڈ دکھاؤ اس کے بعد لاکر کی چابی ملی اب چابی کے ساتھ کارڈ کی حفاظت بھی ضروری ہوگئی۔

صبح کا پروگرام راجم نے پڑھ کر سنایا "آٹھ بجے ناشتہ۔نو بجے روانگی۔ڈیڑھ بجے لنچ کے لئے واپسی اور تین بجے دوبارہ روانگی۔رات ڈنر کے وقت واپسی اپنے اپنے کمرے میں جایئے۔شب بخیر۔اور ہاں آخری بات روانگی ٹھیک نو بجے ہوگی"۔آخری جملہ ذرا سا دانت پیس کر کہا اس کا مطلب تھا نو بجے جو نہ آیا وہ رہ گیا اب ہمیں ان کے گھسے ہوئے دانت کا سبب معلوم ہوا۔

وہ چلی گئیں تو لوگوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑ گئیں لوگ جو نو بجے کا مطلب ساڑھے دس بجے سمجھتے تھے اب سوچنے لگے نو بجے اگر چلنا ہے تو آٹھ بجے ناشتہ بھی کرنا ہوگا اس لئے صبح جلدی اٹھنا ہوگا ہم رات کو کسی پہر سوئیں صبح جلدی اٹھ جاتے ہیں اس لئے سامان رکھ کر باہر نکلنے کا پروگرام بنایا ہمارا کمرہ تیسری منزل پر تھا بے حد کشادہ اور ہر اس سہولت سے آراستہ جو ہمیں درکار تھی نہ تھی۔نرم گدا دیکھ کر دل چاہا لیٹ جائیں سو جائیں لیکن شیشے کی کھڑکی سے باہر جلتی رنگین روشنیاں بلا رہی تھیں سنگاپور کی پہلی رات جلدی شروع نہیں ہونی چاہئے ابھی اور جاگنا ہے ایئر کنڈیشن سے نکل کر موسم دیکھنا ہے اس کی سڑک پر چل کر محسوس کرنا ہے۔یہ سنگاپور ہے۔اور ہم یہاں پہنچ گئے ہیں۔

ہم نیچے اتر کر لاؤنج میں آئے تو دیکھا نادر بھابی شمیم بھائی الیاس شبیر لوٹیا نگہت لوئیا الفت

سے اتر کر ہماری طرف آرہے ہیں سنگاپور کی رات کو دیکھنے ہوٹل سے باہر نکلے تو ہلکی پھلکی پھوار پڑ رہی تھی اس وقت یہ اچھی لگی امپیریل ہوٹل اونچائی پر ہے نیچے اترے تو سامنے آرچرڈ روڈ جگمگا رہا تھا دکانیں بند تھیں روشنیاں جل بجھ رہی تھیں زیبرا کراسنگ لندن والا تھا اسے پار کر کے دوسری طرف گئے اکا دکا لوگ تیزی سے فٹ پاتھ سے گزر رہے تھے پھوار بند ہوئی تو گھاس کی ہلکی مہک چاروں طرف پھیل گئی۔

ایک موڑ پر بڑی سی برگر کی دکان کھلی تھی اسے دیکھ کر احساس ہوا ہم بھوکے ہیں اور پھر سب نے برگر کی دکان پر حملہ کر دیا۔

ویران سڑکیں' ٹریفک کی جلتی بجھتی روشنیاں اور اکا دکا تیز رفتار گاڑی' ایک جگہ سے سڑک پار کر لی۔دل میں ایک الجھن تھی۔سنگاپور کی صاف شفاف سڑ میں ایک کھلا چیلنج تھیں۔ان پر ایک کولڈ رنک کا خالی ڈبا۔ایک کاغذ کا ٹکڑا لیکن پکڑے جانے کا خطرہ۔اس ادھیڑ بن میں ہوٹل آ گیا۔

"کیا سوچ رہے ہیں؟" شمیم بھابی نے پوچھا۔ہم خاموش رہے۔گائیڈ راجم نے بتا دیا تھا سادہ وردی میں بھی پولیس والے ہر گلی موڑ اور دوراہے چوراہے پر لوگوں کی نگرانی کرتے رہتے ہیں خطرہ یہ تھا کہیں بھابی شمیم بھی اس پولیس میں شامل ہوگئی ہوں تو کیا ہوگا؟

خوف دنیا کے ہر نظام کو چلاتا ہے۔رواں رکھتا ہے۔صبح راجم نے ٹھیک نو بجے کا نوٹس دیا تھا اس لئے ہر شخص سونے چلا گیا۔ہوٹل امپیریل کی لابی۔اس کے سارے کیفے جگمگا رہے ہیں۔یہاں تک کہ انڈین ریسٹورنٹ رنگ محل میں ایک صاحب سفید ململ کا کرتا پہنے۔غزل سرا تھے ایک موہنی صورت لڑکی دروازے پر کھڑی ناریل سونف اور الائچی بانٹ رہی تھی ہونٹوں کی مسکراہٹ الگ تھی۔

ڈسکو ہال میں روشنیاں اور جوڑے تھرک رہے تھے۔شراب خانہ شباب پر تھا۔مساج پارلر بھی کھلا تھا ہم نے کولڈ رنک کے دو ٹن خریدے اور اپنے کمرے میں آ گئے۔بنکاک اور پتایا کے مقابلے میں یہ بہت اچھا تھا ہم نے دیکھا کمرے میں ایک گیلری باہر کھلتی ہے۔اس کے شیشے کا دروازہ ریوالونگ ہے پہلے ہم نے کمرے کی روشنی بند کی پھر گیلری میں نکل کر دیکھا نیچے سڑک تھی۔دور روشنیاں جھلملا رہی تھیں ہمارا دل دھڑک رہا تھا لیکن ایک عزم تھا ایک ارادہ' عزتِ سادات سے

بچانے کا مسئلہ اس لئے دل کڑا کیا اللہ کا نام لے کر تیزی سے کولڈرنک کا ڈبا ہوا میں اچھال دیا اور خود پیچھے ہٹ گئے خیال تھا سڑک پر ڈبا گرنے کی آواز ہوگی چاروں طرف چھپی ہوئی وردی اور بغیر وردی والی پولیس دوڑ پڑے گی پھر ڈھونڈیا پڑے گی' ملزم کی۔ لیکن آواز نہ آئی۔ نہ جانے ظالموں نے ہوا میں پکڑ لیا یا ہوا اڑا لے گئی اسی الجھن میں سو گئے صبح اٹھ کر دیکھا ڈبا کہیں نظر نہ آیا۔ ناشتے کے لئے کیفے میں جانے لگے تو دیکھا سوئمنگ پول میں ڈبا الٹا پڑا کنارے سے لگا ہوا۔ سنگا پور میں ہوا بھی ظالموں نے ملازم رکھ لی ہے۔ اس نے ڈبے کو پکڑ کر سوئمنگ پول میں دھکیل دیا اور ہمارے ارمان پورے نہ ہونے دیئے ہم نے بھی قسم کھالی کہ سنگا پور کی سڑکوں کو ڈبے اور کاغذ سے گندہ نہ کیا تو زندگی کا مزہ جاتا رہے گا۔

راجم کی ناخوشگوار صورت ساڑھے آٹھ بجے سے نظر آنے لگی۔ اس تصور نے کہ سنگا پور کو ان کی آنکھوں اور زبان سے دن کے ساتھ دیکھیں گے' بدمزہ کر دیا۔ ہمارے سب ہمسفر پونے نو بجے تیار ہو گئے اور بس کی طرف چل پڑے بس چلتی تو راجم کی زبان بھی چلی ہوٹل کے قریب جس گھر کے پاس سے ہم دو بار گزر رہے تھے وہ سنگا پور کے صدر محترم کا مکان تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ہم ایک اہم جگہ ٹھہرے ہوئے تھے۔

سنگا پور کے وزیر اعظم ماشاء اللہ باسٹھ سال کے ہیں اور گزشتہ تیس سال سے اس عہدے پر فائز ہیں۔ انہوں نے سنگا پور کو دن رات کی محنت سے اس قابل بنا دیا کہ ہم بھی دیکھنے پہنچ گئے مستقل وزیر اعظم کا ہمیں ایک فائدہ نظر آیا وہ چھ پنج سالہ منصوبے مکمل کرا سکتا ہے۔ ہماشا ڈرتے رہتے ہیں۔ اگلا ٹرم اسے آوٹ نہیں کرے گا اس لئے جو کہتا ہے سنو اور ایمانداری سے اس پر عمل کرو سنگا پور پر چین کا دھاوا ہے وزیر اعظم اور صدر دونوں چینی ہیں جس طرح سندھ کے ہر شہر میں ایک شاہی بازار ہوتا ہے اس طرح بنکاک' سنگا پور اور ملیشیاء کے ہر شہر میں چائنا ٹاؤن ہوتا ہے۔ سنگا پور میں کچھ پیدا نہیں ہوتا سوائے انسانوں کے اور وہ ہر لمحے پیدا ہوتے ہیں ہوائی جہازوں کے دروازے سے باہر نکل کر باہر آتے رہتے ہیں سنگا پور کی اصل آبادی کوئی نہیں ہے اسے بنانے کے لئے ہر ملک سے لوگ آئے بس گئے اور یہیں کے ہو رہے۔ سنگا پور میں کچھ پیدا نہیں ہوتا لیکن سب کچھ ملتا ہے۔ دنیا کی ہر نعمت آرام و آسائش کی ہر چیز یہاں صنعتیں ہیں۔ الیکٹرانک کی سب

سے بڑی مارکیٹ ہے پانی صاف کرنے کا اتنا اچھا انتظام ہے کہ ملیشیا کا پانی بڑے سے پائپ کے ذریعے سنگا پور صاف ہونے آتا ہے۔ سنگا پور میں پینے کا پانی نہیں ہے۔ ملیشیا سے آتا ہے۔ بوتلوں میں بند پانی اور شراب ایک ہی داموں ملتی ہے۔ پانی خرید کر پینے سے بھی نشہ ہو جاتا ہے۔ ہم نے پانی لے کر نہ پیا کہ نشہ ہرن کرنے والی بی بی راجم ہمارے ساتھ تھیں۔

عمارتوں سڑکوں کے بارے میں تفصیل ہمارے کسی کام کی نہ تھی بس بازاروں کے بارے میں سن کر اطمینان ہوا سنگا پور میں عرب اسٹریٹ' بغداد اسٹریٹ' چائنا ٹاؤن اور لٹل انڈیا شامل ہیں۔ ہم نے لٹل انڈیا کا راستہ یاد کر لیا۔ یہ علاقہ ہمارے حملے سے بچ نہیں سکے گا۔

دائیں جانب ایک عمارت نظر آئی دنیا کی سب سے پسندیدہ عمارت جس کے پاس سے لوگ گزرتے ہوئے جھجکتے ہیں۔ یہ انکم ٹیکس کا محکمہ ہے راجم ہنس ہنس کر اس عمارت پر طنز کرتی رہی کیا خبر دو چار دن میں انکم ٹیکس والوں نے اسے بلایا ہو۔

چائنا ٹاؤن ایک پرانا محلہ ہے۔ اسے حکومت نے خاص طور سے نمونے کے طور پر حفاظت سے رکھا ہے۔ تاکہ بوقت حجت کام آسکے۔ یہاں جمعہ بازار لگتا ہے۔ دن تو شاید اتوار کا تھا لیکن منظر وہی جمعہ بازار والا۔ ہر چیز ڈالر کے عوض۔ شاید سستی ہو۔ اس میں کاکروچ سے لے کر چوہے کے نوزائیدہ بچے بھی شامل تھے۔ نزلہ زکام کے علاج کے لئے نوزائیدہ چوہے کے بچے کا سینڈوچ عام طور سے کھایا جاتا ہے۔ ڈر کے مارے اس علاقے میں سینڈوچ نہیں کھائے۔ کالی بلی اور چوہے سلاد کے ساتھ کھانے میں استعمال کئے جائیں تو اگزیما دور ہو جاتا ہے۔ خدا کا شکر ہے ہمارے حکیم سنگا پور نہیں گئے ورنہ تجربے کے طور پر ہی یہ دوا استعمال کراتے تو کیا ہوتا۔

ہم بس میں بیٹھے اپنے آپ کو محفوظ سمجھ رہے تھے۔ کتے بلیاں کھانے سے دور تھے راستے میں ایک گھر نظر آیا جس میں کسی تقریب کا سماں تھا۔ راجم نے بتایا یہاں ایک بوڑھا مر گیا ہے۔ جب کوئی بوڑھا مرتا ہے اس کی لاش تین دن تک رکھی رہتی ہے۔ اس عرصے میں سارے رشتہ دار اس گھر میں جمع رہتے ہیں۔ ان کی تفریح اور کھانے کا اچھا انتظام کیا جاتا ہے وقت گزارنے کے لئے دو رات کو جوا بھی کھیلتے ہیں پھر دھوم دھڑکے سے اس کا جنازہ اٹھایا جاتا ہے۔

سنگ پور میں جگہ کی کمی ہے۔ انسان آسمان کی طرف اٹھ رہا ہے اور تو اور درخت ڈر کے مارے

اوپر کی طرف اٹھتے جاتے ہیں اتنے طویل درخت ہم نے یورپ میں کبھی نہیں دیکھے۔ جمیل زکریا کا کہنا تھا یہ درخت ہوا اور روشنی حاصل کرنے کے لئے اوپر اٹھتے جاتے ہیں ہم نے ان سے اختلاف نہیں کیا۔ لیکن درختوں کے بلند ہونے سے پریشان ضرور ہیں کیا خبر یہ کل کلاں ہوائی جہازوں کے راستے میں آجائیں۔ ہم بہت دیر سے بس میں سوار ایک سڑک سے دوسری سڑک پر جا رہے تھے یوں محسوس ہوتا تھا راجم سارا سنگاپور اسی طرح دکھا دیں گی چیزوں کو ہاتھ لگانے اور چھونے کی تمنا دل میں ہی رہے گی شاید ہمارے دل کی بات انہوں نے سن لی ہو اس لئے ایک پہاڑی مقام پر بس روک دی گئی یہ ماؤنٹ فیبر ڈرک تھا۔ یہاں چاروں طرف سبزہ تھا اسے کوہ مری سمجھا جا سکتا ہے۔ اوپر سیڑھیاں چڑھ کر ایک پارک سا بنا تھا۔ جہاں سے سمندر دکھائی دیتا تھا۔ اس پارک کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ یہاں سے ایک چیئر لفٹ سینٹوزا جزیرے کو جاتی تھی۔ جس وقت ہم پارک پہنچے سینٹوزا جانے کا وقت نہیں تھا راجم خواہ مخواہ وہاں لے گئیں۔ باتھ روم کی طرف رخ کیا تو پچیس سینٹ دینا پڑے۔ اب خیال آیا یہ ہمارے پچیس سینٹ ضائع کرانے کا منصوبہ تھا۔ ارے ظالم ایسا ہی تھا تو ہم سے یوں ہی مانگ لئے ہوتے اتنی دور لانے کی کیا ضرورت تھی پارک اونچائی پر تھا نیچے دیکھنے سے خوف آتا تھا دیر تک خوفزدہ ہوتے رہے۔ گھاس اور اونچائی دیکھ کر سب تصویریں بنا رہے تھے۔ ہم انہیں دیکھ رہے تھے۔ ذرا دیر بعد راجم کا حکم ہوا' بس میں سوار ہو جاؤ دو چار سڑکیں دکھا کر ایک عمارت کے سامنے لا کھڑا کیا۔ یہ جیم کٹنگ انڈسٹری تھی...... یعنی یہاں سے پتھر خرید و اور ڈالر جمع کراؤ۔

سنگاپور میں ہماری حاکم......راجم

بنکاک اور سنگاپور دو بڑے شاپنگ سنٹر ہیں یہاں جانے کا نتیجہ سکہ امریکہ سے محرومی ہے۔ اس کے لئے کیا کیا طریقے ایجاد کئے ہیں دیکھ کر جی خوش ہوتا ہے۔ کھانے پینے ناچنے کودنے پہننے اوڑھنے کی بات تو سمجھ میں آتی ہے لیکن قیمتی پتھروں کو کٹتے دیکھنا کہاں کی سیر ہوئی لیکن تفریح کا حصہ ہے۔

بنکاک کی جیم کٹنگ انڈسٹری سے باہر نکلتے ہم نے بھائی الیاس اور جمیل زکریا کی چال دیکھی تھی اور خیال تھا کہ زندگی میں یہ آئندہ ایسی غلطی نہیں کریں گے۔ جیم کٹنگ کے نام پر جیب کٹنگ نہیں کرائیں گے لیکن راجم نے جب سنگاپور میں جیم کٹنگ کی طرف بس کا رخ کیا تو خواتین کے رخ روشن چمک اٹھے اور بھائی الیاس بھی خوشی سے بھابی شمیم کی طرف دیکھنے لگے۔

سنگاپور کی صنعت ذرا مختلف تھی۔ یہاں راجم کے مراسم زیادہ اچھے نہ تھے کیونکہ کوئی استقبالی مشروب نہ ملا ایک طرف کاؤنٹر پر ایک جگہ سیاہ چائے اور ٹن میں دودھ رکھا تھا ہم نے نقصان پہنچانے کی نیت سے مشروب پیا تو محسوس ہوا یہ بھی کوئی پتھر کی دھوون ہے گھبرا کر پیالہ چھوڑ دیا۔

دیواروں پر رنگین پتھروں سے پرندے بنائے تھے اس کے سامنے جا کر تالی بجاؤ تو سارے پتھر روشن ہو جاتے اور پرندہ چہچہانے لگتا اور یہ ان ڈور گیم ہر شخص کھیل رہا تھا پرندوں کے علاوہ

بندر بھی تھے وہ اپنی بولی بولتے تھے اندر شوروم تھا ہم نے اسے شوروم اس لئے کہا کہ ہمارے لئے یہ شو تھا خریدنے والوں کے لئے شاپنگ ہماری ہمسفر خواتین ان پر ایسی گریں کہ اسی وقت انھیں جب بھابی شمیم نے کلکولیٹر ان کے سامنے رکھا پتھر جب تراش خراش پالے اور چمکنے دمکنے لگے تو قیمت میں آدمی سے بڑھ جاتا ہے۔

خواتین نہ جانے پتھروں کو کیوں پسند کرتی ہیں انہیں کون سا احساس تحفظ ملتا ہے یہاں قیمتیں زیادہ تھیں بھائی افضل اور فرحت بھابی ایک ایک پتھر کو پرکھ رہے تھے دو ایک پسند کئے تو مصنوعی نکلے ایک ریڈ سفائر پسند کیا تو قیمت بہت زیادہ تھی۔ مول تول بنکاک کی طرح نہ تھا فرحت بھابی ضد کر رہی تھیں اور بھائی افضل انہیں منانے میں کامیاب نہیں ہو رہے تھے۔

سیفی عطر والا ایک گھڑی کے لئے پریشان تھے اچھی تھی لیکن اسے خریدنے کے بعد پاکستان واپسی کی گھڑیاں گن سکتے تھے فاطمہ بھی گھڑی دیکھ کر خوش تھی اور مول تول کر رہی تھی ہم نے اسے سمجھایا کہ ایسی گھڑیاں بازار میں عام ملیں گی اور اس سے زیادہ سستی ہمارا ذمہ۔

مس گوئیس کو کاؤنٹر پر کھڑی لڑکی نے دبوچ لیا پتہ نہیں یسوع مسیح کی قسم دی یا اپنی جان دینے کی دھمکی وہ گھڑی خریدنے پر آمادہ ہوگئی بات اسی امریکی ڈالر سے شروع ہوئی اور کم نہ ہوئی آخر راجم نے آکر 72 ڈالر کرا دیئے۔ مس گوئیس گھڑی لے کر اس طرح خوش ہوئی جیسے امریکہ کی صدارت مل گئی ایسی معمولی سی گھڑی ہم 75 روپے میں نہ خریدیں شاید مس گوئیس نے زندگی میں یہ گھڑی نہ دیکھی ہو یا کسی سیلز گرل نے اس کی اس حد تک خوشامد نہ کی ہو۔ ہوسکتا ہے اس نے سنگاپور میں گھڑی خریدنے کی قسم کھائی ہو کچھ بھی ہو اس دن جیم کٹنگ والوں نے اس سے بہتر سودا نہ کیا ہوگا۔

تصویریں بک رہی تھیں لیکن دو چیزیں انہیں خریدنے سے روک رہی تھیں ان کی قیمت اور ان کا وزن اگر یہ ہلکی ہوتیں اور ہمیں تحفے میں دی جاتیں تو ضرور قبول کر لیتے ہم ادھر ادھر گھوم رہے تھے تالیاں بجا بجا کر تصویروں کو زندہ کر رہے تھے خوش تھے لیکن سنگاپور کے آسمان نے ہماری خوشی پر چھاپا لگا دی یہ اچانک تھی غیر متوقع تھی اس لئے ہم دبوچ گئے لاکھ کوشش کی کہ حلقہ گرفتاری سے نکل بھاگیں لیکن برا وقت کب کہہ کر آتا ہے چند لمحوں بعد ہماری جیب سے چھ امریکی

ڈالر اس بی بی کی گولک میں تھے اور ہمارے ہاتھ میں چھپکے چھپکے رنگوں کے ننھے منے پتھروں کی تھیلی جس سے پرندوں کی تصویریں بناتے ہیں ہمارے ہاتھ میں تھیلی دیکھ کر کئی ہمسفر آ گئے وہ سمجھے ہم کوئی ہیرے جواہرات کی کٹنگ خرید رہے ہیں جھٹ خریداری کرنے گئے ہم نے لاکھ منع کیا لیکن وہ اسے ہماری کسر نفسی سمجھے اور بی بی ہنس ہنس کر یوں تقسیم کرنے لگیں جیسے نکاح کے چھواروں کی تھیلیاں ہوں ہم پیچھے ہٹ آئے اور اتنے ہٹے کے نیچے بس تک پہنچ گئے۔

خواتین کے منہ لٹکے ہوئے تھے یہاں شاپنگ کم ہوئی بھابی فرحت چہک رہی تھیں بھائی افضل کٹ گئے تھے بس چلی تو راجم ہوشیار ہوگئی اس عرصے میں ذرا سی بارش کی پھوار پڑ چکی تھی سڑکیں ویسے بھی صاف تھیں اب دھل کر راجم کے رنگ کی طرح سیاہ تر ہوگئی تھیں سنگاپور میں بارشیں ہوتی ہیں آسمان بادلوں سے ڈھکا رہتا ہے یہ خط استوا کے نزدیک ہے اس لئے گرمی زیادہ ہے چھیانوے انچ بارش ہوتی ہے دسمبر میں موسم معتدل ہوتا ہے اتنی بارش کے بعد بھی کچھ پیدا نہیں ہوتا لیکن سب کچھ ملتا ہے دو ہزار فیکٹریاں دن رات کام کرتی ہیں کپڑے سے الیکٹرانک تک سب کچھ بناتی ہیں۔

دنیا کے ہر ملک کا باشندہ یہاں آتا ہے جاپانی بہت بڑی تعداد میں آتے ہیں یوں لگتا ہے جاپانی سنگاپور دوبارہ آ گئے ہیں لیکن اس بار ان کے ہاتھوں میں بندوق نہیں وہ ڈالر لاتے ہیں دکانوں کو لوٹتے نہیں قیمت دے کر اشیاء لے جاتے ہیں۔ سنگاپور کے لوگ امن پسند ہیں شیشے کے گھروں میں رہتے ہیں اس لئے نہ پتھراؤ کرتے ہیں نہ کرنے دیتے ہیں اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد دو سال فوج میں رہنا ضروری ہے تاکہ زندگی میں ترتیب اور ہم آہنگی آ جائے جو اس سے جان بچاتا ہے اسے دو سال جیل کی ہوا اس کے بعد پھر دوبارہ فوجی ٹریننگ سمجھ دار لوگ جیل نہیں جاتے فوج میں چلے جاتے ہیں۔

ٹائیگر بام درد دور کرنے کا بہترین ذریعہ ہے سنگاپور میں عام ملتا ہے راجم نے بس ایک بڑے سے پارک کے سامنے روک کر اعلان کیا ٹائیگر بام گارڈن ایک گھنٹے کی سیر۔ ٹائیگر بام گارڈن ایک تشہیری پارک ہے بہت زمانہ گزرا دو بھائی ہندوستان سے سنگاپور آئے اور ایک بام ایجاد کیا اس کا نام ٹائیگر رکھا اس کی شہرت کے لئے ایک باغ بنایا جس میں مٹی اور پتھر سے بنے غار جیسے

جانور درخت پل اور سڑکیں ہیں جگہ جگہ بچوں کے لئے جانوروں کی لڑائیاں بھی بنا دی گئی ہیں ایک مصنوعی درخت کے نیچے چوہوں اور بلیوں کے درمیان جنگ کا منظر ہے چوہے لڑ رہے ہیں زخمی ہو کر گر رہے ہیں انہیں اٹھا کر لے جایا جا رہا ہے یہ منظر دیر تک دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں منہ کھولے اژدہے دوڑتے ہرن لڑتے سانڈ اور بیل ہیں یہ سب مہارت سے بنائے گئے ہیں اور انہیں اچھی طرح رکھا گیا ہے لوگ جوق در جوق آتے ہیں کیمرے لاتے ہیں تصویریں اتارتے ہیں ٹھنڈے مشروب آئس کریم کھاتے ہیں خوش ہوتے ہیں اور ٹائیگر بام کی دکان سے سنگاپوری ڈالر سے درجنوں بام خریدتے ہیں یوں سیلز گرل بھی خوش ہوتی ہیں وہاں خوشی کا دور دورہ ہے ہم جب تک وہاں رہے ٹھنڈا مشروب پی کر خوش رہے فاطمہ عطر والا کے کیمرے سے تصویر کھنچوا کر خوش ہوئے ٹائیگر بام آدھی درجن خرید کر خوش ہوئے اور پھر بس میں بیٹھ کر بے حد خوش ہوئے۔

سنگاپور جائیں اور بوٹینکل گارڈن نہ دیکھیں یہ ممکن نہیں راستے میں ایفل سٹی آتا ہے 164 سال پہلے 1823 میں بنا۔ سنگاپور کے بانی اسٹم فورڈ ایفل نے ایک تعلیمی ادارہ بنانے کے بارے میں سوچا جس میں تارکینِ وطن کے بچے تعلیم حاصل کر سکیں اس پر کام شروع ہوا اور آج یہ ایفل سٹی کہلاتا ہے اس میں دنیا کا سب سے بلند 73 منزلہ ہوٹل ہے اگر بادل ہوں تو ہوٹل کے اوپر کی کئی منزلیں نظر نہیں آتیں بچے دیکھتے ہیں حیران ہوتے ہیں بڑے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں اس میں 1333 کمرے ہیں یہاں ایک بیالیس منزلہ دفتری عمارت ہے اس کے علاوہ دنیا بھر کی چیزیں سہولتیں آسائش اور دن رات کا پتہ نہیں چلتا زندگی اسی طرح رواں دواں رہتی ہے۔

بوٹینکل گارڈن پھولوں سے بھرا تھا گہرے سبز رنگ کی گھاس اور درختوں کے درمیان پھول بہار دکھا رہے تھے راجم ایک ایک پودے اور پیڑ کے بارے میں تفصیل بتا رہی تھی درخت آسمان سے باتیں کر رہے تھے دو دلہنیں اپنے دولہاؤں کے ساتھ تصویریں کھنچوانے آئی تھیں ہم سفر خواتین کو اپنی شادیاں یاد آ گئیں اور سب ان کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑی ہو گئیں بہت سی تصویریں کھینچیں دولہا دلہن بھی خوش خواتین بھی خوش بس ذرا راجم خوش نہیں تھیں ان کا خیال تھا ہم سب پھولوں کے بارے میں تفصیل اچھی طرح حفظ کر لیں ہمیں پھول پسند ہیں اگر وہ آس پاس ہوں اور پھر ساتھ ساتھ ہوں یہاں آس پاس تھے ہمیں یاد آیا کہ اسی قسم کے باغ کے لئے میر صاحب نے کہا تھا:

چلنا ہے تو چمن کو چلئے سنتے ہیں کہ بہاراں ہے
پات ہرے ہیں پھول کھلے ہیں کم کم باد و باراں ہے

اور اسی لمحے ہلکی سی پھوار پڑی یوں بھاگ کر سب بس میں جا بیٹھے اگلی منزل کے لئے۔

سنگاپور میں لوگ ایک سے پانچ تک ہندسے پسند کرتے ہیں۔

ایک بیوی دو بچے' تین کمروں کا فلیٹ' چار پہیوں والی گاڑی اور پانچ ہندسوں میں بینک اکاؤنٹ یہاں رہنے والے سب لوگ حکومت کے وفادار ہیں۔ حکومت نے ہدایت جاری کی کوئی دو بچوں سے زیادہ خاندان نہیں بنائے گا۔ لوگوں نے اس پر سختی سے عمل کیا۔ اس حد تک کہ آبادی کی کمی کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ باہر سے کام کرنے والے منگوانے پڑے۔ اب حکومت ماؤں سے درخواست کر رہی ہے کہ خدارا خاندان بڑھاؤ۔ بچے پیدا کرو۔ انکم ٹیکس میں بچت دی جائے گی۔ اچھا فلیٹ ملے گا۔ ماں بننے والی عورت کو تنخواہ کے ساتھ چھٹی ملے گی۔ ہم نے سوچا اگر اس کا الٹ ہمارے ملک میں ہو تو شاید آبادی کا تناسب درست رہے۔ بچے نہ پیدا کرنے والی ماں کو سہولتیں دی جاتی ہیں طبی سہولتیں میسر ہیں لیکن کوئی زیادہ اچھی نہیں۔ تیرہ سرکاری اور اتنے ہی پرائیویٹ ہسپتال ہوں ہر شخص کی تنخواہ سے تیرہ فیصدی طبی مد میں کاٹ لیتے ہیں۔ اگر ہسپتال سو ہوئے تو شاید پوری تنخواہ کاٹ لیتے۔ ہر شخص ہسپتال میں رہتا۔ کھاتا عیش کرتا۔

سنگاپور میں کئی مسجدیں ہیں تلوک ایئر روڈ پر الابرار مسجد' یہ مسجد 1850ء سے 1855ء تک ہندوستانی مسلمانوں نے تعمیر کی۔ اس کے علاوہ فاطمہ جن نے مسجد تعمیر کرائی۔ ایک اور سلطان مسجد 1928ء میں تعمیر ہوئی۔ نہایت حسین اور پانچوں وقت خدا کا نام بلند کرتی ہے۔ اس میں چھ ہزار آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ حکومت مسلمان ورکرز سے تین ڈالر کاٹتی ہے جو نئی مسجد کی تعمیر میں کام آئیں گے۔ سنگاپور ایک غلام ملک تھا 1959ء میں برطانیہ سے آزادی حاصل کی اور ملائیشیا کے ساتھ الحاق کر لیا لیکن اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ نظریاتی اختلاف کی وجہ سے 1965ء میں مکمل علیحدگی ہو گئی اور سنگاپور ایک آزاد مملکت بن گئی۔

ہم بھی سفر میں آزاد تھے لیکن سنگاپور آتے ہی راجم کے قبضے میں تھے۔ جو وہ دکھائیں جہاں لے جائیں ان کی مرضی۔ بس کا سفر اور معلومات کا خزانہ' سڑکوں' پلوں اور عمارتوں کی تعریفیں' ہم

مرعوب ہوتے رہے۔ ہماری منزل جرونگ چڑیوں کا پارک تھا۔ یوں دیکھیں تو پورا سنگاپور ایک پارک ہے۔ لیکن بعض علاقے پارک کے نام پر روئے گئے ہیں یہاں داخل ہوئے تو چاروں طرف چہچہاتے پرندے ہواؤں میں جھولتے درخت اور ہر سمت سبزہ اچھا لگا۔ پارک میں ایک چڑیا گھر تھا سرنگ میں رات کے جانور رکھے تھے چمگادڑیں' الو انہیں دیکھنے کا ہمیں شوق نہ تھا۔ ہاں وہ ضرور آنکھیں گھما گھما کر دیکھ رہے تھے۔ شاید انتظام یہ ہو کہ جانور ہمیں دیکھیں۔ ایک الو دیکھا سفید رنگ کا غالباً انگریز تھا۔ برف کی سلوں کے درمیان بیٹھا سکڑ رہا تھا یا ہمیں محسوس ہوا۔ اور بھی بہت سے برفانی جانور تھے۔ ان کے لئے برف کا انتظام تھا جانور ہمیں دیکھ کر بولنے لگے شاید خوش آمدید کہہ رہے ہوں۔

یہاں سے نکلے تو ٹرام میں سواری تھی یہ ہمیں لے کر پارک سے گزر کر ایک جگہ پہنچی جہاں ایک ریسٹورنٹ تھا مصنوعی آبشار بھی تھی۔ تقریباً اکتیس میٹر سے گرتی ہوئی ہم اور ہمارے ساتھی اتر کر ریسٹورنٹ کی طرف چل پڑے۔ راجم کا یہی فرض تھا۔ بہانے بہانے ڈالر لوٹ لئے۔ اور ہم بھی ایسے تھے کہ جہاں دکان دیکھی مچل گئے ٹھنڈے مشروب کاٹن لے کر اس طرف چل پڑے جس طرف سب جا رہے تھے مصنوعی آبشار کا پانی بہت اوپر سے اچھل کر آ رہا تھا نیچے اس سے نالے بن رہے تھے ان پر پل بنے تھے دونوں طرف ریلنگ تھی اس کے سہارے چڑھتے رہے۔

یہاں ہر شخص تصویریں بنا رہا تھا۔ آبشار کے پس منظر میں ہم نے سفر نگہت اور شبیر لوئیا کے ساتھ شروع کیا تھا اوپر پہنچے تو ہمارے ساتھ فاطمہ اور سیفی عطر والا تھے۔ نگہت کسی منظر میں گم ہو گئی تھیں۔ اوپر سے گرتا آبشار اچھا لگ رہا تھا چند لمحے اسے دیکھا تو فاطمہ اور سیفی بھی ساتھ چھوڑ گئے۔ کودتے پھاندتے نیچے پہنچے تو کامران مرزا اور نتاشہ مرزا مل گئے۔ دونوں ڈاکٹر ہیں۔ نتاشہ مرزا کے پاسپورٹ پر مس لکھا ہے وجہ ان کے امریکہ جانے کی ہے۔ بیوی ظاہر کیا تو ویزا انہیں ملے گا اس لئے مسٹر اور مس سے کام چلا رہے ہیں ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ امریکہ والوں کو بھی اس میں کیا عذر ہو گا پارک میں اتنا سبزہ اور پانی تھا لیکن پینے کے لئے ڈبوں میں بند مشروب اور فضا میں حبس' جسم پسینے سے شرابور۔

خدا خدا کر کے واپسی کا سفر شروع ہوا ٹرام میں بیٹھے تو کچھ ہوا لگی۔ پارک کی ایک تفریح باقی

تھی جانوروں کا شو۔ اس کا وقت مقرر تھا بھاگ کر پہنچے تو تمام کرسیاں بھر چکی تھیں ٹیلے پر بیٹھ گئے تو سامنے عورتیں مرد آ کھڑے ہوئے۔ انہیں ہٹایا تو دوسرا گروپ آ گیا اتنے میں شو ایک دھماکے سے شروع ہو گیا۔ سروں پر بے شمار جانور پرواز کرنے لگے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ بچپن سے آج تک سڑکوں پر دیکھتے رہے ہیں۔ طوطا توپ چلاتا ہے۔ طوطا چوڑیاں اٹھا کر بکس میں رکھتا ہے۔ بس ایک نئی چیز تھی۔ شو دکھانے والے نے درخواست کی "کوئی صاحب پچاس ڈالر کا نوٹ اوپر کریں طوطا آ کر لے جائے گا" سب چپ رہے ایک طوطے کو پچاس ڈالر کون دیتا ہے پھر اس نے دس ڈالر کی صدا لگائی مجمع پر خاموشی طاری تھی اس کے بعد پانچ ڈالر اب لوگوں کے ہاتھ بلند ہوئے۔ طوطا آیا جھپٹ کر لے گیا ہم نے سوچا آمدنی کا اچھا ذریعہ ہے لیکن پھر درخواست کی گئی۔ جن لوگوں نے نوٹ دیئے تھے۔ انہیں طوطا ایک ایک کر کے واپس دے گیا۔ پھر طوطے نے اپنی چونچ سے چھوٹا سا پیانو بجایا سیٹلائٹ کے ذریعے اوپر گیا۔ تالیوں کے شور میں جانوروں کا تماشا بلکہ یوں کہیں طوطوں کا شو ختم ہوا پھر راجم کے قبضے میں۔

سنگاپور جانے والے سینٹوزا جزیرے پر ضرور جاتے ہیں جہاں مختلف تفریح کے سامان ہیں۔ ایک عجائب گھر جسے سرنڈر چیمبر کہتے ہیں ہوٹل ہیں پارک ہیں اور پانی کا ایک ناقابلِ یقین شو ہے۔ سینٹوزا جزیرے پر جانے کے لئے بڑی کشتیاں فیری ہیں اور کیبل کار بھی۔ سیاحوں کے لئے رعائتی ٹکٹ پانچ سنگاپوری ڈالر ہے۔ ہمیں جو ٹکٹ ملا وہ 30 جون 1988ء تک کارآمد تھا ہم نے بڑی جلدی کی اسی دن استعمال کر لیا۔ اس ٹکٹ میں بہت سے مزے ہیں۔ کیبل کار سے روانگی اور فیری سے واپسی۔ وہاں جا کر بہت سی چیزیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔

کیبل کار کے لئے اس جگہ پہنچے جہاں سے صبح سنگاپور دیکھنا شروع کیا تھا۔ اس بار نہ پارک گئے نہ اوپر چڑھے بلکہ سیدھے کیبل کار کی طرف جانا پڑا۔ وہاں لمبی سی لائن لگی تھی کمال یہ تھا کہ دھکم پیل نہیں تھی۔ ہم نے کوشش کی تو ضائع ہو گئی۔ اپنے آگے جس لڑکی کو ہم نے آہستہ سے دھکا دیا اس نے اپنے آگے والی لڑکی کو دھکا دینے کے بجائے پلٹ کر ہم سے معذرت کرنی شروع کر دی اور ہم "ٹھیک ہے' ٹھیک ہے" کا ورد کرنے لگے۔ ہمیں احساس ہوا دھکا ہم نے نہیں دیا وہ لڑکی ہی غریب دو قدم پیچھے ہٹ کر ہم پر گر رہی تھی۔ اسی لئے معذرت کر رہی ہے ہم نے معذرت قبول کر لی

اور آئندہ سے کسی کو دھکا نہ دینے کی قسم کھائی۔ اس نے معذرت کے بعد بھی تھوڑی تھوڑی دیر بعد پلٹ کر دیکھ کر مسکرانا شروع کر دیا۔ اس کا مطلب تھا معاف کر دیا تو اب تعلقات خوشگوار کر لو۔

کیبل کار میں ایک وقت میں چھ آدمی بیٹھتے تھے۔ ہمارا نمبر آیا تو دھکے والی لڑکی کے ساتھ ہمیں بھی جگہ مل گئی بلکہ پہلو میں مل گئی۔ اس نے تعارف کرایا فلپائن سے آئی تھی۔ ساتھ سہیلی تھی ہم نے بھی تعارف کرایا۔ ''پاکستان سے آئے ہیں اکیلے ہیں''۔ جیسے جیسے کیبل کار بلندی پر پہنچی اس کی باتوں میں تیزی آتی گئی۔ وہ مسلسل ہماری طرف دیکھ رہی تھی۔ حالانکہ دیکھنے کی چیز وہ بلندی اور پستی تھی جو دل بلا رہی تھی۔ ہم سمندر کے اوپر سے گزر رہے تھے نیچے بندرگاہ اور جہاز چھوٹے چھوٹے نظر آ رہے تھے۔ جو نیچے دیکھتا خوفزدہ ہو جاتا۔ ہم تکلفاً فلپائنی لڑکی کی بات سن رہے تھے۔ اس کی طرف دیکھ رہے تھے لیکن چھٹی حس شائد خطرہ کی بو سونگھ رہی تھی اگر کیبل ٹوٹ جائے! بجلی فیل ہو جائے۔

لیکن ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔ کیبل کار پہلے اسٹیشن پر پہنچی بہت سے لوگ اترے۔ ان میں وہ فلپائنی لڑکی بھی تھی، جاتے ہوئے اس کی سہیلی نے بتایا ''مارینی کو بلندی سے خوف آتا ہے۔ اسی لئے وہ آپ کی طرف دیکھ کر مسلسل بول رہی تھی''۔ مارینی نے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ کیبل کار دوبارہ روانہ ہوئی تو ہم نے سوچا مارینی کو بلندی سے اس لئے خوف تھا کہ پستی میں گرنے کا خطرہ تھا ہم نے زندگی میں ہر بلندی سے اسی لئے خوف محسوس نہیں کیا کہ سہارا دینے والا ساتھ ساتھ رہتا ہے۔

پورے قد سے جو کھڑا ہوں تو کرم ہے تیرا
مجھ کو گرنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

مارینی نہیں گری۔ ہم بھی صحیح سالم اس اسٹیشن پر پہنچ گئے جہاں دور سے راجم کا رُخِ روشن نظر آ گیا۔ یہی ہماری منزل تھی اور رہنما تھی راجم۔

کیبل کار سے سینٹوزا آئی لینڈ جاتے وقت سمندر کا سکون دیکھ کر حیرانی ہوئی۔ یوں محسوس ہوا یہ جما کھڑا ہے۔ اس سے زیادہ تو سائم پارک بنکاک کا مصنوعی سمندر جوش مار رہا تھا۔ راجم سے پوچھا تو اس نے فخر سے بتایا ''ہمارا سمندر انتہائی شریف اور پُرسکون ہے''۔ ہر سال ہزاروں گز زمین اس سے چھیننے کی وجہ اب سمجھ میں آئی سچ ہے یہ زمانہ شرافت کا نہیں جس نے مروت

دکھائی نقصان اٹھایا اب یہ بات ہم سمندر کو کیسے سمجھاتے غیر ملکی تھے واپسی اسی کے سینے پر ہونی تھی پھر نادانوں اور بے وقوفوں کے سامنے بین بجانے سے فائدہ!

سینٹوزا جزیرہ تفریح کے علاوہ سنگاپور کی تاریخ کا اہم حصہ ہے۔ ایک بڑا سا میوزیم ہے جس میں سنگاپور کے بانی بادشاہوں کے موم کے مجسمے لندن کی میڈم ٹساڈ کی طرح بنائے گئے ہیں۔ یہیں سرینڈر چیمبرز بھی ہیں۔

موم کا میوزیم شروع ہوتا ہے برصغیر کی وہی داستان سلطان حسین شاہ 6 فروری 1819ء کو انگریزوں سے تجارتی معاہدہ کر رہا ہے۔ اس وقت سنگاپور کا نام ملاکا تھا۔ یہ منظر اس برصغیر میں کتنی جگہ دہرایا گیا ہمارا جی چاہا آگے بڑھ کر سلطان کا ہاتھ پکڑ لیں اور التجا کریں۔ خدارا معاہدہ نہ کریں اپنی آزادی اور خود مختاری فروخت نہ کریں لیکن ہمارے اور سلطان کے درمیان صدیوں کی زنجیریں تھیں۔ تاریخ کا پہیہ ایک بار گھوم جائے تو واپس نہیں ہوتا یہ آگے بڑھتا ہے ہمارے قدم بھی آگے بڑھے زندگی اپنی پوری توانائی کے ساتھ نظر آ رہی تھی سڑک کا ایک کونا' دکانیں کھلی ہیں ٹریفک کنٹرول کرنے پولیس والا کھڑا ہے' بھکارن' لوگوں سے فریاد کر رہی ہے۔ یوں محسوس ہوا ہم ٹائم مشین کے ذریعے ماضی میں اتر گئے۔ سلطان کے استعمال میں رہنے والے گلاس پلیٹیں چمچے چھریاں جوتے سب ہی کچھ رکھے تھے سلطان بھی تھا صرف اس کی گرم سانسیں نہیں تھیں موسموں کے احتساب نے سب چھین کر سلطان کو پتھر کا بنا دیا تھا زمانہ منجمد کھڑا تھا اس کے درمیان صرف ہم چل رہے تھے' محسوس کر رہے تھے۔ یہ ملاکا کی تاریخ کا حصہ ہے۔ سنگاپور کا ماضی ہے۔

زندگی رواں دواں تھی کہ 8 دسمبر 1941ء کی رات کو جاپانیوں نے حملہ کر دیا صبح چار بجے پہلا بم گرا شہر کی سب بتیاں روشن تھیں کون جانتا تھا جاپان اس حسین جزیرے کی طرف رخ کرے گا حملے کے وقت شہر کی روشنیاں بجھا دی جاتی ہیں۔ لیکن المیہ یہ ہوا کہ سوئچ روم کی چابی لے کر صاحب بہادر فلم دیکھنے گئے تھے واپسی میں کسی محفل میں جم گئے۔ اس لئے سنگاپور خوب تباہ ہوا اور جاپانیوں نے آبادی پر وہ ظلم کیا کہ آج بھی جاپانیوں کا خوف جزیرے میں چھایا ہوا ہے۔ اس ساری کارروائی کی فلمیں دکھائی جا رہی تھیں۔ سات جگہ بڑے بڑے ٹیلی ویژن جنگ کی کارروائی دکھا رہے تھے۔

8 دسمبر 1941ء کو حملہ ہوا اور 12 فروری 1942ء کو برطانیہ نے ہتھیار ڈال دیئے یہ منظر موم کے مجسموں سے نیچے دکھایا گیا ہے یہ اتنا قدرتی اور اصل ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اب برطانیہ کا جنرل دستخط کر کے اسے جاپان کے حوالے کرے گا۔ خادم پانی کا گلاس لئے کھڑا ہے۔ وہ پانی صاحب کو دے گا ہم اس خیال سے دیر تک کھڑے رہے کہ شاید یہ لوگ ہماری سانسوں کی حرارت سے ایک لمحے کو ہماری طرف دیکھیں گے لیکن یہ برسوں سے اس طرح دنیا کے لئے وہ منظر پیش کر رہے ہیں جسے قوموں کی زندگی میں ذلت کے لفظ ''غلامی'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ برطانوی سرکار جاپانی سرکار کے سامنے ہتھیار ڈال رہی ہے۔

چند گز کے فاصلے پر دوسرا منظر ہے اس میں بھی لوگ وہی ہیں لیکن تاریخ بدل گئی ہے یہ 15 ستمبر 1945ء کا دن ہے۔ جاپانی ہتھیار ڈال رہے ہیں اور برطانیہ دوبارہ جزیرے کو حاصل کر رہا ہے ان دونوں کے درمیان چند گز کا فاصلہ ہے۔ لیکن دیکھا جائے تو یہ تیرہ سو آٹھ ظلم و ستم کی راتیں غلامی اور کرب کے دن ہیں۔ تاریخ کے ایک ایک لفظ کے پیچھے آنسو آہیں اور سیکڑوں جانوں کی قربانیاں ہوتی ہیں۔

تاریخ کے درمیان سفر کرتے ہوئے جمیل زکریا ہمارے ساتھ ساتھ تھے۔ بلکہ جنگ کی فلمیں دیکھ کر بے انتہا متاثر ہو رہے تھے۔ آہ' واہ بھی کر رہے تھے۔ برطانیہ نے جب دوبارہ اقتدار پر قبضہ کیا تو موم کے اس منظر پر موصوف نے تالیاں بجائیں سب نے ان کی طرف حیرت سے دیکھا غالباً 15 ستمبر 1945ء کے بعد اس منظر پر دوسری بار تالی بجائی گئی تھی۔

راجم کا یہ جملہ اس چیمبر میں لطف دے رہا تھا جاپانی آج بھی بڑی تعداد میں سنگاپور آتے ہیں لیکن اب ہاتھوں میں بندوق نہیں ڈالر لے کر آتے ہیں۔

باہر نکلے تو آزاد فضا بادلوں سے ڈھکا آسمان اور چاروں طرف سرسبز گھاس درخت اور پھول تھے سب نے مل کر ایک ایک ٹھنڈا مشروب پیا اور ادھر ادھر پھیل گئے دس منٹ بعد ٹرین میں سوار ہو کر جزیرے کے دوسرے حصے جانا تھا۔ جہاں اور منظر تھے اور نظارے تھے اور ہمارا انتظار تھا ذرا دیر بعد ٹرین کے لئے لائن میں لگے تو جمیل زکریا' روبی بھابی کے ساتھ خوشی خوشی ہاتھ میں ایک کاغذ لے کر آئے سب ان کے گرد جمع ہو گئے وہ زور زور سے سنانے لگے' دس ڈالر دے کر اپنے

ہاتھ کی لکیریں کمپیوٹر سے پڑھوائی تھیں ہر شخص مشتاق تھا عام جوتشی کی بات پر یقین ہو یا نہ ہو کمپیوٹر جوتشی پر سب کو یقین تھا ایک ایک لفظ سنا جا رہا تھا ہاتھ کی لکیریں بہتر مستقبل کی نوید سُنا رہی تھیں۔ صحت کے بارے میں لکھا تھا آنے والے کئی برسوں تک جمیل زکریا کو زکام تک نہیں ہوگا وہ مکمل صحت مند رہیں گے اسی رات ہوٹل امپیریل میں جمیل زکریا پر دل کا دورہ پڑا۔ ڈاکٹر کامران مرزا سنگاپور کے ہسپتال لے گئے۔ ڈاکٹروں نے سنبھال لیا۔ ہم سب کی دعاؤں نے سہارا دیا اور خدا نے مکمل شفا دی۔ ٹرین کے لئے لائن لمبی تھی ذرا ذرا دیر بعد ٹرین دندناتی آتی اور ہمسفروں کو بھر کر لے جاتی لیکن مسافر ہزاروں میں تھے 45 منٹ بعد ہمارا نمبر آیا اس عرصے میں جمیل زکریا نے ایسی ایسی علمی باتیں سنائیں کہ وقت گزرنے کا احساس نہ رہا۔

اس دن ہم پر ان کا بڑا رعب پڑا آدمی پڑھے لکھے ہیں اور اللہ میاں سے خاصی محبت رکھتے ہیں۔ انتظار کے ان لمحوں میں چپ چاپ رہنے والے جوہری انکل افضل کے بھید بھی کھلے ان کا ذوق اعلیٰ نکلا طنز و مزاح خوب پڑھتے ہیں۔ ادبی حوالے دیئے تو ہم ان کے بھی معتقد ہو گئے۔ انتظار کا یہ وقت ہمیں دو علم دوست اور بڑی شخصیتوں سے متعارف کرا گیا۔

ٹرین میں بیٹھے تو رات ہو چکی تھی اس لئے جزیرے کی سیر نہ کر سکے چاروں طرف اندھیرا تھا لیکن جہاں اترے وہاں دن نکلا ہوا تھا باغ تھا سبزہ تھا پانی کے فوارے تھے دونوں طرف راستہ تھا جس پر چل کر موسیقی والے فواروں تک جانا تھا۔ اس لئے گئے وہاں پچھلے شو کا آخری منظر جاری تھا موسیقی کی دھن پر پانی ناچ رہا تھا غالباً یہ آخری چیز ہے جسے انسان نے اپنے اشاروں پر نچا دیا شو ختم ہوا تو ہمارا نمبر آیا ہم کرسیوں پر جا بیٹھے سامنے روشنیاں تھیں اچانک موسیقی کی لہر سنائی دی اور اس کے ساتھ پانی کا فوارہ آسمان کی طرف بلند ہوا اس کے رنگ اڑے' پھر تو ایک سماں بندھ گیا۔ پیلا' نیلا' گلابی رنگ اور موسیقی کی تیز دھنیں ان پر ناچتے اٹھتے بیٹھتے اترتے گرتے پانی کے فوارے نہ آنکھوں کو یقین آ رہا تھا نہ کان اعتبار کر رہے تھے خدا کی بڑائی نظر آ رہی تھی جس نے انسان کو وہ عقل دی کہ اس نے زمین پر بسنے والے جانوروں اور سمندروں پر قبضہ کر لیا انہیں اپنے اشاروں پر پابند کر لیا پانی اچھل کر اس کی عظمت کو سلام کر رہا تھا ایک فوارہ اچھل کر دوسرے سے بغل گیر ہوگا پھر پانی ہاتھوں میں ڈال کر روش پر چلتا۔ ناقابلِ یقین منظر ابھر کر ڈوب رہے تھے' ڈوب کر نکل

رہے تھے یہ منظر دیر تک جاری رہا پھر جب موسیقی کا آخری چھنا کا ختم ہوا تو حواس لوٹ کر آئے اعتبار کی دنیا میں واپس آ گئے۔

راجم نے پھر گنتی کی اب فیری کے ذریعے جزیرے سے واپسی تھی ایک بار پھر لائن لگی، حبس، گرمی اور انسانوں کا سمندر یوں محسوس ہوتا تھا سارا سنگاپور آج سینتوزا آئی لینڈ پر جمع ہو گیا ہے۔ آج چھٹی کا دن تھا اس دن زیادہ ہجوم ہوتا ہے۔ آج کی تفریح کا دوسرا بور حصہ یہی تھا فیری میں بیٹھ کر جان میں جان آئی اپنے ہمسفروں کو پہچاننے لگے یہ نگہت لوٹیا ہے یہ شبیر لوٹیا ہیں شمیم بھابی کے چہرے پر اداسی تھی آج کی شام شاپنگ کے بغیر گزر گئی یہ کیسا ظلم ہے یہ کیسا قہر ہے بھائی الیاس کا چہرہ شاداب تھا کاش ہر شام سینتوزا آئی لینڈ پر گزرے۔

فیری سے اتر کر بس میں سوار ہوئے اور پھر ہوٹل امپیریل میں داخل ہوئے تو یوں محسوس ہوا گھر واپس آ گئے بھوک اور تھکن نے نڈھال کر دیا تھا۔

جمیل زکریا سنگاپور کے اسپتال میں

کھانا لذیذ تھا۔ فاطمہ نے آ کر بتایا، مچھلی اچھی پکائی ہے۔ ہمیں نظر نہ آئی تھی پلیٹ لے کر دوبارہ پہنچے تو کاجو کے شوربے میں مچھلی کے ٹکڑے ڈوبے ہوئے تھے۔ انہیں نکال کر دیکھا تو خوشی ہوئی کہ مصنوعی مچھلی بھی ہوتی ہے۔ میدہ کی بنی ہوئی۔ ہمارے ساتھیوں کا خیال تھا سنگاپور میں مچھلی ذائقے کی ہوتی ہے۔ یہ ذائقہ ہمیں پسند نہیں آیا اس لئے چاولوں پر زور رہا۔ سویٹ ڈش بھی کئی بار ملی۔ اس کے بعد سب لاؤنج کے صوفوں پر آ بیٹھے۔

راجم نے ہمیں اور جرمن میاں بیوی کو پینانگ اور کوالالمپور کے لئے خط اور ٹکٹ ادا کر دیئے۔ پرسوں روانگی تھی۔ سب نے اس سفر کے بارے میں پوچھا اور پھر ہمارے ساتھ چلنے کی خواہش کی۔ ہم نے کہا "راجم سے پوچھ لیں ٹرین کی بکنگ مل جائے تو سب لوگ چلیں" دو چار نے راجم کو دبوچ لیا۔ ہم بھابی شمیم کو سمجھانے لگے پینانگ اور کوالالمپور میں چیزیں اس درجہ سستی ہیں کہ کوئی دو چیزیں خریدیں تو ایک مفت مل جاتی ہے۔ بھابی شمیم ہمارے پاس صوفے پر آ بیٹھیں اور اشتیاق سے تفصیل پوچھنے لگیں۔ ہم نے صرف بچھوے کی کھال سے دو سو اشیاء گنوادیں جو صرف پینانگ میں تیار ہوتی ہیں۔ اور باہر فروخت کرنے پر پابندی ہے۔ اس کے بعد سانپ اور گینڈے سے جو اشیاء بتائیں وہ پینانگ والے سن لیتے تو حیران رہ جاتے کہ ابھی تک وہ گینڈے اور سانپ کے فوائد سے بے بہرہ ہیں۔

بھابی شمیم ہمارے پاس سے اٹھ کر بھائی الیاس کے پاس چلی گئیں ذرا ہی دیر میں الیاس بھائی کے چہرے پر ناگواری کے آثار نظر آنے لگے۔ آواز تو سنائی نہیں دی لیکن نظر سب آ رہا تھا۔ انہوں نے جیب سے بٹوہ نکال کر دکھایا۔ شمیم بھابی نے اصرار کیا کہ دوسری جیب کا بٹوہ دکھاؤ۔ وہ ہاتھ جھٹکنے لگے اٹھ کر کاؤنٹر پر جا کھڑے ہوئے یہ پیچھے پیچھے چل پڑیں۔ بھابی فرحت نے پوچھا کیا ہوا؟ ہمیں اس طرف بھی حالات سازگار محسوس ہوئے۔ اس لئے شاپنگ کی تفصیل بیان کر دی۔ بھابی نے فوراً بھائی افضل کو پکڑ لیا اور ضد کرنے لگیں کہ "پینانگ چلو" وہ سمجھانے لگے "پیسے ختم ہو گئے ہیں" انہوں نے کہا "میں کچھ نہیں جانتی۔ حوالے سے پیسے منگوا لو۔ بس مجھے شاپنگ کرنی ہے"۔

"آج فون کر دو پرسوں چلنا ہے۔ جب تک حوالا آ جائے گا" وہ بولیں

"تم نے شاپنگ اتنی کر لی ہے"

"مجھے اور کرنی ہے"۔

"وہاں چیزیں بہت سستی ہیں سنگاپور میں بیشتر سامان پینانگ سے آتا ہے پھر واپسی میں کوالالمپور سے بھی خریداری ہو سکتی ہے"۔ ہم نے لقمہ دیا۔

فرحت بھابی نے اپنا رخ ہماری طرف کر لیا۔ "بھائی آپ انہیں سمجھائیں دو دو لڑکیوں کی شادی ہے۔ ان کے لئے شاپنگ کرنی ہے۔ یہ سنتے نہیں"۔

"کراچی میں سب مل جاتا ہے۔" بھائی افضل بولے۔

"مجھے نہیں لینا کراچی سے۔ ادھر سے لینا ہے"۔ بھابی بولیں۔

"پرسوں صبح کراچی واپسی ہے۔ ٹکٹ کیسے بدلے جائیں گے"۔

"اس کی فکر نہ کریں، وہ بدلوا دیں گے۔" ہم بولے۔

"آپ انہیں اور حوالے کا بندوبست کریں"۔ بھابی فرحت نے افضل بھائی کو صوفے پر سے دھکا دیا۔ ورنہ اتنی تیزی سے کون اٹھتا ہے۔ یہ بات الگ ہے کہ وہ اٹھ کر لفٹ کی طرف گئے۔ شاید کمرے میں چلے گئے ہوں۔

فاطمہ عطر والا نگہت لوٹیا ہمارے ساتھ جانا چاہتے تھے۔ وہ راجم کے پیچھے لگے ہوئے تھے

ریل کی بکنگ کے لئے اور راجم صاف انکار کر رہی تھی۔ ہم جانتے تھے راجم سے کسی اچھی بات کی توقع نہیں ہو سکتی۔ نہ جانے ہمیں ریل کا ٹکٹ کیسے مل گیا۔

راجم "آئی ایم ساری" کر کے چلی گئی تو ہم نے ہمت بندھائی۔ کل ریلوے اسٹیشن چل کر بکنگ کروالیں گے۔ اور پھر ساتھ چلیں گے۔ سب خوش ہو گئے اور لطیفے سنانے لگے۔ امپیریل ہوٹل کے دروازے پر ایک سکھ کھڑا رہتا ہے۔ اس لئے شبیر لوٹیا نے سکھوں کے پرانے لطیفے سنانے شروع کئے۔ اور سب ہنسنے لگے۔ قہقہے لگانے لگے۔

باہر بارش تیزی سے گرنے لگی۔ بڑے بڑے شیشوں کے دروازوں سے روشنی میں بارش کے قطرے اچھے لگ رہے تھے۔ ذرا آگے بارش سوئمنگ پول میں نہا رہی تھی۔ اندر کوری ڈور میں زندگی اپنی پوری توانائی کے ساتھ جگمگا رہی تھی۔ ڈسکو ہال سے موسیقی کی ملی جلی آوازیں آ رہی تھیں۔ نئے مسافر ہوٹل میں داخل ہو رہے تھے۔ چند اپنا سامان چیک کر رہے تھے۔ سنگاپور سے روانگی سے استقبالیہ پر کھڑی لڑکی ہر مسافر کو چابی دیتے وقت مسکراتی ہے۔ بیرے ادھر سے ادھر مصروف ہیں۔ ایک لڑکی دروازے کے شیشے کے پاس اداس کھڑی گرتی بارش دیکھ رہی ہے۔ اس کی آنکھوں میں انتظار ہے۔ ابھرتی موسیقی، قہقہوں اور روشنیوں کے درمیان وہ اکیلی ہے۔ چند لمحوں بعد دراز قد کا ایک شخص اندر داخل ہوتا ہے۔ لڑکی لپک کر اس کے پاس جاتی ہے۔ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر ریسٹورنٹ کے اندر چلے گئے۔ غیر ملکی زرمبادلہ کا کاؤنٹر کھلا ہے۔ دو امریکی نوٹ بدلوا رہے ہیں۔

فاطمہ عطر والا نے چائے پینے کی تجویز پیش کی۔ سب نے منظوری کے نعرے لگائے۔ ایک خاتون چائے کی ٹرے اٹھا کر لائیں اور بڑی نفاست سے ہر ایک کو چائے پیش کی ماحول یا مل کی مشترکہ ادائیگی کی وجہ سے چائے اچھی لگی۔ اور لانے والی بھی۔ فاطمہ نے اعلان کیا کہ نگہت بہت اچھا ہاتھ دیکھتی ہے۔ اس لئے کمرے میں چل کر ہاتھ دکھانے جائیں۔

لفٹ میں سوار ہو کر اوپر پہنچے تو فاطمہ نے آہستہ سے ہمارے کان میں کہا "پلیز آپ ہاتھ مت دکھائیے گا" ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ حیرت ہوئی۔ آخر ہمارے ہاتھ میں کیا ہے۔ کمرے میں سب قالین پر بیٹھ گئے۔ ہر شخص ہاتھ دکھانے پر ضد کرنے لگا۔ رضیہ سب سے زیادہ بے چین تھی

آج اس کی شادی کو پورا ایک مہینہ ہوا تھا اور سب کی فرمائش کے باوجود اس نے کیک نہیں منگوایا تھا۔ غیر ملکی زرمبادلہ کی کمی تھی یا اس کی کنجوسی رنگ لا رہی تھی۔

رضیہ سے پہلے بھائی الیاس نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ نگہت سامنے بیٹھ گئی۔ سب روشنیاں بجھا کر بیڈروم کے ساتھ رکھا لیمپ جلایا گیا جس کی روشنی سیدھے ہاتھ پر پڑ رہی تھی۔ نگہت نے بھائی الیاس کا ہاتھ پکڑا اور انہیں ایک سکہ دیا کہ اسے ماتھے پر لگا کر نیچے پھینکیں انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد دوبارہ سکہ اٹھا کر دیا کہ دائیں گال پر لگا کر پھینکیں پھر بائیں گال پر۔ اس کے بعد کاغذ پر لائنیں بنا کر آنے والے دنوں کا بھید بتایا گیا۔ صحت اور دولت کے راز فاش کئے گئے۔ ان کے مزاج، پسند نہ پسند کی تفصیل بتائی۔ بھائی الیاس حیران رہ گئے۔ اس کے بعد بھابی شمیم نے ہاتھ پھیلا دیا۔ لیکن رضیہ ناراض ہونے لگی اس لئے اس کا ہاتھ دیکھا گیا سکہ سے ماتھے اور چہرے پر لائنیں بنا کر نیچے پھینکنا بھائی الیاس نے یہ دو تین بار کیا۔ لیکن رضیہ کے ساتھ یہ عمل دیر تک ہوا۔ تب ہمیں شک ہوا کوئی گڑبڑ ہے۔ یہ عمل ہو چکا تھا تو ساری روشنیاں کھول دی گئیں اور رضیہ کو دیکھ کر سب نے قہقہے لگانے شروع کر دیئے۔ اس کے چہرے پر ہر طرف کالی لکیریں پڑی تھیں۔ جو سکے کو رگڑنے کی وجہ سے پیدا ہوئی تھیں۔ اس کا رنگ گورا ہے۔ اس لئے سارا چہرہ کالا نظر آ رہا تھا۔ الیاس بھائی کے چہرے پر بھی کالی لکیریں تھیں لیکن ان کا رنگ سانولا تھا اس لئے یہ نمایاں نہ ہو سکیں۔

رضیہ نے اپنا چہرہ آئینے میں دیکھا تو خود بھی ہنسنے لگی۔ اس وقت ہماری سمجھ میں آیا ہمارا چہرہ بچانے کے لئے ہاتھ دکھانے سے منع کیا تھا۔ ہم نے فاطمہ کا شکریہ ادا کیا اس نے ہنستے ہوئے کہا ”سارا چکر رضیہ کا منہ سیاہ کرنے کے لئے تھا بھائی الیاس یوں ہی بیچ میں آ گئے“۔

”تم نے سب باتیں ٹھیک ٹھیک بتائیں“ بھائی الیاس بولے ”اتنا ٹھیک تو آدمی ایک دن ساتھ رہ کر بتا سکتا ہے پھر آپ تو کئی دن سے ساتھ ہیں“ نگہت لوٹ پوٹ ہو لی۔

یہ محفل رات دیر تک رہی بار بار رضیہ کو شادی کا ایک ماہ بخیر و عافیت مکمل ہونے پر مٹھائی کھلانے کا وعدہ یاد دلاتے رہے۔ لیکن رضیہ کنجوسی کا طعنہ سن کر بھی ٹس سے مس نہ ہوئی رات کا آخری پہر شروع ہوا تو سب اپنے کمروں میں چلے گئے۔

صبح پانچ بجے آنکھ کھلی تو دیکھا دروازہ پر ایک لفافہ پڑا ہے۔ دیار غیر میں خط اور وہ بھی رات کے آخری پہر عجیب سی بات تھی۔ شاید پولیس کا چالان ہو۔ وہ ڈبہ جو ہوا نے سوئمنگ پول میں ڈال

دیا تھا اس کا سراغ لگ گیا ہو۔ اور یہ خط سنگاپور سے نکل جانے کا ہو۔ ڈرتے ڈرتے لفافہ کھولا۔ ڈاکٹر کامران نے لکھا تھا۔ آدھی رات کو جمیل زکریا کو دل کا دورہ پڑا اور سنگاپور کے ہسپتال میں داخل کر دیئے گئے ہیں۔ ساڑھے سات بجے فون کرنے کی ہدایت تھی۔

ایک لمحہ کو ہمیں خیال آیا جمیل زکریا پر دل کا دورہ کہیں خوشی سے نہ پڑا ہو۔ کل شام سینٹوزا آئی لینڈ میں کمپیوٹر نے ان کے ہاتھ کی لکیروں کو پڑھ کر بتایا تھا آنے والے برسوں میں انہیں نزلہ تک نہ ہوگا وہ مکمل صحت مند رہیں گے۔ اسی خوشی میں دل اس درجہ دھڑکا اس تیزی سے چلنے لگا کہ آخر کو ڈاکٹروں کو اس کی رفتار سست کرنی پڑی۔ دل کی دھڑکن کے بڑھنے کا سبب چاندنی صورت ہوتی ہے۔ مانا کہ روبی بھابی دل دھڑکنے کا سبب ہو سکتی ہیں لیکن جمیل زکریا انہیں برسوں سے دیکھ رہے ہیں۔ یہ شکایت سنگاپور میں کیوں ہوئی شاید نصف رات کے بعد کوئی اور چاند چہرہ ستارہ آنکھیں نظر آ گئی ہوں۔

ہم نے اس وقت کامران مرزا کو فون کیا۔ وہ غریب ذرا دیر پہلے ہی سویا تھا۔ خیر اٹھ گیا اور تفصیل بتانے لگا اس لمحہ ہمیں اس کا دم بڑا غنیمت محسوس ہوا۔ ہمارے ساتھ آنے کا پروگرام بنانے والے ڈاکٹر شاکر علی بھی یاد آئے کہ سنگاپور آتے تو یہ کام وہ سرانجام دیتے جمیل زکریا کو ہلکا سا دورہ پڑا تھا اور اب بالکل خطرے سے باہر تھے۔ روبی بھابی ہوٹل کے کمرے میں تھیں ان کی طرف جانا تھا۔

ہم نے فون کر کے فاطمہ نگہت اور شمیم بھابی کو روبی بھابی کے کمرے میں بھیج دیا۔ تھوڑی دیر بعد خود بھی پہنچے تو انہیں ضبط و تحمل صبر و شکر کا مجسمہ پایا۔ آنکھیں بادلوں کی طرح بھری ہوئی تھیں لیکن سب کام کر رہی تھیں ان کے ایک کزن کے شوہر پاکستانی سفارت خانے میں چارلس ڈی افیر تھے انہیں اطلاع کر دی تھی اور وہ آنے والے تھے ناشتے کے لئے نیچے اترے تو ہر طرف گہری خاموشی تھی۔ سب نے ناشتہ کیا۔ بھابی کو بھی زبردستی چائے پلائی گئی۔ ماحول سوگوار تھا کیونکہ جمیل زکریا کی ہنسی غائب تھی۔ ذرا دیر میں بھابی کے رشتے دار آ گئے اور وہ چلی گئیں۔ ہوٹل امپیریل میں ناشتہ دس بجے تک ملتا تھا۔ آج راجم کا ڈر نہ تھا اس لئے ناشتے کے لئے سب لوگ دس بجے آئے۔ ریسٹورنٹ گرم چائے کافی اور باتوں سے بھر گیا سنگاپور میں آج ہمارا آخری دن تھا کل ملائیشیا روانگی تھی۔ سیر و تفریح شاپنگ کے لئے۔ یہ دن راجم کے پنجۂ استبداد سے محفوظ رکھا گیا تھا۔

آزادی بڑی نعمت ہے آج اپنی مرضی سے سڑکیں ناپیں گے۔ سپر مارکیٹیں چھانیں گے۔ لطف اٹھائیں گے۔ بھائی افضل نے ابھی تک حوالے کے ذریعہ ڈالر نہیں منگائے تھے اور فرحت بھابی منہ سجائے ناشتہ کر رہی تھیں۔ شبیر لوئی ملائیشیا جانے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ بھابی شمیم جانا چاہتی تھیں لیکن بھائی الیاس ڈانواڈول تھے ہم نے پروگرام بنالیا جسے چینا تک جانا ہے ہمارے ساتھ ریلوے اسٹیشن چلے ٹکٹ بک کرانے۔ سب لوگ تیار ہوگئے ایک قافلہ ہمارے ساتھ ہوٹل سے نکلا۔ ریلوے اسٹیشن والے دیکھ لیتے تو سمجھتے ضرور ان کے خلاف کوئی جلوس آرہا ہے۔ ہم نے اپنی جیب میں بہت سے ٹشو پیپر' ہوٹل امپیریل کے پمفلٹ بھر لئے آج سنگاپور کی خیر نہیں تھی۔ اس کے گلی کوچے' پارک' عمارتیں بے کار کاغذوں اور ردی سے بھر جائیں گے۔ ہم ایک ایسے محاذ پر جارہے تھے جس میں جیتنا ہر طرح تھا۔ اس پر ہمارے مستقبل کا دارومدار تھا۔

سنگاپور کا آسمان بادلوں سے ڈھکا تھا' ذرا دیر پہلے ہلکی سی بارش ہوئی تھی فضا میں ہلکا سا حبس تھا' پاکستان کے اسلام آباد اور مری کو ملالیں تو سنگاپور بن جاتا ہے اس بہانے ہم نے مری اور اسلام آباد دونوں کو یاد کیا۔ ہوٹل سے نکل کر بحث ہونے لگی۔ دائیں طرف چلیں یا بائیں طرف۔ ہم چپ رہے۔ ہمارے لئے اجنبی شہر میں دائیں بائیں ایک ہیں۔ دونوں طرف سڑکیں تھیں۔ عمارتیں تھے۔ ہوٹل امپیریل ذرا بلندی پر ہے۔ ہم نیچے اترے تو زیبرا کراسنگ تلاش کی وہ بالکل سامنے تھی اس سے سڑک پار کی اور دکانوں میں جھانکتے آگے بڑھتے رہے سوگز بعد دیکھا تو ہمارے ساتھ رضیہ اسماعیل تھے فہیم فاطمہ اور سیفی رہ گئے تھے باقی لوگ دکانوں پر کام آگئے فاطمہ نے سنگاپور کی انڈر گراؤنڈ ٹرین میں سفر کرنے کی خواہش کی۔ لندن میں ہم ایک عرصے تک انڈر گراؤنڈ میں سفر کرتے رہے ہیں۔ سنگاپور کی انڈر گراؤنڈ ٹرین دیکھنے کا ہمیں بھی شوق ہوا۔ اسے ایم آر ٹی کہتے ہیں جو انگریزی میں ماس ریپڈ ٹرانسنشن کہلاتا ہے۔ جس کا مطلب ہے عوام کو ایک سے دوسری جگہ تیزی سے لے جانا۔ سمندر کے جزیرے میں زمین دوز ٹرین بنانا قیمتی بھی ہے اور مشکل بھی لیکن سنگاپور کے لوگوں کی لغت میں ناممکن کا لفظ نہیں ہے۔ اس لئے سمندر نے ہتھیار ڈال دیئے۔ فطرت ہار گئی۔

دنیا میں ہر جگہ راہگیروں کو لوگ راستہ بتاتے ہیں جو عموماً غلط ہوتا ہے اس لئے سیاح بہت سی

ایسی جگہیں دیکھ لیتا ہے جو شاید وہ خود نہ دیکھنا چاہے لیکن راستے کی تلاش یہ سب دکھاتی ہے۔ ہم نے ایک صاحب سے انڈر گراؤنڈ ٹرین کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے ایک طرف اشارہ کیا ہم پہنچے تو دیکھا وہ انڈر گراؤنڈ تھا جہاں کاریں پارک تھیں۔ بتانے والے نے صرف انڈر گراؤنڈ سنا ٹرین کا لفظ نہ سن سکا۔ یہاں آنے سے دو فائدے ہوئے ایک تو سنگاپور کی سرزمین پر پہلا کاغذ ہماری جیب سے نکل کر گر پڑا اس کے علاوہ وہاں سے ایک شیشے کی لفٹ چل رہی تھی۔ ہم سب اس میں گھبرا کر کھڑے ہوگئے یہ عمارت کی سب سے اوپر کی منزل تک گئی۔ شیشے کی دیواروں کی وجہ سے سنگاپور کی دکانیں سڑکے اور عمارتیں ہر طرف سے نظر آرہی تھیں۔

اوپر سے نیچے آئی تو پہلی منزل پر اتر گئے ایک بار پھر سڑک پر انڈر گراؤنڈ پوچھتے رہے اس مرتبہ رہنمائی ایک سپر مارکیٹ کی طرف ہوئی وہاں ننھے منے مینڈک' چھوٹے چھوٹے چوہے بک رہے تھے صبح کے ناشتے اور رات کے ڈنر کے لئے۔ تھوڑی دیر انہیں دیکھا پھدکتے' ادھر سے ادھر چکر لگاتے قیمت میں سستے تھے لیکن خریدنے کی ہمت نہ ہوئی اس مارکیٹ میں بچوں کے کھلونوں کی ٹرینیں ملتی تھیں ہم انڈر گراؤنڈ سے مایوس ہوئے تو دیکھا ایک جگہ بورڈ لگا ہے۔ اس پر بڑا ایم آر ٹی لکھا اور ٹرین بنی ہے۔ ساری گڑبڑ یہ تھی کہ ہم ٹرین پوچھتے سنگاپور میں وہ ایم آر ٹی ہے۔ خوشی خوشی نیچے اترے۔ سیڑھیاں عام رفتار سے ڈبل چل رہی تھیں۔ ساٹھ پینس کا ٹکٹ تھا۔ سارا انتظام لندن کے انڈر گراؤنڈ کی طرح تھا مشین سے ٹکٹ کمپیوٹر سے راستہ اور پلیٹ فارم۔ یہاں فرق یہ ہے کہ پلیٹ فارم بند رہتے ہیں۔ بڑے بڑے دروازوں سے جب ٹرین آکر رکتی ہے' دروازے کھلتے ہیں۔ جس طرح لفٹ کا دروازہ بند رہتا ہے اور لفٹ کے آنے پر کھلتا ہے۔ ٹرین بالکل نئی ہیں جاپان سے بن کر آئی ہیں۔ افتتاح بھی ہمارے انتظار میں رکا رہا۔ ہم تھے کہ سنگاپور کے منصوبے بناتے بگاڑتے رہے۔ ان لوگوں نے ہم سے مایوس ہوکر سات نومبر کو افتتاح کرلیا۔ اب جو ہم ستائیس دسمبر کو پہنچے تو یہ ظالم ہاتھ ملنے لگے (ٹشو پیپر سے) ہمیں بھی افسوس ہوا لیکن افسوس کرنے بیٹھیں تو اس کی کوئی حد نہیں اس لئے کوئی بات نہیں کہہ کر ٹرین کا انتظار کرنے لگے۔

فاطمہ نے اس عرصے میں ادھر ادھر پوچھ کر بتایا کہ اگر ہم لوگ دھوبی گھاٹ اسٹیشن پر اتر جائیں تو وہاں سے ریلوے اسٹیشن نزدیک ہے۔ ہم نے اسے ذہین مان لیا اور واپسی پر سند دینے کا

وعدہ کیا۔ اس نے خوش ہو کر ایم آر ٹی کا پمفلٹ پیش کیا اس کے طول وعرض اور بنانے سنوارنے کے حقائق تھے ملکوں کی ترقی اور خوشحالی کے اعداد و شمار میں ہمیں کبھی دلچسپی نہیں رہی۔ ہمیں جو نظر آتا ہے اس پر یقین کرتے ہیں۔ ایک بات جان کر خوشی ہوئی کہ اس ٹرین سے سنگاپور کے دو ہزار آدمیوں کو روزگار مل گیا ہے اور یہ صبح چھ بجے سے رات کے بارہ بجے تک مسلسل چلتی ہے پلیٹ فارم پر بند دروازے ہمیں مرعوب کر رہے تھے بلکہ اس حد تک چمکدار تھے کہ ہمارا وجود اس میں ٹیڑھا ہو کر نظر آ رہا تھا کیا خبر ٹرین ہمیں اس طرح دیکھتی ہو۔ پلیٹ فارم دور تک صاف شفاف دھلا دھلایا نظر آ رہا تھا اور اس کی صفائی ہمارے لئے للکارتھی۔ ایک کاغذ کا ٹکڑا ایک ٹشو پیپر اس جگہ نہ گرا سنگاپور ہمیں یاد نہیں رکھے گا۔ یہ سوچ کر دائیں بائیں دیکھا تو ہر شخص ہمیں مشکوک نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ شاید اس میں سے آدھے خفیہ پولیس میں تھے۔ ہمارا دل دھڑکنے لگا پلیٹ فارم کے دروازوں کے پیچھے گڑگڑاہٹ کی آوازیں آنے لگیں۔ ٹرین آ رہی تھی اور ہمیں چند لمحوں میں پلیٹ فارم کی صفائی پر حملہ کرنا تھا۔ پھر دروازہ کھل گیا۔ کچھ لوگ باہر نکلے اور کچھ اندر داخل ہوئے۔ جب ٹرین کا دروازہ بند ہو رہا تھا ہم نے دیکھا اور مسلا کچلا ٹشو پیپر اس جگہ جگمگا رہا تھا جہاں ہم کھڑے تھے ہم بے فکر ہو کر ریلنگ سے لٹکے' چمڑے کے ہک پکڑے کھڑے ہو گئے دل مطمئن ہو گیا۔ سنگاپور کا غذوں سے اٹا جا رہا ہے۔

ٹرین کی سیٹ پر بیٹھ کر دیکھا وہ آرام دہ تھی اتنے میں ہما طلوبہ اسٹیشن دھوبی گھاٹ آ گیا۔ سب جلدی سے اترے۔ ٹرین بھی جلدی میں تھی چلی گئی۔ ریلوے اسٹیشن کی تلاش دوبارہ شروع ہوئی۔ اب نشان ملنے لگے۔ سڑک پار کرنا مسئلہ تھا۔ ایک جگہ سے مشروب لیا تو ٹن پھینکنے کا سوال پیدا ہوا۔ اسے دیر تک اپنے گناہوں کی طرح ساتھ رکھا۔ کئی جگہ ہندوستانی نظر آئے مگر تیز تیز چلتے۔ فاطمہ اور سیفی تھک گئے۔ تھوڑی دیر ایک ریلنگ کے سہارے کھڑے ہو کر آرام کیا۔ آخری رہنما وہ تھا جس نے ایک گلی میں اشارہ کیا۔ ہمارا دل نہیں مانتا تھا سنگاپور ریلوے اسٹیشن گلی میں ہو گا۔ لیکن اس میں داخل ہوئے تو سامنے بڑا سا گھاس سے ڈھکا میدان تھا۔ اس کے بعد پرانی سی عمارت۔ ہم سب نے خوش ہو کر دیکھا وہ سنگاپور ریلوے اسٹیشن تھا ہم ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے تھے۔

ذرا سے ڈالر اور خرچ کر دیتے تو پھول والی ساتھ آ جاتی

بنکاک اور سنگاپور میں سارے ہوٹل ٹور گائیڈ والے بک کرا لیتے ہیں۔ ہم نے اپنی معلومات میں اضافے کے لئے جب بھی ہوٹل کے کاؤنٹر سے کرایہ پوچھا' بہت زیادہ بتایا گیا ہوٹل امپیریل کا کرایہ 135 ڈالر ہم نے ان کی بات پر یقین نہ کیا ریٹ کارڈ اپنی آنکھوں سے دیکھا حیرت کی بات یہ تھی کہ ہمارے گائیڈ تندا ٹورز کو کرایہ صرف 35 ڈالر ادا کرنا پڑتا تھا۔ ہم بس یا ہوائی جہاز میں خود ٹکٹ لے کر نہیں بیٹھے ورنہ اس کا اندازہ بھی ہو جاتا۔ یوں محسوس ہوتا ہے ان ملکوں میں ہوٹل ہوائی جہاز بس ٹور والوں کے رحم و کرم پر ہیں اور شاید معاہدہ ہو کہ کسی سیاح کو ٹھہرنے اور سفر کرنے کی سہولت نہیں دی جائے گی جب تک اس کے ساتھ ٹور والوں کا آدمی نہ ہو۔ سنگاپور آ کر معلوم ہوا ملائشیا جانے والی ٹرین پر بھی ان کا قبضہ ہے۔ پینانگ کے لئے کئی دن تک کسی کلاس میں ٹکٹ نہ تھا ہم مایوس ہوئے فاطمہ اور سیفی کا ساتھ چھوٹ رہا ہے۔ ہمیں جرمن جوڑے کے ساتھ ایک لمبا سفر کرنا پڑے گا جس سے ٹور کے دوران ہیلو ہیلو بھی نہیں ہوئی۔ اور ان کے نام بھی نہیں جانتے۔

سنگاپور سے ہر پندرہ منٹ کے بعد ایئر کنڈیشنڈ بسیں ملائشیا جاتی ہیں بعض ٹور تو صبح روانگی اور شام واپسی کے ہوتے ہیں ان میں جوہر بارو کی سیر شامل ہے۔ اس کے علاوہ بسیں پینانگ

تک جاتی ہیں جو سنگاپور سے 14 گھنٹے کی مسافت پر ہے۔ فاطمہ نے بس سے کوالالمپور جانے کا پروگرام بنایا۔ اور وہیں ملاقات کے لئے ہم نے اپنے ہوٹل کا نام پتہ بتادیا۔

امپیریل ہوٹل میں دوپہر کا کھانا بدمزہ اور شاید رات کا بچا ہوا تھا ظالموں کو علم تھا اب جا رہے ہیں اس لئے گھاسی پات جو بچا ہے کھلا دو۔ ہم نے زیادہ زور سویٹ ڈش اور روٹی پر دیا اس کے بعد آرام کیا اور تین بجے سنگاپور کی سیر کو نکلے۔ فاطمہ' سیفی' رضیہ فہیم اور زکریا ساتھ تھے۔ دو دن سے بائی اسٹریٹ کا نام سن رہے تھے ٹیکسی میں اسی سڑک پر پہنچے یہاں قیمتیں زیادہ ہوتی ہیں اس لئے بائی اسٹریٹ کا نام رکھا گیا ہے۔ پاکستان کے مقابلے میں قیمتیں تقریباً دوگنی ہوتی ہیں ہم نے ایک ٹرانسسٹر چھبیس امریکی ڈالر میں خریدا جو پانچ سو روپے ہوئے۔ کراچی میں ٹرانسسٹر چار سو روپے کا تھا اسی طرح گھڑیاں چشمے سب ذرا مہنگے ہیں اس سے ایک بات سمجھ میں آئی۔ پہلے سنگاپور سے سامان کراچی لایا گیا یہاں قیمتیں اس درجہ کم تھیں کہ وہ سامان واپس سنگاپور بھیج دیا گیا اسے لانے لے جانے میں قیمت بڑھ گئی۔

سنگاپور میں الیکٹرانک کی وہ اشیاء سستی ہیں جن کی قیمت آپ کو معلوم ہو۔ ہمیں کسی چیز کی قیمت معلوم نہ تھی اس لئے کچھ نہ خریدا۔ ہندوستانی فلمیں بک رہی تھیں۔ لیکن ہمارے ملک میں ہندوستانی فلمیں ممنوع ہیں۔ اس لئے خرید نہ سکے۔ ویسے ممنوع کے ڈر سے زیادہ اس کی بھاری قیمت نے حاصل کرنے پر روکے رکھا۔

دکانیں بھری تھیں' لیکن جیب خالی تھی' اس لئے دوکانداروں کی کوئی مدد نہ کر سکے اور پروگرام بنا جمیل زکریا کو دیکھنے جانا چاہئے۔ راستے میں لٹل انڈیا پڑتا تھا۔ اس لئے وہاں اتر گئے۔ یہ سرنگون روڈ پر واقع ہے۔ یہاں آتے ہی احساس ہوتا ہے۔ ہندوستان پہنچ گئے۔ یہاں زیادہ تر ہندو اور سکھ نظر آتے ہیں۔ بے شمار دکانیں انواع واقسام کی اشیاء سے بھری پڑی ہیں۔ ہندوستانی کھانے پوجا پاٹ کا سامان اور کالی کا مندر' سری نواس کا مندر پجاریوں کے ساتھ قائم ہے۔ ایک بڑی' مارکیٹ ہے نیچے کھانے پینے کی چیزیں اوپر کئی سو دکانیں' دائیں بائیں راستہ' دائیں سے اوپر گئے۔ دکانوں کو غور سے دیکھا۔ دکانداروں سے مسکرا کر ملے حال احوال پوچھا۔ جن دکانوں پر خواتین نظر آئیں وہاں کچھ زیادہ وقت دیا اس خیال سے کہ ان کی دل شکنی نہ ہو۔ پاکٹ سے ہوشیار رہے کچھ

ڈالر ہوٹل کے لاکرز میں رکھ دیئے تھے جیب میں تھے انہیں خرچ نہ کرنے کی قسم کھائی تھی ابھی ایک لمبا سفر طے کرنا تھا۔

بائی اسٹریٹ پر رضیہ اور زکریا کو کھو آئے تھے صرف فہیم ساتھ تھا۔ جو ادھر ادھر دکانوں پر جا کر پھر ہماری طرف لوٹ آتا۔ اسے ایک جینز اور جوگر کی تلاش تھی وہ مل گئے تو مول تول کے لئے ہماری ضرورت ہوئی دکاندار قیمت کم کرنے پر تیار نہ تھا اور فہیم قیمت کم کرانے پر بضد تھا۔ ہم ایک دکان سے دوسری دکان جا رہے تھے اور فہیم بار بار آ کر قیمت کا مول تول بتاتا آخر تیس ڈالر پر سودا ہو گیا۔

فاطمہ' سیفی کو گھڑی خریدوانے کے لئے کم از کم پچاس دکانوں پر گئی مطمئن ہو کر گھڑی خرید لی۔ ہمیں گھڑی دکھا کر قیمت بتائی اور اطلاع دی کہ اتنی سستی قیمت میں ہم نے دکاندار کو لوٹ لیا اب ہم کیا بتاتے کہ یہی گھڑی ہم نے اس بازار کی ایک دکان پر بیس ڈالر کم قیمت پر بکتے دیکھی تھی ہمیں کاغذ کے پھول خریدنے تھے۔ بہت تلاش کے بعد ایک دکان ملی تو پھولوں سے اچھی پھول والی نکلی۔ اب پریشانی یہ تھی کہ پھول خریدیں یا پھول والی۔ اپنا اور سامان کا وزن کیونکہ پہلے ہی زیادہ تھا اس لئے پھول ہی خریدنے پر دل کو تیار کیا۔ لیکن پھول خریدنے میں اس قدر دیر کی کہ آس پاس کی دکانیں بند ہونے لگیں فاطمہ اور سیفی نہ جانے کب دکان پر کھڑے ہو کر ہمیں عجیب عجیب نظروں سے دیکھنے لگے۔

پھول خرید کر دکان سے نکل رہے تھے تو سیفی نے سرگوشی کی "ذرا سے ڈالر اور خرچ کر دیتے تو پھول والی بھی ساتھ آ جاتی" ہم نے جواب نہیں دیا۔ رات گئے جب لفٹ میں کمرے کی طرف جا رہے تھے تو سوچنے لگے۔ چند ڈالر بچا کر ہم نے نہ جانے کون سے فائدے کا سودا کیا ہے۔

سنگاپور کے آسمان پر رات چھا گئی ہسپتال میں جمیل زکریا کو دیکھنے کے لئے ٹیکسی کی تلاش شروع ہوئی۔ جس ٹیکسی کو روکتے' وہ انکار کر دیتی۔ تب ایک ہندوستانی راہ گیر نے بتایا کہ برابر کی سڑک پر ٹیکسی اسٹینڈ ہے۔ وہاں چلے جائیں یہاں ٹیکسی روکنا منع ہے وہاں پہنچے تو ایک لمبی لائن لگی تھی۔ سامنے مندر میں گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ لڑکیاں سیاہ بالوں میں پھول لگائے مرد ہاتھوں میں ناریل اور مٹھائی لئے اندر جا رہے تھے ٹیکسی ملنے میں دیر نہیں ہوئی۔ ذرا دیر میں ہمارا نمبر آ گیا۔

فاطمہ سیفی ہم اور نعیم ہسپتال پہنچے۔ جمیل زکریا چوتھی منزل پر تھے۔ استقبالیہ سے کمرے کا نمبر معلوم ہوا یہاں ملاقات پر پابندی تھی لیکن ہم لوگوں کو اجازت مل گئی۔ جمیل زکریا کے منہ اور ناک پر آکسیجن ماسک چڑھا تھا ہمیں دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے۔ ہمارے اور ان کے درمیان گفتگو کاغذ پر لکھ کر ہوئی۔ وہ ہماری بات سن لیتے تھے۔ اپنی بات کاغذ پر لکھ رہے تھے ان کی زندہ دلی اس وقت بھی عروج پر تھی فاطمہ رونے لگی۔ اس نے رات کو الوداع کہتے وقت جمیل زکریا سے کہا تھا ”ہم آپ کی جگہ نیا لیڈر چن رہے ہیں“ اس کا خیال تھا ان الفاظ نے جمیل زکریا کا دل توڑ دیا اور وہ رفتار کھو بیٹھا۔ فاطمہ کتنی بھولی ہے اپنے بھائی جمیل زکریا حسن پرست ہیں۔ سنگاپور کی نرسوں کو دیکھنے ہسپتال آئے ہیں کیونکہ وہاں روبی بھابی نہیں تھیں۔ انہیں بہانے سے گھر بھجوا دیا ہوگا۔ ہم نے یہ بات یقین سے اس لئے کہی کہ ان کے کمرے میں اور باہر ادھر ادھر ٹہلتی نرسوں کو دیکھ کر صرف نابینا اپنے دل کی رفتار پر قابو رکھ سکتا ہے۔ ہم نرسوں کی طرف پشت کئے کھڑے رہے کیوں کہ اگلی صبح ہی چینا تنگ جانا تھا۔ پھر جمیل زکریا سے مقابلہ کیسا۔ انہیں نرسیں پسند ہیں تو لیتے رہیں جمیل زکریا ہمیں دیکھ کر خوش ہوتے رہے۔ ہم انہیں خوش ہوتے دیکھ کر خوش ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ ہماری خوشی سے ڈاکٹر جل گئے۔ نرس نے آکر ملاقات کے ختم ہونے کا اعلان اس طرح کیا جیسے فلموں میں قیدی اور ملاقاتی کے ملنے کے وقت کا کیا جاتا ہے۔

ڈیوٹی پر ڈاکٹر اچھا تھا ہم نے ازراہ تجسس اس سے جمیل زکریا کی طبیعت کا احوال پوچھ لیا وہ ادھار کھائے بیٹھا تھا۔ ایک ایک چیز تفصیل سے بتائی جمیل زکریا کی رپورٹیں ان کی بیماری کا حال جو ہماری قطعاً سمجھ میں نہیں آیا تو چارٹوں اور لائنوں کی مدد سے بتایا دواؤں کے نام اور نئی ایجادات کی کہانی۔ آدھے گھنٹے کے بعد جب ہم ہسپتال کے کوری ڈور میں پہنچے تو چھوٹے موٹے دل کے دورے کے علاج کے قابل ہو گئے تھے بلکہ لفٹ سے اترتے وقت خود دل پر بوجھ سا محسوس کیا۔ اور ساری وہ کیفیتیں دیکھ کر جو دل کی رفتار کو بے ڈھنگا کرتی ہیں۔ فاطمہ نے جمیل زکریا کی محبتوں کا ذکر کیا تو ہم اپنی حالت کو بھول گئے ہسپتال میں ہی ٹیکسی کے لئے لائن لگی تھی۔ چند لمحوں میں ٹیکسی آئی اور ہم سنگاپور کی جگمگاتی سڑکوں پر سفر کرتے ہوٹل جا پہنچے۔

یہ سنگاپور میں ہماری آخری رات تھی صبح نو دن کے لئے ملائیشیا جانا تھا۔ بنکاک اور سنگاپور

سے ڈالر کے عوض بہت سا بوجھا اکٹھا کر لیا تھا۔ اس کے لئے ہوٹل والوں سے درخواست کی وہ قبول ہوئی ہمارا سامان ہوٹل امپیریل میں رکھ دیا گیا۔ واپسی میں حاصل کرنے کے لئے۔

رات کا کھانا لطیفوں اور قہقہوں کے درمیان ختم کیا فاطمہ نے تجویز پیش کی چائے لاؤنج میں بیٹھ کر پینی چاہئے۔ لاؤنج میں آکر بیٹھے تو زندگی کے ہنگاموں میں گھر گئے۔ باہر بارش ہونے لگی۔ شاپنگ کی سیر و تفریح کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر رات بھیگ گئی۔ سب ایک ایک کرکے اپنے کمروں میں چلے گئی۔ شبیر لوٹیا نگہت فاطمہ سیفی اور ہم صوفوں پر بیٹھے رہے باتیں ختم ہو گئی تھیں بس یوں ہی بیٹھے تھے۔

”آپ کو صبح جلدی جانا ہے۔ اب آرام کرنا چاہئے“۔ فاطمہ بولی پھر سب اٹھ گئے۔ واپسی میں اسی ہوٹل میں ملنے کے لئے۔ اس جگہ سے اپنے ملک واپس جائیں گے ڈھیروں یادیں آنکھوں اور دل میں بسائے۔

دنیا بھر کے ہوٹلوں میں یہ سہولت ہے کہ آپ کو جس وقت سو کر اٹھنا ہے ٹیلی فون آپریٹر کو ہدایت کر دیجئے وہ بیدار کر دے گا۔ ہم نے ہوٹل امپیریل کے آپریٹر کو صبح پانچ بجے اٹھانے کی درخواست کی اور اطمینان سے سو گئے۔

ساڑھے چار بجے آنکھ کھل گئی۔ کچھ دیر انتظار کیا آپریٹر کی کال آئے تو انہیں پھر خیال آیا کیا خبر ٹیلی فون آپریٹر نے بھی کسی سے اپنے اٹھنے کے لئے مارننگ کال کی درخواست کی ہو۔ اس لئے ہم نے ایکسچینج کا نمبر ملایا۔ چند لمحوں تک وہاں گھنٹی بجتی رہی اس کے بعد نہایت مخمور آواز سنائی دی ”یس سر میں آپ کے لئے کیا کر سکتی ہوں“ جی میں آیا کہ کہیں آپ اپنے لئے کچھ کریں جاگنے کے سلسلے میں لیکن ملک غیر ہو ہم مسافر ہوں تو خواتین و حضرات سے ذرا کم سچ بولتے ہیں۔ اسی میں بھلائی نظر آتی ہے عرض کیا ”کچھ نہ کیجئے۔ ہم خود اٹھ گئے ہیں اس لئے پانچ بجے کال نہ دیجئے گا“ ”اچھا“ اور ”شکریہ“ کہہ کر فون بند کر دیا گیا۔ ہم نے باتھ ٹب میں نیم گرم پانی بھرا۔ منہ ہاتھ دھویا اور ٹب میں لیٹ گئے۔ سفر کے دوران صبح کے وقت ہمارے نزدیک دنیا کی سب سے بڑی عیاشی گرم پانی کے ٹب میں کم از کم آدھ گھنٹہ آرام کرنا ہے۔ ابھی ہم ٹب میں لیٹے ہی تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی ٹیلی فون کی سہولت کیونکہ واش روم میں بھی تھی اس لئے ہاتھ بڑھا کر فون اٹھایا۔ اس

وقت آپریٹر کی آواز میں سونے والی کیفیت نہ تھی اس نے ہم سے اٹھنے کی درخواست کی ہم نے عرض کردیا جاگ رہے ہیں۔ ادھر سے شکریہ ادا کیا گیا اور فون بند ہوگیا۔ ہم نیم گرم پانی میں تیرتے پینانگ کا پروگرام بنا رہے تھے کہ اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ہم نے سوچا۔ کون ہوسکتا ہے شاید ہمارے ساتھ سفر پر جانے والا جرمن جوڑا ازراہ ہمدردی جگار ہا ہو۔ ریسیور اٹھایا تو آپریٹر تھی۔ ''مارننگ کال سر''

''دیکھئے اگر آپ نے دوبارہ کال کی تو ہم واقعی جاگ جائیں گے'' یہ کہہ کر ہم نے فون بند کیا اور پروگرام اسی جگہ سے بنانا شروع کیا جہاں سے رابطہ ٹوٹا تھا۔ پینانگ جانے کے لئے ہم جرمن جوڑے کے ساتھ ہوں گے۔ جن سے پورے سفر میں ہیلو ہیلو بھی نہیں ہوئی نام جاننا تو دور کی بات ہے ہمیں جو چند دنوں سے ہنستے مسکراتے لوگوں کی عادت پڑ گئی تھی اس کا کیا ہوگا۔ آج کے بعد سے ہفتوں تک اردو نہ بول سکیں گے۔ اردو کا مستقبل بھی تاریک نظر آیا۔ اس پر دل اس درجہ افسردہ ہوا کہ ہم نے پہلے آہستہ پھر زور زور سے گانا شروع کردیا۔ لیکن اردو کے دشمن سنگاپور میں بھی ہیں انہیں ہمارا اس طرح گانا پسند نہ آیا۔ اس لئے فون کی گھنٹی ایک بار پھر بجی۔ ہم نے سوچا اگر یہ آپریٹر ہے تو اس بار اسے اچھی طرح ڈانٹ دیں گے۔ ریسیور اٹھایا تو ایک سریلی آواز سنائی دی ''سر آپ جاگ رہے ہیں''۔

''نہیں'' ہم نے جواب دیا۔ ''تو جاگ جایئے'' آواز میں مزید مٹھاس آگئی۔

''مشکل ہے۔ فون کی گھنٹی بجتی ہے تو ہمیں نیند آجاتی ہے''

''سر پھر کیا کروں''

''ایک تو یہ بتایئے کہ آپ نے چار بار فون کیوں کیا؟''

''میں نے چار بار فون کیا؟ جی نہیں۔ یہ میرا پہلا فون ہے'' آپریٹر نے کہا

''تو اس سے پہلے کس نے فون کئے؟''

''اوہ۔ سمجھی دراصل میں ابھی ڈیوٹی پر آئی ہوں۔ مجھ سے پہلے آپریٹر نے فون کیا ہوگا'' آئی ایم سوری''۔

''کوئی بات نہیں اب آپ ہم سے تھوڑی دیر گفتگو کرتی رہیں ورنہ پھر نیند آجائے گی''

''میں سمجھی نہیں''

''اس میں سمجھنے کی کوئی بات نہیں۔ ہم صبح اٹھتے ہیں تو کچھ دیر گفتگو کرتے ہیں ورنہ دوبارہ آنکھ لگ جاتی ہے''

''لیکن آپ کو تیار ہونا ہے''

''اس میں دیر نہیں لگتی'' اچانک ہم ٹب میں ذرا سا اوپر ہوئے پھسل گئے۔ پانی اچھل کر فرش پر گر گیا۔

''کیا آپ ٹب میں باتھ لے رہے ہیں'' آپریٹر نے پوچھا ''نہیں گلاس سے پانی پیا ہے......''

''گلاس میں پانی کی آواز اس طرح نہیں آتی'' آپریٹر نے شک کیا۔ اچانک بدنصیبی نے پھر پکارا۔ پانی میں سنبھلنے کی کوشش میں اور معہ فون پانی میں ڈوب گئے۔ اس بار آپریٹر نے کہا ''دیکھئے آپ نہا رہے ہیں۔ اس لئے خدا حافظ''

''بات تو سنئے پلیز۔ کیا خوبصورت آواز والی اس حسینہ سے ہم مل سکتے ہیں......''

''کیوں......''

''ایک نظر دیکھنے کے لئے''۔

''پھر کیا ہوگا''

''کچھ نہیں ہم دیکھنے آئے ہیں۔ بنکاک' پتایا اور سنگاپور میں اتنا کچھ دیکھا بھی نہ ہوا۔ نہ دیکھنے والی چیز پر نہ کسی اور پر''

''آپ پر کیا ہوا'' ادھر سے ہنسی کی آواز آئی۔ ''ہم ذرا سخت جان ہیں ہمارے دوست کو کل دل کا دورہ پڑا اسپتال میں زیر علاج ہیں''

''آپ پچ کرر ہیں'' وہ بولی

''دیکھئے'' ہم بولے

''کہاں دیکھوں...... سنئے الفاظ ہونا چاہئے''

''سوری''۔ سنئے بات یوں ہے۔

"میں ایکسچینج چھوڑ کر کہیں نہیں آ سکتی۔ آپ ناشتہ کرنے آئیں تو یہاں آ جائیے گا" یہ کہہ کر آپریٹر نے فون بند کر دیا۔ ہمیں خیال آیا صبح ہی صبح ہم نے اپنے دن خراب کرنے کا سامان کر لیا ٹیلی فون آپریٹر عموماً بدشکل بھدی اور موٹی ہوتی ہیں اگر شکل و شباہت کی اچھی ہوں تو استقبالیہ میں کام کریں مناسب اجرت حاصل کریں لیکن دل میں تجسس تھا۔ ایک نظر دیکھنے کا۔

ناشتے کے لئے نیچے اترے تو سامان پورٹر کے حوالے کر کے رسید لی ایکسچینج کا راستہ پوچھا کاؤنٹر خالی تھا وہاں ایک خوبصورت پھولوں سے بھرا گلدستہ رکھا تھا۔ سونگھ کر دیکھا خوشبو سے مہک رہا تھا۔ پھول اچھے لگے۔ جی چاہا انہیں کسی کو تحفے میں پیش کر دیں۔ لیکن وہاں کون تھا جرمن جوڑا جو تھوڑی دیر بعد ہمارا ہمسفر ہوگا نہ جانے صبح کے وقت پھول پیش کرنے کا ان کے ملک میں کیا مطلب لیا جاتا ہے۔ اچانک خیال آیا ایکسچینج جا رہے ہیں کیوں نہ آپریٹر کو پیش کر دیں اگر وہ اپنی آواز کی طرح ہو۔ بس یہ سوچا تو جھٹ سے پھول نکال لئے۔ پھول دان رہنے دیا۔ ایک رنگوں کی دھنک ساتھ ہو لی۔

ایکسچینج کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اس سریلی آواز نے کہا "یس سر۔ اندر آ جایئے" دھڑکتے دل کے ساتھ دروازہ کھولا۔ چھوٹے سے ایکسچینج کاؤنٹر کے ساتھ ایک لڑکی بیٹھی تھی۔ اسمارٹ قبولِ صورت اس نے ایک لمحہ کے لئے ہماری طرف دیکھا "فرمایئے"۔

"صبح بخیر" ہم روم نمبر 302 سے آئے ہیں۔

"صبح بخیر۔ تشریف لایئے"......اس نے مسکرا کر کہا۔ ہم دو قدم اور آگے بڑھ آئے۔ اس نے ہمارے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔ "بہت اچھے پھول ہیں" وہ بولی۔

"آپ کے لئے۔ اس خوبصورت صبح کا تحفہ" ہم نے پھول اسے پیش کر دیئے۔

"شکریہ۔ مجھے پھول پسند ہیں۔ کاش یہ صرف ایک ہوتا اور کاؤنٹر سے آپ اٹھا کر نہ لائے ہوتے" اس نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب" ہم نے حیران ہو کر کہا۔

"میری بہن ٹیلی فون آپریٹر ہے ٹھیک پانچ بجے اس کی ڈیوٹی ختم ہو جاتی ہے آج دوسری آپریٹر چھ بجے آئے گی۔ اس لئے ایک گھنٹہ میں ڈیوٹی دوں گی۔ ویسے میں فرنٹ آفس میں ہوتی

ہوں ابھی وہیں سے آ رہی ہوں۔ اور ان پھولوں کی شاخوں پر سرخ رنگ کا ربر بینڈ میں نے لگایا تھا۔ یہ دیکھئے" ایک سرخ رنگ کا ربر بینڈ صاف نظر آنے لگا ہم کیا کہتے چپ کھڑے رہے۔

"آپ کو جو بار بار فون آتا تھا وہ اسی لئے ہوا۔ پہلے دو مرتبہ میری بہن نے کیا۔ پھر میں نے بھی کر دیا" وہ بولی۔

"یہ اچھا ہوا اس بہانے آپ کو دیکھ لیا" ہم نے کہا۔

"میں کاؤنٹر پر ہوتی ہوں آپ نے خیال نہیں کیا ہوگا" وہ مسکرائی

"آپ کے ہوٹل میں انسانوں کا میلہ لگا رہتا ہے۔ بھیڑ بھاڑ میں آدمی خود کو نہیں پہچانتا"۔

"ٹھیک کہتے ہیں" اس نے ان پھولوں میں سے ایک تر و تازہ سرخ رنگ کا گلاب نکال کر ہمیں دیا۔

"سنگاپور کی طرف سے یہ رنگ اور خوشبو قبول کیجئے" اس نے مسکرا کر کہا۔

شکریہ کہہ کر ہم نے پھول اس کے ہاتھوں سے لیا اور آہستہ سے ایکسچینج کا دروازہ بند کر کے باہر نکل آئے۔

جرمن جوڑا لاؤنج میں ہمارا منتظر تھا کیفے میں ناشتہ تیار تھا۔ سنگاپور میں اس سفر کا یہ آخری ناشتہ تھا اس لئے ذرا زور دے کر کیا۔ کافی کے دو کپ پی کر باہر نکلے تو ننداٹریولز کی پک اپ تیار کھڑی تھی۔

"آپ لوگ صرف تین ہیں" ڈرائیور نے سامان گاڑی میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

ٹیلی فون ایکسچینج آپریٹر مسکراتی ہوئی آ گئی۔

"آپ لوگ صرف تین ہی ہیں نا؟" ڈرائیور نے اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ صرف تین۔ کیوں کہ یہ ہمارے ساتھ جانے پر تیار نہیں ہیں۔" ہم نے آپریٹر کی طرف دیکھ کر کہا جرمن گاڑی میں چڑھ رہا تھا اس نے ایک نظر پلٹ کر ہماری طرف دیکھا اور مسکرانے لگا۔

"خدا حافظ" آپریٹر چلی گئی۔

گاڑی ہوٹل امپیریل سے اتر کر آرچرڈ روڈ۔ اور پھر دائیں طرف مڑ گئی۔

نکی سے ملاقات

سنگاپور میں صبح کا اجالا چاروں طرف پھیل رہا تھا زندگی انگڑائی لے کر اٹھ رہی تھی۔ رات کے کسی وقت بارش ہوئی تھی سڑکیں صاف ستھری دھلی ہوئی تھیں۔

ریلوے اسٹیشن پر ڈرائیور نے سامان نیچے رکھا اور چلا گیا۔ سامنے مسافر لائن سے کھڑے تھے ہمیں دو باتوں پر تعجب ہوا۔ ایک گھنٹے پہلے ریلوے اسٹیشن آنا اور ایک لمبی لائن۔ کچھ دیر بعد معلوم ہوا سنگاپور سے ملائیشیا جانے کے لئے ایک امیگریشن کی لائن ہے۔ آگے جا کر یہ تین ہو گئی تھیں۔ ایک سنگاپور والوں کے لئے۔ دوسری ملائیشیا والوں کی اور تیسری غیر ملکیوں کے لئے۔ ہم اسی لائن میں لگ گئے اس عرصے میں ہم نے جرمن سے اس کا نام پوچھ لیا۔ وہ بڑا لمبا تھا۔ ہم نے اپنی سہولت کے لئے والٹر یاد کر لیا۔ اس کی بیوی کا نام بگاڑ کر للی رکھ دیا۔ ہمارا نمبر آیا تو کھڑکی میں ایک چشمہ لگائے خاتون بیٹھی تھیں انہوں نے ہماری صرف دیکھے بغیر پاسپورٹ لیا اس پر مہر لگائی اور ہمارے حوالے کر دیا۔ لیجئے سنگاپور سے ہم گئے۔ ذرا دور چلے تو کسٹم۔ پوچھنے پر معلوم ہوا۔ یہ ملائیشیا والے ہیں ہم نے دو ملکوں کی سرحدیں اتنے نزدیک پہلی بار دیکھیں حالانکہ یہ زمین سنگاپور کی تھی لیکن ملائیشیا والے یہیں چھان پھٹک کر لیتے تھے۔

''اس میں کیا ہے'' کسٹم آفیسر نے ہمارے بیگ کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔

''رات اور دن میں پہننے کے کپڑے۔ منہ دھونے' دانت چمکانے کا سامان'' ہم نے جواب دیا۔ کہاں جانا ہے''؟ سوال ہوا۔

''پینانگ''؟ جواب دیا

''کیوں''

''سیر و تفریح کے لئے'' ہم نے بتایا۔

''کوئی خاص وجہ پینانگ جانے کی''

ہمارے دوست ڈاکٹر زین العابدین وہاں رہتے ہیں''

''جائیے'' کسٹم آفیسر نے دائیں طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اس طرف ایک کاؤنٹر تھا ملائیشیا کا امیگریشن۔ وہاں چند لمحے لگے اور پاسپورٹ پر داخلے کی مہر لگ گئی۔ سارے مرحلے بغیر کسی پریشانی سے حل ہو گئے۔ پلیٹ فارم پر ٹرین ہمارے انتظار میں کھڑی تھی ٹکٹ پر بوگی اور سیٹ نمبر لکھا تھا۔ وہی تلاش کرتے آگے بڑھ رہے تھے کہ کسی نے زور سے نعرہ لگا کر مسز والٹر کو دبوچ لیا والٹر اور ہم آگے آگے چل رہے تھے پلٹ کر دیکھا تو ایک لڑکی للی سے لپٹی ہوئی تھی۔ چند لمحوں تک ہم یہ دیکھتے رہے پھر یہ دونوں الگ ہوئیں تو ہم سے تعارف ہوا ''میری سہیلی نکی'' فرانس سے آئی ہے۔''

''ہیلو'' اس نے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔

''کہاں جا رہی ہو'' للی نے پوچھا۔

''پینانگ'' وہ بولی

''او نہیں'' نکی اس سے دوبارہ چمٹ گئی۔ ''تمہارا بوگی نمبر کیا ہے'' ٹکٹ دیکھ کر وہ مایوس ہوئی۔

''تم کسی اور بوگی میں ہو''

ہم اور والٹر بوگی تلاش کر رہے تھے وہ مل گئی۔ ''آپ لوگ بیٹھیں۔ میں اپنی سیٹ تلاش کر کے آتی ہوں'' نکی چلی گئی ہم ڈبے میں داخل ہوئے تو یوں محسوس ہوا کسی حسین ڈرائنگ روم

میں آ گئے۔ ایک لمبا سا کمپارٹمنٹ جس میں دو کشادہ مخملی سیٹیں دائیں اور بائیں طرف' ہماری سیٹ بائیں طرف تھی۔ للی اور والٹر کی دائیں طرف' سیٹ پر بیٹھ کر دیکھا نہایت آرام دہ۔ سونے کے لئے پشت پیچھے جا سکتی تھی اور بیٹھنے کے لئے آگے۔ سامنے دونوں طرف ٹی وی اسکرین لگے تھے کمپارٹمنٹ کی پشت پر ایک کمرہ آرام دہ صوفوں سے سجا تھا۔ بیچ میں ایک میز اور اس کے چاروں طرف خوبصورت کرسیاں لگی تھیں۔ ہم اپنی نشست پر بیٹھ گئے والٹر للی کے ساتھ براجمان ہوا۔ ہمارے برابر کی سیٹ خالی تھی۔ کمپارٹمنٹ میں بہت سی سیٹیں خالی تھیں۔ ہمیں افسوس ہو رہا تھا۔ راجم کی وجہ سے ہمارے ساتھیوں کی بکنگ نہ ہو سکی ٹرین میں جگہ تھی۔

کمپارٹمنٹ کے باہر دونوں طرف باتھ روم تھے اسے دیکھا تو طبیعت خوش ہو گئی۔ کمرے کی طرح صاف ستھرا خوشبودار اور صابن اور ٹشو پیپر کے ساتھ۔ جی چاہے تو کچھ دیر یہاں بھی بیٹھا جا سکتا ہے۔ جب بھی کوئی باتھ روم کا دروازہ اندر سے بند کرتا۔ کمپارٹمنٹ میں چھت سے ذرا نیچے آدمی کی تصویر روشن ہو جاتی ہے اس کا مطلب ہے باتھ روم زیر استعمال ہے۔ آدمی باہر سے دروازے کے اندر دھکا دینے اور اندر والا کھانسنے کھنکارنے سے نجات پا سکتا ہے۔ ہمیں یہ نظام پسند آیا۔

اپنی معلومات میں اضافے کے لئے اگلے کمپارٹمنٹ میں قدم رکھا اسے بھی ایسا ہی پایا۔ اس کے برابر ایک خوبصورت کیفے تھا۔ اس کی نفاست بیروں کی مسکراہٹ اور صفائی دیکھ کر جی چاہا ایک کپ کافی چکھ لی جائے یہ سوچ کر میز پر بیٹھے پھر خیال آیا ہمارے ساتھ دو اور مسافر بھی ہیں انہیں بھی اس میں شریک کرنا ضروری ہے۔ تین کافی کا آرڈر دیا تو خیال آیا۔ تین کپ دو ہاتھوں میں کیسے لے کر جائیں گے۔ ٹرے میں رکھ کر لے جائیں تو برا لگے گا۔ کاؤنٹر پر کھڑی خاتون نے ہم سے بوگی اور سیٹ نمبر پوچھی اور کہا کافی آپ کی سیٹ پر پہنچ جائے گی۔ شاید ذہن پڑھنے کی ماہر ہو۔ ہمیں ندامت ہوئی اتنی چھوٹی سی بات ہماری سمجھ میں نہ آئی۔

ہم اپنے کمپارٹمنٹ میں لوٹ کر آئے تو پیچھے پیچھے بیرا بھی آ گیا للی اور والٹر کافی پینے کے موڈ میں نہ تھے ہم نے اصرار کیا تو کپ لے لئے۔ بیرے نے ایک ڈالر طلب کیا۔ ہم نے دیا تو اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ یہ سنگاپوری ڈالر تھا اور اسے ملائشی ڈالر چاہئے تھا۔ ہم نے کرنسی تبدیل

نہیں کرائی تھی ایک ملک سے دوسرے ملک میں اس تیزی سے جانے کا پہلا تجربہ تھا۔ والٹر نے یہ صورت حال دیکھی تو دس ملائشی ڈالر کا نوٹ ہمیں پیش کر دیا۔ ہم نے شکریہ ادا کیا اور پینانگ پہنچ کر ادا کرنے کا یقین دلایا۔ کافی اچھی تھی یا کمرے کا ماحول اور ٹھنڈک اچھی تھی۔ ہم نے گھونٹ گھونٹ کر کے حلق سے اتاری۔ اچانک دیکھا ٹرین چل رہی تھی پلیٹ فارم پیچھے ہٹ رہا تھا۔ الوداع سنگاپور۔ الوداع۔

چند لمحوں بعد سمندر تھا۔ دونوں طرف ملائشیا اور سنگاپور کے درمیان یہی قدرتی سرحد ہے۔ ٹھاٹھیں مارتا سمندر۔ لیکن پرسکون اور خاموش۔ گاڑی شور مچاتی پل پر سے گزرتی رہی پھر زمین پر آ گئی دائیں بائیں ایک شہر تھا۔ سڑکیں ٹریفک سے بھری تھیں۔ سر اٹھائے مکان جاگ رہے تھے۔ صبح ہوتے ہی لوگ زندگی کی دوڑ میں شامل ہو گئے تھے۔ یہ ملائیشیا کی سرزمین تھی۔ مسلمانوں کے ایک عظیم اور دولت ملک کی سرزمین۔

ٹرین آہستہ ہوئی اور ایک اسٹیشن پر رک گئی۔ یہ ملائشیا کا پہلا شہر جوہر بارو تھا۔ ایک طرف اس شہر کا نام تھا اس کے برابر تیر بنا کر اگلے شہر کا نام لکھا تھا۔ ملائشیا میں یہ اچھا سلسلہ ہے کہ آنے والے اسٹیشن کا نام بھی لکھا ہوتا ہے۔

تاکہ مسافر کو اترنے کی تیاری میں دیر نہ لگے ہم نے ملائشیا کی زمین پر قدم رکھنے کی خواہش میں ڈبے سے باہر قدم نکالا۔ سیمنٹ سے بنا پلیٹ فارم آج صبح پانی سے دھویا گیا تھا۔ اس کا انتظام قدرت خود کرتی ہے۔ آسمان پر بادل اپنی چھاگلوں پر پانی بھر کر لاتے اور گراتے رہتے ہیں جب تک دھول مٹی کا ایک ذرہ بھی نظر آتا ہے۔ پھر جہاں جہاں زمین پختہ نہیں ہوتی سبزہ سر اٹھا لیتا ہے۔ ہوا سے لہرا لہرا کر بادلوں کا آسمان کا اور اپنے مالک کا شکریہ ادا کرتا رہتا ہے۔

ہم جوہر بارو کے نام کے ساتھ یوں کھڑے تھے جیسے تصویر بنوا رہے ہیں۔ سفر کے دوران ہم تصویریں نہیں بنواتے۔ یہ اپنا رنگ کبھی بھی مدھم کر سکتی ہے۔ ہم آنکھ کے لینز سے دل کی فلم پر پردہ تصویر بناتے ہیں جو ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔

گاڑی آہستہ آہستہ رینگنے لگی ہم اس کی طرف لپکے اسی وقت ایک آواز نے ہمیں روک دیا۔

''مسٹر ذرا یہ بیگ پکڑیے''۔

پلٹ کر دیکھا تو بال بکھرائے للی کی نیلی نکی وہ بیگ پکڑے کھڑی تھی۔

ڈبہ چند فٹ آگے بڑھ گیا تھا۔ ہم نے نکی کے ہاتھ سے بیگ لیا اور دوڑ کر دروازہ کھول ڈبے میں چڑھ گئے اس وقت نکی نے بیگ اندر پھینکا جو ہماری ٹانگوں سے ٹکرا گیا اور جب ہینڈل پکڑ کر سیڑھیوں پر قدم رکھا تو ٹرین خاصی تیز ہو چکی تھی۔

نکی اندر آئی تو ٹرین پلیٹ فارم سے اتر کر منزل کی طرف رواں ہوگئی۔ چند لمحے وہ خاموش رہی ٹرین کے پہیوں کی آوازوں میں اس کے سانس کی آواز شامل ہو رہی تھی۔

''آئی ایم ساری'' شاید اس کے حواس قابو میں آ گئے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آیا یہ اظہار افسوس ہمیں پلیٹ فارم پر پکارنے کا بیگ حوالے کرنے کا ٹانگوں میں بیگ مارنے کا یا روایتی انداز تھا۔

''اوہ میرا دل کتنے زور سے دھڑک رہا ہے'' اس نے اپنی سانس پر قابو پاتے ہوئے کہا ہم نے سوچا جب لوگ اپنے بخار کی کیفیت بتاتے ہیں تو عموماً ہاتھ اپنے ماتھے پر رکھ کر بخار کا یقین کرتے ہیں اب نکی بھی ہمارا ہاتھ اپنے دل پر رکھ کر دھڑکن سنائے گی۔ یہ خیال آتے ہی ایک لمحے کو ہم نے اس کی طرف دیکھا اس وقت وہ ایک حسین لڑکی نظر آئی اور ہم دھڑکتے دل سے اس پل کا انتظار کرتے رہے جب وہ ہمارا ہاتھ پکڑ کر کہے گی'' دیکھیں دل کسی تیزی سے دھڑک رہا ہے'' لیکن پل صدیوں میں بدلنے لگے اور کوئی جیسے ہمارے کان میں گنگنانے لگا:

شاخ شاخ پہ موسم گل نے گجرے سے لٹکائے تھے
جوں ہی میں نے ہاتھ بڑھایا سارے پھول پرائے تھے

ٹرین شہر کی ٹریفک سے بھری سڑکیں انسانوں سے سجے بازار اور زندگی کی گرمی سے رچے بسے گھر چھوڑ کر ویران جنگلوں میں داخل ہوگئی تھی۔ ایک خنکی چاروں طرف پھیل گئی تھی۔ سبز گہرے پتے ان کے درمیان کہیں کہیں بہنے والا پانی خوشیوں کے سوغاتیں لاتے ہیں۔ ہمارے آس پاس ربڑ کے درختوں سے نکلنے والی خوشبو آ رہی اور یہ جادو سرخ بجری والے ایک اسٹیشن نے توڑ دیا وہی پلیٹ فارم ادھر ادھر تیز تیز چلتے مسافران کے بیگ جو سامان سے بھرے ہوں گے صرف چہرے بدلے تھے ہم نے اپنے برابر کھڑی نکی کو دیکھا وہ نہیں تھی نہ جانے کب بیگ لے کر جنگلوں میں اتر گئی تھی اور اب پھول بن کر شاخوں میں کھل اٹھے گی۔

ٹرین پھر جنگل میں داخل ہوگئی ہم اپنی سیٹ پر آ گئے للی نکی کے ساتھ زور سے قہقہے لگا رہی تھی والٹر نہیں تھا ٹرین بھاگی جا رہی تھی۔ باہر بارش ہونے لگی اس کے قطرے شیشے کی کھڑکی پر بہنے لگے۔ یہ زمین پر گر کر انسانوں کے لئے ذائقہ اور لطف بنتے ہیں۔

ملائشیا کے جنگلوں میں جہاں تک نظر جاتی ہے ربڑ کے درخت ہیں۔ ان کے تنوں سے برتن بندھے ہیں۔ جن میں ربڑ کا دودھ جمع ہوتا ہے۔ جس سے انسانی زندگی میں لچک پیدا ہوتی ہے کہیں کہیں ناریل کے پھلوں سے بھرے درخت کھڑے ہیں۔ پپیتہ اور کیلا بھی نظر آتا ہے جنگل ملک کے لئے قیمتی زرمبادلہ ہے۔

والٹر کمپارٹمنٹ میں آیا تو ہمارے برابر خالی سیٹ پر بیٹھ گیا اور ایک کتاب نکال کر پڑھنے لگا ہمیں وہ اچھا لگا جنگل اور ہمارے درمیان حائل نہیں ہوا پھر درختوں سے نکلنے والا جادو ہمارے اعصاب پر چھا گیا اچانک کسی نے بازو ہلانا شروع کیا گھبرا کر آنکھ کھولی تو نکی تھی ''آپ سو رہے تھے'' اس نے پوچھا جب ہم طالب علم تھے گہری نیند میں سوتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو اٹھا کر پوچھتے تھے ''سو رہے ہو'' اس بات پر وہ سب ناراض ہوتے تھے سوتے سے اٹھاتے ہیں حالانکہ ہم صرف یقین کرنا چاہتے تھے وہ واقعی سو رہے ہیں یا صرف خراٹے لے رہے ہیں نکی نے وہی حرکت کی اور اس وقت نکی کے گال پر ایک چپت رسید کرنے کو جی چاہا لیکن فرانس سے ہمیں ایٹمی ری ایکٹر لینا تھا۔ حالانکہ وہ معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا تھا لیکن ساری اچھی خوشبوئیں اب بھی پیرس سے آتی ہیں اس لئے اپنے جذبات اور ہاتھ دونوں پر قابو رکھا۔

''آپ کافی پئیں گے'' اس نے مسکرا کر کہا۔

ہماری سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ للی کے پاس سے یہ کب ہمارے پہلو میں آ گئیں اور کافی اپنے ڈالر سے پلا رہی ہیں یا ہماری مہمان بن رہی ہیں۔

''تم پینانگ جا رہی ہو'' ہم نے پوچھا۔

''جی ہاں'' وہ بولی۔

''اب پورے سفر میں یاد رکھنا پینے پلانے اور کھانے پینے کے لئے پوچھنا مت منگا لینا'' ہم نے کہا وہ خوش ہوگئی اور جھٹ بولی'' اوہ اچھا میرے پاس بیئر ہے مزہ آ جائے گا'' یہ کہہ کر وہ اٹھی اور

بیگ کا منہ کھولنے لگی۔

''دیکھو پینے پلانے سے مطلب چائے کافی اور سوفٹ ڈرنک ہے اور بس'' ہم نے اسے بتایا۔

''یعنی تم بیئر نہیں پیو گے؟'' اس نے حیرت سے کہا۔

''اور تمہیں پینے بھی نہیں دیں گے''

''لیکن کیوں میں' کیوں نہ پیوں''؟

''جب تم بیئر پیو گی تمہیں نشہ ہو جائے گا اور اس صورت میں تم ہم سے اول فول بکو گی'' ہمارا جملہ پورا ہونے سے پہلے اس نے زور زور سے ہنسنا شروع کر دیا اتنے زور سے کمپارٹمنٹ کے ہر شخص نے اس کی طرف دیکھا اور للّی تو اٹھ کر آ گئی۔ اس نے جرمنی یا فرانسیسی میں ہماری بات اسے سمجھائی تو وہ بھی ہنسنے لگی انہیں دیکھ کر ہم بھی ہنسے لگے' بیئر سے نشہ نہیں ہوتا'' نکی بولی۔

''معلوم ہے۔ ہم مذاق کر رہے تھے''۔

''ہم آپ کو زبردستی بیئر پلائیں گے پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ نشہ نہیں ہوتا'' نکی بولی ''اگر نشے کی بات ہے تو ہمیں نکی کے برابر بیٹھنے سے نشہ ہو رہا ہے'' ہم نے بات کو مذاق میں ٹالا نکی ہنستے ہنستے چپ ہو گئی۔ پھر بولی میرے پاس بیٹھ کر نشہ ہو رہا ہے لیکن میں شراب کی بوتل نہیں' اوہ سمجھی آپ شاعر ہیں''۔

''ہاں اور باقی سفر میں تمہیں شعر سنائیں گے''

''اوہ نو مجھے شعر پسند ہیں لیکن میوزک کے ساتھ'' وہ بولی ہم شیشے کی کھڑکی سے ہاتھ بجائیں گے ہم نے ہنس کر کہا۔

اس وقت بیرا کافی کے دو مگ لے کر آ گیا نکی نے للّی سے پوچھا اس نے انکار کیا اور اپنی سیٹ پر واپس چلی گئی۔

آپ بہت بور آدمی ہیں اس نے کافی کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

''وہ کیسے؟''

''چاروں طرف ہرا جنگل بارش اور آپ سو رہے تھے''

''ہم کب سو رہے تھے بس آنکھیں بند کئے جنگلوں میں گھوم رہے تھے''

''اوہ مائی گوڈ آپ واقعی شاعر ہیں' اچھا ایک شعر مجھ پر کہیں''

''اگلے اسٹیشن پر کہیں گے'' ہم نے کافی کی چسکیاں لے کر کہا ایک خاتون ہمارے پاس سے دو تین بار گزر چکی تھیں میک اپ سے درست سر پر کپڑا باندھے جسے سینے پر لگایا ہوا تھا ایک بار وہ ہمیں دیکھ کر مسکرائی بھی تھیں ہمیں وہ نہایت معزز دکھائی دیتیں پہلے ہم سمجھے ہماری طرح مسافر ہیں اس کے بعد ایک بار انہوں نے ٹیلی ویژن کے کان مروڑے تب سمجھے یہ ریلوے کے اسٹاف میں شامل ہیں اس بات کی تصدیق یوں بھی ہوئی کہ جو ٹکٹ چیکر کمپارٹمنٹ میں آیا وہ ٹکٹ دیکھ کر خالی سیٹ پر بیٹھ کر ان کے ساتھ خوش گپیاں کرنے لگا ایک بات ہاتھ بھی ملایا اس سے زیادہ کی ہمت نہ پڑی یا ہمارا لحاظ کر گیا بیرا ہمارے خالی مگ لینے آیا تو ہم نے تکلفاً دو ڈالر دے دئے للّی خاموش رہی ہمیں پہلے ہی شک تھا کہ یہ ہماری بن بنائی مہمان ہیں اس لئے چپ رہے ٹکٹ چیکر نے اپنے اور خاتون کے لئے بھی کافی منگالی ذرا دیر میں کافی کے مگ کے ساتھ چہلیں کرتے رہے۔

ٹرین ایک شہر میں داخل ہوئی اور پلیٹ فارم پر رکی تو ٹکٹ چیکر اٹھ کر چلا گیا وہ خاتون تڑپ کر اٹھیں اور چند لمحوں بعد آئیں تو ان کے ہاتھ میں بڑا سا پلاسٹک کا تھیلا تھا جس میں وہ سیٹ کے پیچھے لگی جالی میں سے خالی ٹن ٹشو اٹھا کر ڈال رہی تھیں اس کے بعد اچانک وہ بڑا سا برش لے کر آئیں اور فرش پر پھیرنے لگیں تب ہمیں یقین ہوا یہ جمعدارنی تھیں۔

ہماری گرل فرینڈ ریکھا

ہمیں سفر میں چپ رہنے اور نکی کو بولنے کی عادت تھی اگر ہم پہلے بھی ملائشیا کا سفر کر چکے ہوتے جنگل آسمان اور بادل کے پاس سے گزر رہے ہوتے تو شاید نکی کی آواز اچھی لگتی جب بہت سارا راستہ اس کے لفظوں کے ساتھ آگے بڑھا تب ہم نے اس سے کہا "بولنے سے انسانی حرارے ضائع ہوتے ہیں"۔

وہ چند لمحوں کے لئے چپ ہوگئی ہم باہر کی دنیا سے رابطہ قائم کرنے لگے تو ہمیں اس کے سونے کی آواز آنے لگی دنیا میں جو چند آوازیں ہمیں ناپسند ہیں ان میں خراٹے شامل ہیں۔ ہم نے مناسب سمجھا ان بھیانک آوازوں سے بہتر ہے اس کی ہوش وحواس کی زبان سن لی جائے اسے جھنجھوڑ کر جگایا تو اس نے مسکرا کر آنکھیں کھول دیں ہمیں وہ اچھی لگی۔

"آپ نے مجھے کیوں جگایا" وہ بولی۔

ہم بہت دیر سے آپ کی شیریں کلامی سے محروم تھے"؟ ہم نے کہا۔

"آپ کو میں ایک چیز دکھاتی ہوں" اس نے بیگ کھولنا شروع کیا پھر ایک لمحے رک کر بولی "ابھی جو میں خراٹے لے رہی تھی یہ اصل نہیں تھے"

"کیا مطلب" ہم نے دریافت کیا۔

"میں جاگ رہی تھی صرف آپ کے کان کا امتحان لے رہی تھی مجھے خراٹے اور خراٹے والوں سے سخت نفرت ہے۔"

ہماری سمجھ میں آگیا جب اسے سیٹ سے بھگاتا ہوا خراٹے فضا میں بکھر جائیں گے اس نے بیگ سے ایک ڈائری نکالی ایک فوٹو نکالا اور ہمارے ہاتھ میں تھما دیا ہم نے دیکھا ایک نوجوان نکی کو بازوؤں میں دبوچے کھڑا ہے ہمیں ایسا منظر بیہودہ لگتا ہے اس میں جذبہ رقابت شامل نہیں ہم شریف آدمی ہیں ہمارا نظریہ ہے کہ اگر یوں کرنا ہے تو تصویری ثبوت کیوں اور پھر ہمیں دکھانے کا مقصد.....؟"

"کیسا ہے یہ میرا بوائے فرینڈ ہے" اس نے بڑے فخر سے بتایا۔

"اچھا ہے" ہم نے جواب دیا۔

"صرف اچھا" اس نے پھر پوچھا "بہت اچھا کرہ ارض پر آخری" وہ قہقہہ مار کر ہنسنے لگی "وہ چاند ستاروں میں بھی نہیں ملے گا"" ہاں اس نسل کے لوگ اب بننا بند ہوگئے ہیں"" میں اس سے محبت کرتی ہوں" یہ کہہ کر نکی نے تصویر کو چوم لیا ہمیں اس کی حرکت ذرا اچھی نہیں لگی زندہ انسانوں کے درمیان تصویروں کی پرستش بیوقوفی نہیں تو اور کیا ہے" ہمیں احساس کمتری ہونے لگا ہم نے سوچا کوئی ایک تصویر دکھا کر اسے اپنی گرل گرینڈ قرار دیں اور اسی وقت وہ بولی "آپ اپنی گرل فرینڈ کی تصویر دکھائیں"

"ضرور دکھائیں گے" ہم نے کہا۔

"تو پھر جلدی دکھائیں" اس نے اٹھ کر اوپر ریلنگ سے ہمارا بیگ اتار کر دے دیا ہمارا خیال تھا پینانگ میں جا کر بازار سے کوئی تصویر خرید لیں گے اور دکھا دیں گے اب بیگ میں کوئی تصویر نہ تھی اسے ادھر ادھر کی باتوں میں ٹالا لیکن وہ تو شاید اسی لئے اپنے ملک سے نکلی تھی کہ ہماری گرل فرینڈ کی تصویر دیکھے۔

ہم نے سوچا بیگ میں تلاش کریں گے اور پھر کھو جانے کا بہانہ کر دیں گے اسی کھوج میں اچانک سنگاپور سے خریدا ہوا اخبار نکل آیا اور یہ بھی یاد آیا کہ ایک جگہ امیتابھ اور ریکھا کی تصویر چھپی

ہے ۔ بس ہم نے جھٹ پٹ وہ صفحہ کھول کر فخر سے اسے پیش کیا ”یہ ہماری گرل فرینڈ ہے“ اس نے اخبار دیکھا اور تصویر کا کیپشن پڑھنے لگی ”یہ ہماری گرل فرینڈ ہے فلموں میں کام کرتی ہے ..... “اس کے ساتھ یہ آدمی میرا مطلب ہے یہ آپ تو نہیں“۔

”بھئی ہم فلموں میں کام نہیں کرتے اسے گھٹیا سمجھتے ہیں۔“ ہم نے کہا ہے۔

”یہ آدمی کون ہے“ اس نے پوچھا

”فلموں میں کام کرتا ہے ہمارا رقیب روسیاہ ہے“

”رقیب کا کیا مطلب ہوتا ہے اور روسیاہ“ ”کالا دشمن“ ہم نے ترجمہ کیا۔

”اچھا یہ کالے رنگ کا ہے نیگرو“

نہیں رقیب اگر گورے رنگ کا ہو تو بھی روسیاہ کہلاتا ہے ہر وہ آدمی جو کسی کی پسندیدہ گرل فرینڈ کے نزدیک ہو رقیب روسیاہ کہلاتا ہے ..... “

”ایسی تصویر دکھائیں جس میں آپ اور گرل فرینڈ ہو“

”ہمارے ملک میں اتنے نزدیک تصویر بنوانے کا رواج نہیں ہے اگر ہماری اور اس کی تصویر اس طرح ساتھ ساتھ ہوتی تو یہ معاملہ پولیس تک پہنچتا اور ان دنوں ملائشیا کے سفر کی جگہ جیل سے تھانے کے درمیان سفر کر رہے ہوتے“۔

”میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے آپ کیا کہہ رہے ہیں ..... یہ بتایئے آپ شادی کب کر رہے ہیں؟“

”ہم گرل فرینڈ سے شادی نہیں کر سکتے کیوں کہ گرل اور فرینڈ الگ الگ ہوتے ہیں یکجا ہو جائیں تو سارا معاشرہ خراب ہو جاتا ہے“

”آپ کا معاشرہ کیا ہے“

”جو ہمارے بزرگوں نے بنایا ہے ہماری گرل فرینڈ کیسی ہے؟“

”اوہ بہترین کمال کی سویٹ“

اس لمحہ ہمارا جی چاہا تصویر کو چوم لیں لیکن ہمت نہ ہوئی ہاں نکی نے تصویر لے کر جھٹ اس پر ہونٹ رکھ دیئے ”رقیب کو پیار کیا ہے“ ہم نے اسے چھیڑا۔

”نہیں آپ کی گرل فرینڈ کو جب آپ واپس پہنچیں تو میری طرف سے ایک ہزار پیار“ اس کے اور ہمارے دونوں بیگ بند ہو گئے چند لمحوں تک خاموشی طاری رہی ..... پھر والٹر اٹھ کر آیا ”ہم لوگ لنچ لینے جا رہے ہیں“۔

”ابھی بھوک نہیں آپ کھائیں“

نکی خاموش تھی شاید اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ گھوم رہی تھی ہم مطمئن تھے۔ فلم اسٹار ریکھا نے ہماری عزت رکھ لی تھی زندگی میں کبھی ملاقات ہوئی تو شکریہ ادا کر دیں گے ٹرین کے باہر بادل برس رہے تھے درختوں کے پتے نہا رہے تھے زمین پر پانی زمرد جیسی گھاس اور کھیتوں پر ادھر ادھر لہرا رہا تھا کئی اسٹیشن آ گئے اور گزر گئے دنیا میں ہر جگہ انسان آباد ہیں اپنے کاموں میں مصروف دوسروں کی خدمت کرتے دوسروں کے لئے جیتے مرتے۔

والٹر ریسٹورنٹ سے واپس آیا تو ہمیں اطلاع دی۔

”آپ فرائڈ نوڈل کھا سکتے ہیں اس میں کوئی خطرہ نہیں“ اب ہمیں بھوک کا احساس ہوا ریسٹورنٹ جانے کے لئے اٹھے تو نکی نے بھی ساتھ چلنے کی اجازت مانگی ہم نے کہا ”بصد شوق“ منع کرتے تب بھی ساتھ جاتی ریسٹورنٹ بڑا خوبصورت تھا سروس بھی اچھی تھی فرائڈ نوڈل فوراً آ گئے۔ نکی نے برگر منگوایا ٹماٹو ساس کی بوتل اٹھائی اس پر لکھا تھا حلال یہ دیکھ کر خوشی ہوئی اس لئے ہم نے اسے اپنی پلیٹ میں بھر لیا یہ ہمارے لئے جائز تھا کھانے کے بعد ایک کپ کافی اور پھر ریسٹورنٹ سے واپسی۔

”کھانے کے بعد ہم سونے کے عادی ہیں آپ کی اجازت ہو تو“ ہم نے للّی سے پوچھا

”ضرور ضرور میں بھی ذرا پڑھنے کی عادی ہوں“ یہ کہہ کر اس نے جیب سے تڑا مڑا چشمہ نکالا آنکھوں سے لگایا اور بیگ سے ایک کتاب نکال کر پڑھنے لگی۔

ہم دیر تک گزرے منظر دیکھتے رہے۔ پھر کسی وقت سو گئے۔ نہ جانے کب تک سوتے رہے۔ للّی نے جھنجھوڑ کر جگایا تو باہر شام ہو گئی تھی۔

”اوہ گوڈ آپ تین گھنٹے سوئے“ اس نے کافی کا کپ ہاتھ میں تھما دیا۔

”تم نہ اٹھاتیں تو چھ گھنٹے سوتے“ ہم نے کافی کا گھونٹ لے کر کہا اس وقت وہ اور کافی

اچھی گئی۔

اگلی سیٹ پر ایک صاحب بیٹھے تھے انہوں نے ہمارے ملک اور ہمارا نام پوچھا پھر اپنے برابر سیٹ پر بیٹھنے کی دعوت دی ہم وہاں جا بیٹھے اپنے اور ملائشیا کے بارے میں بتانے اور پوچھنے لگے ٹرین کے بارے میں گفتگو ہوئی تو ہم نے کہا ''یہ فرسٹ کلاس اچھی ہے'' وہ ہنسنے لگے ''یہ فرسٹ کلاس نہیں ہے'' یہ سن کر سارا مزا کرکرا ہو گیا پورے سفر میں فرسٹ کلاس کا لطف لیتے رہے اب معلوم ہوا یہ سیکنڈ کلاس ہے اس افسوس کے ساتھ خوشی یہ ہوئی کہ ہماری منزل بڑورتھ اب آیا ہی چاہتی ہے یہ اس ٹرین کا آخری اسٹیشن ہے یہاں سے سمندر پار کر کے ہمیں پینا نگ جانا ہوگا۔

اب یہ خیال کہ اگر یہاں ہمیں کوئی لینے نہ آیا تو کیا ہوگا۔ اگر سپر ٹریولز والے مجاہد کا انتظام فیل ہو گیا؟

ٹرین بڑورتھ کے اسٹیشن میں داخل ہوئی ہمارا ڈبہ رکا تو دیکھا ایک صاحب پلیٹ فارم پر ایک کاغذ اٹھائے کھڑے ہیں جس پر ''عباسی'' کا لفظ لکھا ہے اس وقت اپنے نام کا یہ حصہ اچھا لگا جو ہم سے پہلے پینا نگ پہنچ گیا تھا۔

رکشہ میں پینا نگ کی سیر

جن دنوں محمد علی باکسنگ کے مقابلے جیتا کرتا تھا تو راؤنڈ کے شروع ہونے سے پہلے ایک خاتونِ رعنا اپنے ہاتھوں میں راؤنڈ کا نمبر اٹھائے رنگ میں چکر لگاتی تھیں ہمیں اس مقابلے میں یہ منظر سب سے زیادہ پسند ہوتا تھا ایک تو خاتونِ رعنا کا لباس ان کی مسکراہٹ دوسرے ہاتھوں میں راؤنڈ کا نمبر جس سے احساس ہوتا تھا اب یہ مار پیٹ کے وحشت ناک کھیل کا اختتام نزدیک ہے بڑورتھ سے ریلوے اسٹیشن پر گائیڈ ہمارا نام ایک کاغذ پر لکھے اوپر ہاتھ کئے کھڑا تھا اس وقت ہمیں اپنا نام اچھا لگا کہ اگر ہمارا کوئی نام نہ ہوتا تو یہ کیا لکھ کر دکھاتا سپر ٹریولز کے مجاہد پر پیار آیا اس گلی میں ہم سے پہلے ہمارے افسانے پہنچا دیئے۔

گائیڈ ہنس مکھ تھا یا شاید سیاحوں کا استقبال کرتے اور خواہ مخواہ مسکراتے مسکراتے اب ہونٹوں کا نمونہ بدل گیا تھا غریب سنجیدہ بھی ہو تو مسکراتا نظر آتا تھا اس کا نام ریمنڈ تھا ہم نے ریمنڈ گھڑیوں کی عموماً شہرت سنی ہے اس کی کلائی پر گھڑی بندھی تھی لیکن اس کا نام ریمنڈ نہیں تھا خیر یہ اس کا ذاتی مسئلہ ہے اس نے جلدی جلدی سب سے ہاتھ ملایا اور جب نگی کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں آیا تو حیران ہو گیا سنگاپور کی اطلاع کے مطابق تین سیاح آ رہے تھے اور یہ چوتھا بلکہ چوتھی کون ہے

والٹر نے اسے بتایا کہ بڑو رتھ سے پینانگ ہمارے ساتھ جائے گی اس کے بعد اس کا تعلق ریمنڈ سے نہیں رہے گا ریمنڈ کے چہرے پر مزید مسکراہٹ آ گئی جلدی سے ہمارا اور والٹر کا بیگ اٹھا کر اسٹیشن سے باہر نکلا یہاں بہت سی گاڑیاں پھلوں کے ٹھیلے اور چھوٹی چھوٹی دکانیں تھیں اور یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ذرا سی تبدیلی سے یہ ہمارے ملک کے کسی بھی اسٹیشن کے باہر کا حصہ ہے ہم گاڑی کی ڈگی کے پاس کھڑے تھے کہ اچانک وہ کھل گئی اس کا کونا ہماری آنکھ سے ٹکرا گیا ذرا دیر کو اندھیرا چھا گیا لیکن پھر روشنی واپس آ گئی یہ منظر کسی نے نہیں دیکھا اس لئے نہ پوچھ گچھ ہوئی نہ دوا دارو گاڑی میں بیٹھنے کی باری آئی تو ہم ڈرائیور کے برابر کی سیٹ پر قابض ہو گئے پچھلی طرف والٹر نکی اور للّی بیٹھے۔

ریمنڈ نے گاڑی موڑ کر ایک طرف کھڑی کر دی وہاں سرخ بتی جلی ہوئی تھی اور کچھ گاڑیاں بھی کھڑی تھیں جب یہاں کھڑے دیر ہو گئی تو ہم نے پوچھا کیا یہاں بہت زیادہ ٹریفک ہے؟ لیکن نظر نہیں آ رہا اس بات پر گائیڈ صاحب چونکے اور فرمایا ''ہم سڑک پر نہیں فیری میں کھڑے ہیں اور گزشتہ پانچ منٹ سے سمندر میں سفر کر رہے ہیں'' اس بات پر ہم میں سے ہر شخص حیران ہوا کہ سمندر میں اتنا پر سکون سفر ریمنڈ نے درخواست کی ''آپ لوگ اتر کر سامنے جائیں اور سمندر دیکھیں'' ہم لوگ اتر گئے تو دیکھا فیری تیزی سے سمندر میں سفر کر رہی تھی سمندر پر سکون تھا کبھی کبھی ہوا سے پانی اڑ کر اوپر آتا گاڑیوں میں سفر کرنے والے سب ہی لوگ یہاں کھڑے تھے ذرا دیر میں سامنے سے روشنیاں نظر آنے لگیں یہ پینانگ تھا ہم گاڑی میں جا بیٹھے چند لمحے بعد سامنے کی سرخ روشنی ہری ہو گئی ریمنڈ نے گاڑی اسٹارٹ کی اور نہ جانے کب فیری سے خشکی کی سڑک پر آ گئے پھر بازار شروع ہو گئے سب جگمگا رہے تھے دو تین دوراہوں چوراہوں سے گزر کر ایک ہوٹل کے سامنے پہنچ گئے یہی ہماری منزل تھی۔

ہوٹل کا نام کونٹی نینٹل تھا صرف انٹر کی کمی تھی ہم نے سوچا اپنے ملک جا کر کونٹی نینٹل کا لفظ دہرائیں گے لوگ سمجھیں گے فائیو اسٹار ہوٹل انٹر کونٹی نینٹل میں ٹھہرے تھے پینانگ آ کر ہماری گپ کون پکڑے گا یہاں شمیم بھابی او۔ فاطمہ عطر والا بھی نہیں تھیں کہ جھوٹ پکڑ لیتیں ہوٹل کا استقبالیہ اچھا تھا یا ہمیں محسوس ہوا چودہ گھنٹے کے سفر کے بعد سب اچھا لگتا ہے کاؤنٹر پر کھڑی دونوں

لڑکیاں بھی ان کے ساتھ کیشیئر مرد بھی ہوٹل کے لاکر میں پاسپورٹ ٹکٹ اور امریکی ڈالر محفوظ کئے اس کی چابی دل کے پاس والی جیب میں رکھ کر بے یقینی حاصل کی تو کاؤنٹر والی محترمہ نے مسکرا کر اطلاع دی ''میں نے آپ کو سب سے اچھا کمرہ دیا ہے۔''

ہم نے انہیں خوش کر دیا ''اس لئے آپ خود اچھی ہیں'' اس پر وہ اس درجہ مسکرانے لگیں ہم نے انہیں روکنا چاہا ورنہ شاید باچھیں زخمی ہو جاتیں اس کے بعد فرمانے لگیں ''میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں'' ہم نے کہا ''اگر مناسب سمجھیں تو وہ چابی دے دیں جو آپ کے ہاتھ میں ہے'' انہوں نے چابی دی اور دسیوں بار معافی مانگی ہم نے اتنی ہی بار معاف کیا اور کاؤنٹر سے ہٹے تو ریمنڈ نے ایک کارنر میٹنگ کی اور ڈرانے لگا۔

''آپ جب سڑک پر چل رہے ہوں موٹر سائیکل والوں سے ہوشیار رہیں یہ آپ کا پرس چھین کر بھاگ جائیں گے'' ہم نے اس جملے پر نکی اور للّی کو دیکھا پرس یہی خواتین اٹھانے پھریں گی۔

ہدایت نمبر دو یہ تھی اپنی قیمتی چیزیں ہوٹل کے لاکر میں رکھ دیں پینانگ میں سب سے قیمتی ہم خود تھے اب لاکر میں تو جانے پر تیار تھے لیکن کاؤنٹر کے ساتھ بنے لوہے کے نہیں کسی کے دل میں بنے لاکر میں یہ بات گائیڈ کو کیسے سمجھاتے ہمیں ڈرایا گیا خبردار جو کسی کے لئے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا جان پہچان والے کو اندر بلایا جا سکتا ہے اب ذرا سوچیں ہزاروں میل دور سمندر کے ایک جزیرے میں ہمارا کون جان پہچان والا ہوگا دروازہ کھولیں گے تو جان پہچان ہوگی لیکن اس کی اجازت نہ تھی۔ یہاں چور ڈاکو آ سکتے ہیں مطلب یہ تھا کمرے میں آ جاؤ تو قید ہو کر بیٹھ جاؤ اجنبی کے لئے آنکھیں فرش راہ نہ کرو اور اگر وہ اندر آنے پر اصرار کرے تو استقبالیہ کو اطلاع کر دو شاید وہاں سے کوئی آ جائے۔

سمندر کے کنارے غسل کرتے وقت اپنا قیمتی سامان ساحل پر نہ رکھیں ورنہ چور اٹھا کر لے جائیں گے اور ایک اور بھی ہدایت تھی سڑکوں گلیوں اور ساحل پر ہر ایرے غیرے نتھو خیرے سے سامان نہ خریدیں وہ آپ کو دھوکا دے سکتے ہیں اگر بڑی دکان والے پھیکا پکوان دیں تو گائیڈ کے پاس اس کا جواب نہ تھا ہمارا خیال ہے سیاحوں کو گلی کوچوں میں خرید و فروخت سے باز رکھنے کی

کوشش بڑی ہے۔ مارکیٹ والوں کی ہوتی ہمیں یہ بات پسند آئی جیسے ہندوستان میں جب ٹرین کسی
اسٹیشن پر ٹھہرتی ہے اعلان ہوتا ہے کوئی پلیٹ فارم سے خرید کر کچھ نہ کھائے اس سے صحت کو خطرہ
ہو سکتا ہے مطلب یہ کہ ٹرین کے کینٹین یا بیرے کی معرفت کھانا خریدیں اگر پلیٹ فارم پر بکنے
والے کھانے میں خرابی ہے تو پھر ٹھیلے والوں کو اندر آنے کی اجازت کیوں ہے لیکن جمہوریت میں
عموماً ایسا ہوتا ہے چور کو چوری کی آزادی اور عدالت کو اسے سزا دینے کا اختیار ہوتا ہے۔

پیانگ میں ہم نے فیصلہ کیا نہ سامان کی ٹھیلے فٹ پاتھ سے خریدیں گے نہ سپر مارکیٹ سے
کیونکہ ہماری خریداری کی امام بھابی ثمیم ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔

ریمنڈ جب اچھی طرح ڈراپ کر چکا تو ہم نے پوچھا: "عزیزم انڈین کھانا کہاں ملتا ہے"۔

اس بات پر وہ بے حد خوش ہوا جیسے ہم اسے کھانے پر مدعو کر رہے ہوں پھر پتہ سمجھانے لگا
کونٹی نینٹل ہوٹل پیانگ روڈ پر ہے ہوٹل سے نکل کر الٹے ہاتھ چلنا شروع کریں تو ایک چوراہا آئے
گا اس کے بعد دوسرا بس یہاں انڈین ہوٹل میں مزے کے کھانے اور زیادہ مہنگے بھی نہیں ہمارے
سنگاپور کے پچاس ڈالر کے بدلے ریمنڈ نے ساتھ ملائشیا کے ڈالر بدل دیئے پچاس پر دس کا
منافع ہوا یہ ہم نے والٹر کو دے دیا کاش ہم اپنے ملک میں جا کر جرمنی سے لیا ہوا قرض اسی طرح
واپس کر دیں خیر یہ سیاسی اور معاشی باتیں ہیں اس سے سیاحوں کا کیا تعلق ہے۔

ریمنڈ نے ہاتھ ملایا اور پرسوں آنے کا وعدہ کیا ہم نے پوچھا کل کیا کریں وہ مسکرا کر بولا:
عیش اور چلا گیا ہم نے نگی کی طرف دیکھا پوچھیں کیا ارادہ ہے وہ سخت پریشانی کا شکار تھی کونٹی نینٹل
ہوٹل کا کرایہ چھیاسٹھ ڈالر تھا دو آدمیوں کا چھہتر نگی ایک سیاح تھی جو عموماً غریب ہوتے ہیں اس
لئے وہ اتنا کرایہ ادا نہیں کر سکتی تھی بار بار کہتی تھی اگر میں کسی کے ساتھ کمرہ شیئر کر لوں تو کرایہ کم
پڑے گا ہم اس کے شیئر کرنے کو مجبور رہے تھے اس لئے شب بخیر کہہ کر اوپر آ گئے لفٹ میں سوچ
رہے تھے ہمارے کمرے کی ادائیگی ہو چکی ہے۔ اب اگر وہ ہمارے ساتھ ٹھہر جاتی تو اسے صرف
گیارہ ڈالر دینے پڑتے لیکن ہم اپنی آزادی کسی قیمت پر نہیں کھونا چاہتے تھے آج سوچتے ہیں تو نہ
جانے کون کہتا ہے "لعنت ہو ایسی آزادی پر کبھی قید و بندگی راتیں تو سوچے" خیر دنیا میں کردار بھی
کوئی چیز ہوتا ہے پھر ہم اس قوم کے فرد ہیں جو صرف کردار بلند کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے

ہیں ہمارا شاعر کہتا ہے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

یہ کتنا بڑا اعزاز ہے کہ خدا بندے سے اس کی مرضی پوچھے۔

اب دیکھیں ہماری پیانگ کی قربانی کب رنگ لاتی ہے۔

کونٹی نینٹل ہوٹل تو پیانگ روڈ پر واقع ہے اگر کوئی خط لکھنا چاہے تو یہ پتہ کافی ہے اس میں
ایک سو بارہ کمرے ہیں چھت پر ڈسکو ہال ہے ایک ہیلتھ کلب ہے سوئمنگ پول ہے اس کے علاوہ وہ
سب کچھ ہے جو ایک پانچ ستارے والے ہوٹل میں ہونا چاہئے حالانکہ یہ ہوٹل چار ستاروں والا تھا
کمرے میں داخل ہوئے تو فون کی گھنٹی بج رہی تھی ہم نے اٹھایا تو ایک شیریں آواز نے خوش
آمدید کہا "میں راسا ساتک میوزک ہال سے بول رہی ہوں آج شب یہاں آیئے"

"ضرور" ہم نے کہا "شب تو آنے دیں"

"وہ کب آئے گی؟" ادھر سے ہنسی سنائی دی

"جب ہم رات کا کھانا کھالیں گے" ہم نے جواب دیا۔

"تو پلیز رات کا کھانا جلدی کھائیں" ادھر سے اصرار ہوا۔

"جی بہتر" ہم نے فون بند کر دیا اس کے بعد تو کئی فون آئے تب ہمیں اپنی اہمیت کا احساس
ہوا مساج پارلر ڈسکو ڈانس کافی ہاؤس نائٹ کلب یہاں تک کہ باربر نے حجامت تک کی پیشکش کر دی
ہم نے سب سے ملنے اور ڈالر دینے کا وعدہ کیا اور کھانے کی تلاش میں نکل پڑے۔

ہوٹل کونٹی نینٹل پیانگ روڈ پر واقع ہے۔ گائیڈ کی ہدایت کے مطابق اسی سڑک پر چوراہے
چھوڑ کر ہندوستانی کھانے کا ہوٹل تھا۔ ہم نے کاؤنٹر پر کمرے کی چابی جمع کرائی تو استقبالی خاتون
نے مسکرا کر پوچھا "کہاں کے ارادے ہیں؟"

"کھانے کے لئے پیانگ روڈ کی سیر"

"چائنا ٹاؤن مت جایئے گا۔ وہاں خطرہ ہوتا ہے"

"چائنا ٹاؤن کس طرف ہے؟" ہم نے پوچھا۔

"پیانگ روڈ کے دوسرے چوراہے سے دائیں طرف سڑک پر۔"

"ٹھیک ہے اگر آج رات ہم واپس لوٹ کر نہ آئیں تو تم جسے چاہو اطلاع کر دینا۔"

"او کے سر" اس نے کہا۔ جیسے یہ ایک عام سی بات ہو۔

ہم ہوٹل سے باہر نکلے تو سوچنے لگے۔ ریمنڈ نہ جانے کیا چاہتا ہے۔ اس نے ہمیں دوسرے چوراہے پر انڈین ریسٹورنٹ کی اطلاع دی تھی۔ شاید خود اس چوراہے پر چھپا بیٹھا ہو اور چائنا ٹاؤن کو لوٹے۔ ساتھ ڈالر دے چکا ہے۔ ہماری مالی حالت کا اندازہ ہے۔

بنکاک سے پیانگ تک ہر قصبے بستی اور شہر میں ایک چائنا ٹاؤن ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے سندھ کے شہروں میں شاہی بازار۔ جس میں انواع واقسام کی اشیاء اور لوگ ملتے ہیں۔ سنگاپور کے علاوہ ہر شہر کے چائنا ٹاؤن کی طرف سے گائیڈ نے ہوشیار کیا تھا۔ اور چائنا ٹاؤن والوں کو ہم سے پہلے اطلاع کر چکا تھا۔ ان کی طرف سے بھی اور ہماری طرف سے بھی معزز بنا ہوا تھا۔

چائنا ٹاؤن کے بارے میں معلومات کچھ یوں ہوتی تھیں یہاں ہر قسم کے نشے عورتیں اور جھگڑے ہوتے ہیں۔ بازار کھلے ہیں۔ گاہک خرید وفروخت کر رہے ہیں۔ سڑک پر ٹریفک رواں دواں ہے اچانک گولیاں چلنا شروع ہوتیں اور دکانیں بند ہو جاتی ہیں' چاروں طرف بھگدڑ مچ جاتی ہے اور ذرا دیر میں سناٹا ہو جاتا ہے۔ اس ہنگامے میں دو چار جانیں ضائع اور چند دکانیں لوٹ لی جاتی ہیں۔ پولیس فوراً پہنچ جاتی ہے۔ اس وقت تک لڑنے والے گروپ بھاگ جاتے ہیں۔ ہم نے یہ سب کچھ فلموں میں سیکڑوں بار دیکھا ہے اس لئے چائنا ٹاؤن سے بچ کر نکلنے کا پروگرام بنا کر آگے بڑھے۔ سڑک زیادہ چوڑی نہیں تھی۔ لیکن صاف ستھری تھی۔ دکانیں کھلی تھیں۔

شہر اجنبی ہو تنہائی ہو تو عجیب لطف دیتی ہے۔ انسان جو چاہے کرے کوئی چھیننے والا نہیں ہوتا۔

پیانگ میں ہمارا جاننے والا صرف ایک آدمی تھا۔ ڈاکٹر زین العالم جو اپنے علاقے کا بابائے نشریات کہلاتا تھا اس سے ابھی تک رابطہ قائم نہیں ہوا تھا۔ اس لئے ہم نے ہر دکان میں جھانکنا اور ہر آتے جاتے شخص کو دیکھنا شروع کر دیا۔

پہلے چوراہے پر ایک ہوٹل نظر آیا نام تھا تاج محل۔ گرم گرم پراٹھے پک رہے تھے۔ بریانی کی خوشبو آ رہی تھی۔ لیکن گائیڈ نے دوسرے چوراہے پر ہوٹل کی نشاندہی کی تھی۔ اس کے علاوہ بزار

اچھا لگ رہا تھا اس لئے قدم آگے بڑھتے گئے۔ صاف ستھرے روشن ٹھیلوں پر کٹے ہوئے پھل فروخت ہو رہے تھے دکانوں کی سجاوٹ نئے سال کی وجہ سے زیادہ تھی۔ آج تیس دسمبر تھی۔ کل رات نئی امنگوں اور آرزوؤں کے ساتھ نیا سال طلوع ہوگا۔ دنیا میں جگہ جگہ کرسمس اور نئے سال کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں تہواروں کی طرح دھوم دھام سے منائے جاتے ہیں۔ دراصل یہ تجارتی تقریبات ہیں۔ خرید وفروخت اور کھانے وانے کی۔

سڑک پر عجیب قسم کے رکشہ تھے۔ عام طور سے رکشہ چلانے والا آگے اور مسافر پیچھے ہوتا ہے یہاں مسافر آگے اور رکشہ والا پیچھے ہوتا ہے تا کہ ٹریفک کے حادثے میں مسافر رکشے والے کی ڈھال بنا رہے اب نہ جانے وہاں کتنے حادثے ہوتے ہوں گے۔

ہم سڑک پر جا رہے تھے کہ اچانک دکانیں بند ہونے لگیں۔ ہم نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا کہ یہ چائنا ٹاؤن تو نہیں اور گولیاں کہاں چلی ہیں۔ لیکن یہ وقت بازار بند ہونے کا تھا۔ خیر ہم نے اس بات پر اس لئے برا نہیں مانا کہ کون سی شاپنگ کرنی تھی۔ ایک روٹی کا سوال تھا وہ اللہ دے گا۔ دوسرے چوراہے سے الٹے ہاتھ مڑنے کی ہدایت تھی اس پر عمل کیا تو دونوں طرف کی دکانیں بند پائیں۔ ایک راہ گیر سے انڈین ریسٹورنٹ پوچھا۔ اس نے اطلاع دی "بند ہو گیا" اور چلا گیا۔

اب "بند ہو گیا" سے ہم کیا مطلب نکالتے۔ معاشی بحران کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا یا ہماری آمد کی اطلاع سن کر بند کر دیا۔ ذرا دور اور گئے تو احساس ہوا کہیں قدم چائنا ٹاؤن میں نہ پڑ جائیں۔ اس لئے رک کر مڑے تو سامنے گلی میں ایک دیگ رکھی نظر آئی۔ کچھ کھانے کی امید بندھی اس طرف کا رخ کیا۔ یہ گلی کا چھوٹا سا ہوٹل تھا۔ اس کا مالک مدراسی تھی۔ کھانا تو ختم ہو چکا تھا لیکن اس نے ہمارے لے کچھ بچا کر رکھا تھا۔ تھوڑے ابلے چاول اور ایک مرغی کی ٹھنڈی ٹانگ اور تھوڑا سا شوربا۔ خیر اس پر گزارہ کیا۔ دوران ڈنر مدراسی نے پوچھا۔ "آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟" سفر میں ہم اپنے آپ کو "ہندوستانی" کہتے ہیں تا کہ سارے گناہ اسی ملک کے نام لکھے جائیں۔ بڑا ملک ہے سب کچھ برداشت کر لے گا۔

ہم نے اپنا ٹھکانہ ہندوستان بتایا وہ کچھ خوش نہیں ہوا۔ کھانے کے بعد اس نے چائے کے لئے پوچھا۔ ہم نے اقرار میں سر ہلا کر کھانے کی قیمت پوچھی۔ اور حیرت ہوئی کہ اس نے چار ڈالر

مانگ لی۔ سنگاپور کے مقابلے میں کوالالمپور سستا ہے مگر اتنا بھی نہیں کہ گلی سڑک پر لٹاتے پھریں۔ رقم ادا کر دی لیکن کھانے کا ذائقہ اور خراب محسوس ہونے لگا۔ چائے میٹھی اور ذائقہ دار بھی الائچی اور لونگ ڈالی تھی۔ چائے کے کپ کے ساتھ ہوٹل کا مالک بھی ایک کرسی پر آ بیٹھا اور پوچھنے لگا "ہندوستان کے کس علاقے کے رہنے والے ہو" ہم بل دے چکے تھے صرف چائے پینی باقی تھی۔ اس لئے بے دھڑک کہہ دیا "ہم ہندوستان میں پیدا ضرور ہوئے تھے لیکن اب پاکستان میں ہیں" یہ سننا تھا کہ مالک صاحب نے جھپٹ کر ہمارا ہاتھ پکڑ لیا۔ ہم سمجھے مارے گا۔ لیکن وہ مصافحہ کرنے لگا۔ شاید پہلا پاکستانی دیکھا ہو۔ ہاتھ ملانے اور گلے لگانے میں ہم کب دیر کرتے ہیں۔ ہم نے بھی گرمجوشی دکھائی۔ اب موصوف ہمارا ہاتھ نہیں چھوڑ رہے اور اپنی زبان میں چلا بھی رہے ہیں۔ ان کی چیخ و پکار سن کر اندر سے تہمد باندھے ایک لڑکا نکلا۔ کچھ یہ اس سے بولے اور چند لمحوں بعد وہ ہمارے چار ڈالر لے کر واپس آیا۔

مالک صاحب نے چاروں ڈالر ہمارے سامنے رکھ دیئے اور ہمیں مہمان قرار دیا۔ ہم نے مہمان بننے سے انکار کر دیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ ہمارے یہ چاروں ڈالر اپنے خزانے میں شامل کر لیں۔ لیکن وہ ظالم آج دکان لٹانے پر آمادہ تھا۔ ہماری کسی بات کو نہیں مان رہا تھا۔ بلکہ مدراسی زبان میں پھر چلایا۔ اس بار وہ لڑکا پلیٹ میں نہایت موٹی بالائی لے کر آیا۔ ہم نے لاکھ کہا ڈائٹنگ کر رہے ہیں۔ یہ چربی ہے ہم نہیں کھاتے لیکن اس کے اصرار پر دو چمچے کھانی پڑی۔ لذیذ تھی۔ لعنت ہو ڈائٹنگ پر کیسے کیسے مزے سے محروم کرتی ہے۔

ہم نے ان سے پاکستان سے محبت کی وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ موصوف کی بیوی کے والد پاکستانی ہیں اور یہ محبت دراصل بیوی کے طفیل ہو رہی ہے۔ ہم نے خدا کا شکر ادا کیا کہ کسی کے توسط سے ملی محبت تو ہے۔ اور مالک صاحب مسلمان ہیں۔ چائے پی اور چار ڈالر جیب میں ڈال کر ان سے اجازت طلب کی تو پھر اپنی زبان میں چیخنے لگے۔ اس بار ہم حیران ہوئے کہ اب کیا باقی ہے۔ تہمد والا لڑکا تیزی سے سڑک پر چلا گیا اور مالک صاحب بولے "ابھی بس دو منٹ" پھر اصرار کرنے لگے آپ پینانگ میں جب تک ہیں کھانا ہمارے ہاں کھائیں گے۔ ہم نے بتایا "مسافر ہیں جہاں کھانے کا وقت ہوا کھا لیا۔ ہاں وقت ہوا اور آ سکے تو ضرور آئیں گے کھانا محبت کرنے والے کے

درمیان بڑی نعمت ہوتا ہے"

تہمد والا لڑکا رکشہ لے کر آیا تھا اور درخواست کر کے زبردستی اس میں بٹھا دیا گیا۔ عام حالات میں شاید ہم کبھی نہ بیٹھتے۔ لیکن مجبوری تھی۔ دو دو بار ہاتھ ملا کر رکشہ میں بیٹھے تو لطف آیا سیدھے بیٹھے رہیں تو رکشہ کا ڈرائیور نظر نہیں آتا۔

"ہمیں آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی آپ عبدالرحمان کے سسر ہیں" رکشے والا بولا

"عبدالرحمان کے سسر..." ہم نے حیرت سے پوچھا۔ موصوف نے گھبراہٹ میں سسر بتا دیا ہوگا۔

"تعجب ہے آپ کی عمر سسر بننے کی نہیں ہے"... رکشے والے نے خود ہی اندازہ لگایا۔

"ہم سسر کے بیٹے ہیں" ہم نے کہا

"ہاں یہ بات ہوئی نا۔ تو آپ اس کے سالے ہوئے" اس نے رشتہ بتا دیا۔

"ہاں سالا بننے میں کیا ہے" ہم نے جواب دیا وہ ہنسنے لگا۔

رکشہ میں ڈرائیور کے پیچھے ہونے کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اسے مسافر سے بات کرنے کے لئے بار بار گردن پیچھے گھمانی نہیں پڑتی اور حادثے کا خطرہ کم ہوتا ہے۔

رکشہ والے کو جب معلوم ہوا ہم پینانگ پہلی بار آئے ہیں تو انہوں نے رکشہ ایک اور سڑک پر موڑ دی اور گائیڈ کا کام کرنے لگے عمارتوں پر چوراہوں کی تعریف کرنے لگے۔ جگمگاتے بازار کھانوں کی دکانیں فٹ پاتھ پر لوگوں کے ہجوم اور ایک ٹریفک جام رکشہ والے فرمانے لگے "چائنا ٹاؤن میں یہی مصیبت ہے ٹریفک جام ہو جاتا ہے۔"

ہم نے چاروں طرف دیکھا تو یہ ظالم ہمیں چائنا ٹاؤن لے آیا۔ "یہ چائنا ٹاؤن ہے" ہم نے پوچھا۔ وہ بولے۔

"ہاں صاحب ہم تو دس منٹ سے چائنا ٹاؤن میں ہیں اب تو یہ ختم ہونے والا ہے"۔ ہمارا تو جی چاہا چھلانگ لگا کر بھاگ لیں اسی وقت ٹریفک بحال ہو گیا۔

ہوٹل سے کھانے والی گلی کا راستہ پندرہ منٹ کا تھا۔ لیکن واپس آنے تو ایک گھنٹے سے زیادہ ہو چکا تھا۔ رکشہ والے کا کہنا تھا وہ ہمیں شہر کی سیر کرا رہا تھا۔ ہمارا خیال ہے وہ ہمیں بریانی کی چربی

پلیٹ کی طرح اٹھائے پھر رہا تھا جو کے کی تلاش میں اللہ نے خیر کی اور ہمارا مقدر اچھا تھا صحیح سالم ہوٹل واپس پہنچ گئے ورنہ کوئی اور شہر ہوتا تو رکشہ والا پیچھے اور مسافر آگے نظر آتا تو ویگن بس کب کا ٹکر مار چکی ہوتی۔

رکشہ سے اتر کر ہم نے اپنے پریشان بال درست کرنے کے لئے پچھلی جیب سے کنگھا نکالنا چاہا تو رکشہ والے نے روک دیا ہم سمجھے ڈر رہا ہے کہ ہم چاقو نکال کر اس کا کام تمام کر دیں لیکن اس کا خیال تھا ہم رکشہ کا کرایہ ادا کر رہے ہیں۔ ہم نے ہاتھ ملا کر رخصت چاہی تو وہ کل کے لئے احکامات طلب کرنے لگے ہم نے انہیں لاکھ سمجھایا سیاح ہیں سپر ٹریولز والے مجاہد نے خاطر خواہ انتظام کیا ہے صبح ہوتے ہی لوگ آ جائیں گے جلوس کی صورت میں پینانگ کی سیر کرائیں گے لیکن محبت اور جہالت نے عقل سے کب کام لیا ہے۔ ہم منع کر کے ہوٹل میں گھسنے لگے تو ایک ٹھیلے پر نظر پڑی جگمگاتا صاف ستھرا اور اس پر رنگ برنگے کٹے ہوئے پھل بہار دے رہے تھے۔ انناس' لیچی' خربوزہ' تربوز' پپیتا اور ایک پھل نظر آیا چھوٹی چھوٹی قاشیں سفید رنگ ہم نے اس کے چند ٹکڑے خرید لئے قیمت پوچھی تو انکار ہم حیران ہوئے مجاہد نے ہدایات میں کہیں تحریر نہیں کیا تھا کہ کانٹی نینٹل ہوٹل کے باہر ٹھیلے پر پھل مفت ملیں گے ہمارا قیمت ادا کرنے پر اصرار اور اس کا انکار اچانک پلٹ کر دیکھا تو رکشہ والا کھڑا تھا اب ساری بات سمجھ میں آ گئی اس لئے چپ چاپ تھیلا لے کر ہوٹل کے اندر چلے گئے۔

کاؤنٹر پر اب خواتین کی جگہ مردوں نے لے لی تھی چابی لے کر لفٹ کی طرف گئے تو سامنے ایک چھوٹی سی دکان پر نظر پڑی اس پر کوئی سیلز مین نہ تھا خیال آیا شاید ہوٹل کی طرف سے سوونیئر وغیرہ یہاں سے مفت اٹھانے ہوں اس لئے آگے بڑھے دکان میں بہت سا سامان تھا چاکلیٹ سے لے کر تتلیاں تک ہم کاؤنٹر پر پہنچے تو ایک اسمارٹ سی لڑکی ابھر کر سامنے آئی وہ شاید دکان کے فرش پر بیٹھ کر کچھ کام کر رہی تھی ہمیں آتے دیکھا تو جھٹ کھڑی ہو گئی اسے اچانک دیکھ کر ہم گھبرا گئے وہ مسکرانے لگی۔

''میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں'' وہ بولی۔

''کچھ نہیں ذرا دکان کا حسنِ ترتیب دیکھنے آ گئے ہیں'' ہم نے کہا۔

''یہ تو ایسے ہی پڑی ہے''...... اس نے مسکرا کر کہا۔

''ایسے ہی رہنے دو اچھی لگتی ہے دیکھو تم نے رنگ اور ذائقہ کی ترتیب سے چیزیں رکھی ہیں''

''کیا آپ ڈیکوریٹر ہیں'' وہ حیرت سے بولی۔

''دنیا کے سب سے بڑے ڈیکوریٹر'' ہم نے بتایا

''اوہ یہ تو بہت اچھا ہوا آپ کہاں سے آئے ہیں''

''پاکستان سے کبھی نام سنا ہے''؟

''نہیں'' وہ مایوسی سے بولی ''چلو اب سن لو پاکستان کا ہر شخص ڈیکوریٹر ہوتا ہے اپنی چیزیں بگاڑ بگاڑ کر سنوارتا رہتا ہے''

''آپ یہاں کب تک ٹھہریں گے کیا کسی ڈیکوریشن کے سلسلے میں آئے ہیں؟'' لڑکی نے اشتیاق سے پوچھا۔

''ابھی کئی دن ہیں۔ ہم یہاں ڈیکوریشن کے سلسلے میں آئے ہیں تمہارے جزیرے کا نقشہ عجیب سا ہے جیسے مینڈک کو چیر پھاڑ کے لئے لٹایا گیا ہو ہم اس کی ڈیکوریشن ٹھیک کرنے آئے ہیں'' اس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

''آپ مجھے ڈیکوریشن سکھا دیں گے؟'' اس نے التجا کی۔

''حالانکہ تمہیں ضرورت نہیں لیکن ہم اس علم کے دریا کو تمہیں سونپ دیں گے۔''

''شکریہ جناب میرا نام شیرلی ہے یہ عیسائی نام ہے چائنی نام لم سوات لینگ ہے۔''

''کیا مطلب؟ دو نام'' ہم نے پوچھا۔

''تیسرا نام بھی ہے پیار سے شیلی کہتے ہیں میں انیس سال کی ہوں سینٹ جوزف اسکول میں دسویں کلاس کی طالب علم ہوں یہاں ملازمہ ہوں''

''یہ دکان تمہاری نہیں''۔

''جی نہیں یہ ہوٹل کی ہے'' میں یہاں اسکول کے بعد دو بجے سے دس بجے تک کام کرتی ہوں مجھے ایک سو اسی ڈالر ماہوار ملتے ہیں''

''تنخواہ کم ہے'' ہم نے اپنی جیب اور لا کر میں ڈالر کا تصور کر کے کہا۔

''یہ بہت ہیں میری تعلیم اور کپڑوں کے لئے۔''

''تمہارے والد؟''

''نہیں ہیں دو بڑی بہنیں ہیں وہ بھی کام کرتی ہیں۔''

''تم نے اپنی عمر انیس سال بتائی لیکن تم انیس سال کی نہیں لگتیں۔''

ہم نے کہا۔

''بڑی لگتی ہوں نا۔''

''نہیں چھوٹی لگتی ہو'' ہم نے ہنس کر کہا۔

''میں بغیر جوتوں کے کھڑی ہوں ابھی پہن لیتی ہوں پھر بڑی لگوں گی'' اس نے جوتے پہن لئے اور چند انچ بڑی لگنے لگی۔

''اونو ہمارا مطلب تھا تم چہرے سے چھوٹی اور معصوم لگتی ہو''۔

''شکریہ جناب آپ میرے ساتھ رات کا کھانا کھائیں گے گھر سے لاتی ہوں میری ممی بہت اچھا پکاتی ہیں''۔

''شکریہ شیلی ہم کھانے کے لئے باہر گئے تھے''۔

''سر صرف دو نوالے'' وہ ضد کرنے لگی۔

''کل شام ہم تمہارے ساتھ کھائیں گے۔''

''وعدہ'' اس نے اپنا چھوٹا سا ملائم ہاتھ ہمارے ہاتھ میں دے دیا چند لمحے ہم نے اس کے ہاتھ کی نزاکت اور حسن دیکھا یہ ہاتھ ابھی گڑیاں کھیلنے کے لئے تھے ڈالر گننے کے لئے نہیں لیکن دنیا میں بہت کم ہاتھ ایسے ہیں جو محفوظ رہتے ہیں۔

''اچھا سر میری طرف سے ایک کولڈ رنک'' اس نے ایک ٹن کھول کر ہمارے سامنے رکھ دیا۔

''یہ تمہاری تنخواہ سے کٹ جائے گا'' ہم نے مسکرا کر کہا۔

''کوئی بات نہیں سر'' یہ سن کر ہمارا ہاتھ جیب کے پاس جانے سے رک گیا جو اس کی کولڈ رنک کی ادائیگی کے لئے بڑھا تھا۔

''آپ نے پینانگ میں کیا کیا دیکھا'' اس نے پوچھا۔

''ابھی تو آئے ہیں کل دیکھیں گے''

''میں بتاؤں پینانگ بہت خوبصورت جزیرہ ہے''۔

''اس لئے کہ تم اس میں رہتی ہو اور کل ہم تمہارے ساتھ کھانا کھائیں گے''

وہ ہنسنے لگی ہم ہنسنے لگے پینانگ کے گلی کوچوں میں سڑک فٹ پاتھ پر پھول کھلنے لگے انسان کی زندگی میں سب سے بڑی نعمت ہنسی ہے اور وہ اس وقت کونٹی نینٹل کے استقبالیہ کی ڈوری میں پھیل رہی تھی۔

''شیلی ہنستے ہنستے سنجیدہ ہو گئی'' اوہ دس بج گئے سر مجھے اجازت میری ممی انتظار کر رہی ہوں گی ذرا دیر ہو جائے تو وہ ڈر جاتی ہیں'' وہ چپ ہو گئی اپنے شہر کی برائی نہیں کرنا چاہتی تھی گڈ بائی کہہ کر ہم لفٹ میں آ گئے۔

کمرے میں آ کر سب سے پہلے تھیلے سے کٹے ہوئے پھل کا ٹکڑا منہ میں رکھا تو احساس ہوا یہ تو امرود ہے الٹ پلٹ کر دیکھا نہایت نفاست سے اس کا چھلکا اور بیج نکال لئے تھے اس کا ذائقہ اچھا تھا بنکاک میں امرود آدھے کلو کا ہوتا ہے یہاں اس سے بھی بڑا جس اہتمام سے فروخت ہوتا دیکھ کر خوشی ہوئی۔

امرود کھانے کے بعد سب سے پہلے اپنے دوست ڈاکٹر زین العابدین کو فون کیا وہ ناراض ہونے لگے۔

''اتنی دیر بعد فون کیوں کیا'' میں تو آپ کا کب سے انتظار کر رہا تھا کیا پروگرام ہے؟''

''اب سونے جا رہے ہیں سارا دن سفر کر کے آئے ہیں۔''

''ٹھیک ہے آرام کریں کل دس بجے آؤں گا تیار رہئے گا''

سونے کے لئے لیٹے تھے دور سے میوزک کی آواز آئی استقبالیہ سے پوچھا تو معلوم ہوا گیارہویں فلور کی چھت پر ڈسکو کلب ہے اور کیونکہ ہم نویں منزل پر ہیں اس لئے مفت موسیقی سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں لہذا مزے لوٹنے لگے۔

ہم اس جگہ گئے
جہاں کپڑے پہن کر جانا منع ہے

پینانگ میں صبح بہت جلدی ہو جاتی ہے یا ہم رات ختم ہونے سے پہلے بیدار ہو گئے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا پل پل نیلا آسمان روشن ہو رہا تھا اور نہ جانے کہاں سے بے شمار سفید پرندے آسمان پر اڑنے لگے کبوتر تھے یا کوئی اور پرندہ یہ منظر بہت حسین لگا دیر تک دیکھتے رہے پھر پرندے شمال کی طرف اڑ گئے۔

نہا کر لباس تبدیل کیا اور ناشتے کی پرچی لے کر ڈائننگ ہال میں پہنچے ناشتے کا مینو دیکھا فرحت محسوس ہوئی فارم کے تازہ انڈے اوون کی تازہ ڈبل روٹی زندگی میں تازہ انڈے کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں ہم نے زندگی بھر انڈے کھائے تھے بچپن میں ماں نے کھلائے۔ لڑکپن میں اپنی مرضی سے ممتحن سے کھائے پھر ایسی عادت ہوئی کہ انڈے کے بغیر ناشتہ نہیں کیا۔ یہاں احساس ہوا انڈہ تازہ بھی ہوتا ہے پینانگ والوں نے تازہ ڈبل روٹی بنانے کا اہتمام کیا ہے اب مسئلہ یہ تھا کہ اگر دو ٹوسٹ لیتے ہیں تو دونوں انڈوں سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے اگر مکھن لیتے ہیں تو جام اور مارملیڈ نہیں ملتا تازہ پھل طلب کرتے ہیں تو جوس سے محروم کر دیا جاتا ہے اس لئے ایک

ٹوسٹ کے عوض انڈا لیا جام مارملیڈ کی جگہ تازہ مکھن اور جوس کے بدلے اناناس مانگ لیا ہم مینو کارڈ دیکھ کر سمجھے تھے جس طرح ہوٹلوں کے بورڈ پر عموماً لذیذ خوش ذائقہ کھانے کے لفظ صرف بورڈ تک محدود ہوتے ہیں اس طرح تازہ ذائقہ کھانے کے لفظ صرف بورڈ تک محدود ہوتے ہیں اس طرح تازہ انڈے پھل اور ڈبل روٹی کی تازگی صرف لکھنے کی حد تک رہ جائے گی لیکن وہ ظالم بھی سچے تھے اس لئے کہ پہلے مرغی ڈربے میں بند کی گئی دوسری طرف آٹا گوندھا گیا ایک لپک کر سبزی منڈی چلا کہ اناناس خرید لائے دوسرا ڈیری فارم لپکا تازہ مکھن لانے ہمیں یہ احساس اس لئے ہوا کہ ناشتے میں تاخیر کی اور کوئی وجہ نہ تھی اس عرصے میں ہم نے ٹیبل پر رکھی کالی مرچ میں نمک لگا کر کھایا چینی پھانکتے رہے ایک بار چمچہ منہ تک لے گئے یہ دیکھ کر میزوں پر سامان لانے والی خاتون گھبرا گئیں غریب سمجھی اب یہ کراکری کھانا شروع کر دے گا اس لئے لپک کر اناناس کے چند ٹکڑے لے آئیں جو اپنے راجا ہوٹل میں اناناس کے پہاڑ دیکھ کر ٹیلے کھا چکے تھے ہمیں یہ سب عجیب لگا خیر اناناس کھایا اچھا تھا اس کے بعد گرم گرم انڈا آیا ڈبل روٹی کا سلائس بھی گرم تھا اس کا مطلب ہے سب تازہ تھا ابھی تیار ہوا تھا مکھن میں نمک زیادہ تھا اس لئے ذائقے کے لئے چھری سے ٹوسٹ پر لگایا اور زبان پر بھی چائے گرم تھی خوب پی ابھی ناشتہ ختم نہیں کیا کہ ناشتہ لانے والی خاتون نے آ کر اطلاع دی۔

"آپ کے سسر آئے ہیں" ہمیں حیرت ہوئی کل رات پینانگ آئے تھے اور جہاں تک ہمیں یاد ہے اس قسم کی حرکت سرزد نہیں ہوئی پھر خیال آیا شاید شرلی کے والد ہوں' وہ پیاری سی بچی ہے اس کے بارے میں ایسا سوچنا بھی اچھا نہیں لگتا۔ پھر اس کے تو والد زندہ نہیں پھر خیال آیا ہمارے دوست ڈاکٹر زین العابدین ہوں گے وہ اپنی جسامت اور شخصیت میں سر بلکہ سسر سے زیادہ لگتے ہیں ہم نے خاتون سے کہا "آپ انہیں عزت سے لاؤنج میں بٹھائیں ہم ابھی آتے ہیں"۔

خاتون نے گڑبڑا کر کہا معاف کیجئے غلطی ہوگئی آپ کے داماد آئے ہیں"

یہ سن کر ہمارا ماتھا ٹھنکا یہ کون ہے جو ہمارا داماد بن بیٹھا گھبرا کر باہر نکلے تو سامنے رکشے والے صاحب عبدالرزاق بیٹھے تھے ہمیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے مسکرانے لگے ہم پاس پہنچے تو ہماری طرف لپکے ہم نے دور سے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا ورنہ یقین کامل تھا ہمیں دبوچ لیتے جس طرح

انہوں نے پوری طاقت سے ہمارا ہاتھ چلایا اگر سینہ دبا دیتے تو ان پر شاید پولیس کیس ہوتا۔

''چلیں'' انہوں نے سارے زمانے کی خوشیاں ہم پر لٹاتے ہوئے کہا ''کہاں؟'' ہم نے سوال کیا۔

''سیر کرنے آج آپ کو پینانگ کی سیر کرائیں گے۔''

''ہمارے ایک ملنے والے آ رہے ہیں ان کے ساتھ جائیں گے'' ہم نے بتایا۔

''نہیں ہمارے ساتھ چلیں یہاں ناشتہ کریں پھر سیر.....''

''ہم ناشتہ کر چکے ہیں.....''

''دوبارہ کر لیں ہم ڈوسا مصالحے کا آرڈر دے کر آئے ہیں'' ہم ناشتہ دوبارہ نہیں کرتے پھر ساتھ بھی نہیں جائیں گے''۔

''آپ ہم سے ناراض ہیں معاف کر دیں۔''

''ہم نے انہیں سمجھایا'' آپ کے ساتھ نہیں جا سکتے اس وقت۔

''ہم آپ کو لے کر جائیں گے۔''

ان کے تیور ایسے تھے کہ ہم نے سوچا اگر ڈاکٹر زین العالم وقت پر پہنچنے کے عادی نہ ہوتے تو آج ہم پینانگ رکشہ میں دیکھیں گے اس وقت دس بجنے میں پانچ منٹ تھے ہماری خوش نصیبی دیکھئے ڈاکٹر پانچ منٹ پہلے پہنچے تھے اس لئے بڑے کر و فر سے اندر داخل ہوئے ہمیں دیکھ کر بے حد خوش ہوئے گلے سے لگایا کہنے لگے ''مجھے یقین نہیں آتا آپ پینانگ آ گئے''۔

ہم نے کہا ''یقین ہمیں بھی نہ تھا لیکن سپر ٹریولز والے مجاہد نے کمال کر دیا'' اچانک انہوں نے عبدالرزاق کی طرف دیکھا وہ انہیں دیکھ کر مرعوب ہو رہا تھا۔

''یہ ہمارے جاننے والے ہیں'' ہم نے تعارف کرایا۔ عبدالرزاق نے ہاتھ ملایا۔ ہم نے اجازت لی تو عبدالرزاق نے کہا ''دوپہر کو آؤں گا'' اور مایوس ہو کر چلے گئے۔

ہوٹل سے باہر نکل کر سڑک پار کرتے وقت ہم نے سسر اور داماد والی بات بتائی تو ڈاکٹر زین العالم زور زور سے ہنسنے لگے۔

ڈاکٹر زین العالم پینانگ میں رہتے ہیں ان کے بغیر ملائشیا کی نشریات مکمل نہیں ہوتی ایشیء

انسٹی ٹیوٹ آف براڈ کاسٹنگ ڈویلپمنٹ کے سرگرم رکن اور پروفیسر ہیں ریٹائرڈ زندگی گزار رہے ہیں پچھلے سال پاکستان میں نشریات کے افسروں کی ٹریننگ کے لئے آئے تھے یہ ایسا کورس تھا جو کوالالمپور میں منعقد ہونا تھا پھر اس کی جگہ بدل گئی اور اسلام آباد میں مقرر ہوئی اس لئے ہم بھی اس کورس میں شامل ہوئے کوالالمپور میں ہوتا تو کوئی اور خوش نصیب جاتا ہماری خوش بختی اسلام آباد تک ہے اس کورس کے دوران ان سے ملاقات ہوئی دلچسپ آدمی ہیں یہ ہمیں پسند آئے انہوں نے ہمیں پسند کیا بس وہیں فیصلہ کیا ایک دن پینانگ جائیں گے اور آج وہ دن طلوع ہو گیا تھا پینانگ میں ان کی حیثیت ایک لارڈ کی طرح ہے ملائشیا کے قائداعظم تنکو عبدالرحمان کے دوست تھے ان کی کار وولو ہے جو مرسڈیز سے زیادہ مہنگی ہے ان کی گاڑی کے آگے ایک مونوگرام لگا تھا جو ان کے صاحب حیثیت ہونے کا ثبوت تھا کار نہایت آرام دہ تھی اس سے زیادہ خوش وخرم ڈاکٹر زین العالم۔

ہم نے ان سے امریکی ڈالر کو ملائشیا کرنسی میں تبدیل کرنے کی درخواست کی ذرا دیر میں وہ ایک دکان کے سامنے پہنچے گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ہارن بجا کر ایک آدمی کو بلایا اور ہمارے سو ڈالر کا نوٹ اس کے حوالے کیا وہ جھٹ دو سو پچاس ملائشیا ڈالر لے آیا ہم نے حساب پوچھا وہ ہنسنے لگا ''اس نے سب سے زیادہ ریٹ دیا ہے'' اس کا اندازہ ہمیں دوسرے دن ہو گیا جب ہم نے دوسرا سو ڈالر کا نوٹ تبدیل کرایا۔

ان کی کار ساحلی علاقے کی طرف چل پڑی آؤ تمہیں ناریل پانی چکھائیں ساحل کے ساتھ ایک ٹھیلا کھڑا تھا اس پر ناریلوں کا ڈھیر تھا ڈاکٹر زین العالم کو دیکھ کر ٹھیلے والا اتنا ہی خوش ہوا جتنا ہمارا سسر یا داماد ہمیں دیکھ کر ہوا تھا اس نے بغیر پوچھے دو گلاس ناریل پانی پیش کیا اس کا ذائقہ اور لذت ایسی تھی جو ہم نے کبھی محسوس نہ کی ہم نے ناریل کا نام پوچھا تو ڈاکٹر زین العالم نے ہنس کر ترکیب بتا دی ناریل پانی کو میٹھا کرنے کے لئے ایک میٹھا خوشبودار شربت ملایا تھا ہمیں اچھا لگا اس لئے ایک گلاس اور ملا پھر گلاس کے چاروں طرف چکر لگائے گئے ایک بڑی سی بلڈنگ کے سامنے گاڑی روک کر ڈاکٹر زین العالم نے کہا آؤ تمہیں ایک ہوٹل دکھائیں۔

یہ تھا ہوٹل ''راسا سائنگ'' یعنی ''محبت کے جذبے کا احساس''۔

راسا سائنگ ہوٹل پیناگ کے ساحل پر واقع ہے۔ یہ انتہائی خوبصورت اور حسین باغ کی طرح معلوم ہوتا ہے اس میں تین سو بیس کمرے ہیں بڑے بڑے ہوٹل کافی شاپ شاپنگ سنٹر ڈیوٹی فری شاپ اندر جا کر یوں محسوس ہوا ایک نئی دنیا میں قدم رکھا ہے سیڑھیاں چڑھتے ادھر ادھر چلتے صوفوں پر بیٹھے دکانوں میں خریداری کرتے مرد، عورتیں زیادہ تر غیر ملکی تھے اگلے دن نیا سال شروع ہونے والا تھا اس لئے ہوٹل کی سجاوٹ دیکھنے کے قابل تھی۔

ہم سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچے یہاں ایک بڑا ہال تھا روشنیوں اور رنگ برنگے کاغذوں سے سجا ہلکی ہلکی موسیقی یہاں کافی ہاؤس تھا اس کے اوپر دکانیں دنیا بھر کا سامان اسے دیکھا ان جی بی سیلز گرل کو دیکھا جن کے چہرے پر ٹوتھ پیسٹ والی مسکراہٹ تھی زندگی جب مسکراتی ہے تو چاروں طرف روشنی پھیل جاتی ہے رنگ بکھر جاتے ہیں وہ ہر جگہ تھی ہم نے سوچا نہ تھا اس ہوٹل میں اتنی روشنی اتنے رنگ ہوں گے لفٹ سے نیچے پہنچے ڈاکٹر زین العالم ایک ایک چیز کی تفصیل بتا رہے تھے ہم ایک سعادت مند طالب علم کی طرح سر جھکائے سن رہے تھے ہوٹل کی پشت کی طرف آئے تو منظر بدل گیا سمندر کا ریت سے بھرا ساحل دور تک پھیلا ہوا تھا اس کے آگے نیلا سمندر تھا جس کی سرکش لہریں راسا سائنگ کے اندر آنا چاہتی تھی لیکن ساحل کی ریت ان کا سانس توڑ دیتی تھیں یہاں سیکڑوں عورتیں مرد سورج کی تپش سے اپنے جسموں کو حرارت پہنچا رہے تھے ہم ساحل پر پہنچے بعض عورتیں مردوں کے جسم پر تیل کی مالش کر رہی تھیں کچھ مرد بھی خواتین کے جسم پر تیل مل رہے تھے باقی پشت کے بل یا پیٹ کے بل اپنے چہروں پر ہیٹ یا تولیہ ڈالے پڑے تھے نہ جانے وہ کس سے منہ چھپا رہے تھے سورج سے یا ہم سے ''یہاں ہمارے سوا دور تک کوئی کپڑے پہنے نظر نہیں آ رہا'' ہم نے ڈاکٹر زین العالم سے کہا ''کپڑے پہن کر آنا اس حصے میں منع ہے'' وہ ہنس کر بولے۔

''پھر ہم لوگ یہاں.....''

''چیکنگ کے لئے آئے ہیں کوئی لباس پہن کر تو نہیں آیا ڈاکٹر صاحب زور زور سے ہنسنے لگے ہم آفتابی غسل کرتے لوگوں کے درمیان گزرتے رہے اس کے بعد سوئمنگ پول آ گئے ایک بڑوں کا ایک چھوٹے بچوں کا یہ سوئمنگ پول پہلی بار دیکھا چند بچے نہا رہے تھے۔

ہوٹل میں واپس پہنچے تو ڈاکٹر صاحب نے پوچھا ''چائے کافی آئس کریم کا استعمال کریں گے۔''

''یہاں کا واش روم'' ہم نے جواب دیا وہ ہنسنے لگے ضرور میں بھی ساتھ چلوں گا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ہم نے پوچھا ''اس ہوٹل کے کمرے کا کرایہ کیا ہے؟''

''زیادہ نہیں ہے ایک سو تیس ڈالر۔''

''پینسٹھ امریکی ڈالر کچھ زیادہ مہنگے نہیں'' ہم نے حساب لگایا ''تم نے بیلٹ نہیں لگائی'' ڈاکٹر نے ٹوکا ہم نے فوراً بیلٹ لگا لی سنگاپور کی طرح یہاں بھی ڈرائیور کے پاس بیٹھ کر بیلٹ باندھنی ضروری ہے ورنہ جرمانہ۔

اب شہر کی سیر شروع ہوئی ایک جگہ لکھا تھا نا گوری درگاہ شریف ڈاکٹر صاحب نے بتایا یہاں پیری مریدی کا چکر ہے تعویذ گنڈے بھی ملتے ہیں عورتیں بچے اور بچوں کے لئے دعا کرانے آتی ہیں سمندر کے کنارے سڑک پر چار دیواری کے اندر سے توپوں کو جھانکتے دیکھا ہم سمجھے کرفیو کا سماں ہے لیکن یہ پرانے زمانے کی یادگاریں ہیں جب پیانگ پر بحری ڈاکو حملہ کرتے تھے تو یہ توپیں انہیں آبادی سے دور رکھتی ہیں اب ڈاکو کچھ اور کرنے لگے اور توپیں خاموش ہو گئیں چھوٹا سا شہر دنیا کا وہ پہلا اور آخری شہر ہے جس کا ریلوے اسٹیشن ایک سڑک کے چوراہے پر واقع ہے یہاں سے ٹکٹ ملتے ہیں جسے لے کر فیری کے ذریعے سمندر پار کر کے بٹروتھ جانا پڑتا ہے جہاں ٹرین انتظار میں کھڑی ہوتی ہے بس ذرا اس کے چلنے کے اوقات کا خیال رکھنا پڑتا ہے پیناگ میں ہوائی اڈہ بندرگاہ سب ہی کچھ موجود ہے جہاں سے جہاز اور فیری ہر طرف جاتی ہیں ڈاکٹر صاحب کے ایک بھائی نے ہندوستان سے چھوٹا سا جہاز خریدا تھا جسے وہ پیناگ اور مدراس کے درمیان چلانا چاہتا تھا اس کا پہلا سفر چند دنوں بعد مدراس سے شروع ہونے والا تھا جس کا افتتاح وزیر اعظم ہند کرنے والے تھے۔

پیناگ میں مدراس تامل زبان بولنے والوں کی ایک بڑی تعداد آباد ہے یہاں تک کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر تامل زبان کی ایک ایک چینل کام کرتی ہیں ریڈیو تین اور ٹیلی ویژن چار چینل پر پروگرام نشر کرتا ہے جس میں ملائے چائنی انگلش اور تامل زبان شامل ہے یہاں کی غیر ملکی

نشریات سترہ زبانوں میں ہیں ان میں اردو شامل نہیں پینتالیس میل کے رقبے میں آباد پینانگ میں سب کچھ ہے دیکھنے سننے کھانے پینے اور خرید وفروخت کے لئے مسجد کپتسن کلنگ دیکھی اس میں پانچ سو افراد ایک ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں ایک بڑی مسجد بھی ہے جسے اسسٹنٹ مسجد کہتے ہیں یہاں ایک وقت میں دو ہزار نمازیوں کی عبادت کا انتظام ہے ملائشیا میں مسجدیں خوبصورت صاف ستھری اور بہتر انتظام کے ساتھ ہر جگہ نظر آتی ہیں مشرق بعید میں ہندو چائنا کے مذہب ثقافت کی گہری چھاپ ہے۔

گوتم بدھ نے زندگی بھر نروان اور مکتی کی تلاش میں فاقہ کیا اور سفر کرتا رہا آرام سکون اور نیند اس نے ترک کر دی تھی ایک بار غالباً وہ آرام کرنے کی غرض سے کروٹ کے بل لیٹا تھا بس یہی منظر لوگوں کو بھا گیا ہم جہاں بھی گئے آرام کرتا بدھا نظر آیا پینانگ میں بھی ایک طویل سنہرے رنگ کا بدھا ہال میں دور تک پاؤں پھیلائے لیٹا تھا یہاں وہ سونے کے پتوں سے ڈھکا تھا ہم نے پاؤں سے سر تک اور پھر پشت کی طرف چکر لگایا بدھا کی پشت کے نیچے بہت سے خانے بنے تھے جس میں شیشہ لگا تھا اس میں مرنے والوں کی راکھ تھی اس امید کے ساتھ کہ بدھا انہیں جنت میں جگہ دلوا دے گا لیکن گڑ بڑ یہ تھی کہ ان کے فوٹو بھی ساتھ لگا دیئے نام اور عمر بھی لکھ دی ہم نے ان کے چہرے ان کے نام عمر دیکھتے افسوس کرتے رہے یہ دلکش چہروں والی عورتیں جاذب نظر جوان' شفیق آنکھوں والے بوڑھے تھے جو نہ جانے کب سے آنے جانے والوں کی توجہ بنے ہوئے تھے ہمیں ایک دکھ کا احساس ہوا زندگی کی گرمی سے رچے بسے ہنستے کھیلتے لڑتے جھگڑتے انسان ایک مٹھی سیاہ راکھ بنے پڑے ہیں ڈاکٹر صاحب نے ہمیں زیادہ اداس نہ ہونے دیا سڑک کے دوسری طرف ایک اور بدھا تھا یہ برما والوں کا ہے وہ بھی خوش ہیں اپنی مکتی اور نروان کے لئے بدھا کے محتاج ہیں ہم بھی خوش ہوئے یہ سب دیکھ کر۔

ڈاکٹر صاحب نے ایک نہایت خوبصورت ہوٹل کے سامنے گاڑی روک دی اندر گئے تو ہال میں کھانے کا بندوبست تھا یہاں لنچ تھا انواع واقسام کے کھانے سجے تھے اپنی مرضی سے جو چاہو جتنا چاہو کھالو ڈاکٹر صاحب کو سب جانتے تھے بیرے سے منیجر تک ملنے آئے۔ یہاں پندرہ ڈالر میں لنچ ہوتا ہے ڈاکٹر صاحب نے طبیعت کی ناسازی کا بہانہ کیا کیا خبر پندرہ ڈالر بچا لئے ہوں ہم

نے پلیٹ لی اور جو کھانے جان پہچان کے نظر آئے ان پر زور دیا مچھلی جھینگا مرغی صاف نظر آئی اسے پلیٹ میں رکھا اور پھر معدے میں ڈاکٹر صاحب خود اٹھ کر ہمارے لئے کھانا پلیٹ میں نکالتے ایک آدھ کھانے پر ہم نے شک کا اظہار کیا تو وہ قہقہے لگانے لگے یہ مسلمان ہوٹل ہے اس کا نام مارلین ہے یہاں سب حلال ہے''۔

ہمیں تو ویسے بھی سب حلال تھا بل کب دینا تھا اس لئے سب کچھ کھایا جتنی سویٹ ڈش تھیں وہ ایک ایک چمچہ چکھیں بعض کو کھا کر مایوسی ہوئی جن میں چاول ابلے ہوئے رنگین اور میٹھے تھے بس۔

کھانے کے بعد دوبارہ شہر کی سیر شروع ہوئی حالانکہ ایک مرغن اور بھاری کھانے کے بعد ایئر کنڈیشنڈ آرام دہ گاڑی میں سوائے سونے کے کیا' کیا جا سکتا تھا اس لئے ہم اونگھنے لگے اور اس کے بعد شاید سونے کی تیاری ڈاکٹر صاحب نے دیکھا تو گاڑی ہوٹل کی طرف موڑ دی جب ہوٹل دیکھا ہم نے شکریہ ادا کیا۔

ڈاکٹر صاحب نے ہوٹل کے دروازے پر اتار کر کہا ''شام 6 بجے دوبارہ آؤں گا آپ کہیں نہ جایئے گا'' بھلا ہم کہاں جاتے خدا حافظ کہہ کر اندر پہنچے تو استقبالی کلرک نے مسکرا کر کہا جناب آپ کے ملنے والے دوبارہ آ چکے ہیں۔

''پینانگ میں ہمارا ملنے والا'' ہم حیران ہوئے۔

عبدالرزاق نام بتایا تھا کلرک نے چابی کے ساتھ پرچی ہمیں تھما دی ہماری نیند اڑ گئی کھانے کا سارا مزہ جاتا رہا ہم نے جلدی سے چابی لی اور استقبالی کلرک سے کہا ''خدارا چھ بجے تک ہمیں ڈسٹرب نہ کرنا ہم آرام کرنے جا رہے ہیں''۔

کمرے میں پہنچنے سے پہلے فون کی گھنٹی بج رہی تھی ہمیں سخت غصہ آیا یہ فون ضرور عبدالرزاق کا ہوگا جی چاہا نیچے جا کر ہوٹل سے ہی نہیں پینانگ سے باہر پھینک دیں ورنہ یہ شخص ہمارا جینا حرام کر دے گا پہلے تو خیال آیا فون اٹھا کر اردو میں جی بھر کر گالیاں دے لیں پھر ان کے انگریزی بنا کر سمجھائیں پھر سوچا پیار سے سمجھا دیں شاید مان جائے فون اٹھایا ادھر سے ایک سریلی آواز سنائی دی ''سر'' ہم چونک گئے اتنے سر والی پینانگ میں ہمارے جاننے والی کب سے ہوگئی ''سر میں شیلی بول

رہی ہوں'' او و شیلی کل رات والی دوست سارا غصہ کافور ہو گیا۔'' ہاں شیلی بولو''۔

'' آپ کمرے میں کیوں بچلے گئے'' اس نے پوچھا ہماری سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہیں۔

''میں آپ کے لئے کھانا لائی ہوں۔ جلدی آیئے بڑی بھوک لگی ہے۔'' فون بند ہوا تو ہمیں یاد آیا کل رات شیلی نے دوپہر کا کھانا کھلانے کا وعدہ کیا تھا اور ہم بھول گئے ہوٹل میں بڑھ بڑھ کر اپنی خوراک سے زیادہ کھا گئے اب کیا ہو گا شیلی سے کھانے کو انکار نہیں کر سکتے تھے! ازراب کس پیٹ میں کھائیں گے۔

منہ ہاتھ دھو کر نیچے پہنچے تو شیلی کے کاؤنٹر کے پیچھے ایک چھوٹی سی ٹیبل رکھی تھی اس پر دو پلیٹیں تھیں اور وہ خود غائب تھی ہم اسٹول پر بیٹھ گئے اسی لمحے وہ اندر سے برآمد ہوئی۔

'' سر بھوک سے برا حال ہے آپ نے بہت انتظار کرایا۔''

اس نے ایک بڑے سے پلاسٹک کے ڈبے سے دو تین چیزیں نکال کر آدھی ہماری پلیٹ میں اور آدھی اپنی پلیٹ میں رکھیں پھر چاول نکالے دو ڈبل روٹی سلائس بھی۔

ہم نے حیران ہو کر دیکھا کھانے کا رنگ ہرا اور پیلا تھا چاول سفید تھے۔

''بس شروع ہو جایئے'' اس نے چمچے سے ایک نوالہ اپنے منہ میں رکھا ہم چند لمحے کے لئے رکے تو وہ بولی۔

''یہ سب ٹھیک ہے'' ہرے کی طرف اشارہ کیا ''یہ پالک ہے'' پیلے کی طرف اشارہ کیا ''یہ کدو ہے'' پھر آملیٹ سے بھی تعارف کرایا ''یہ سب مذہب والے کھا سکتے ہیں پھر امی سے پوچھ کر خاص طور سے آپ کے لئے میں نے پکایا ہے۔''

'' کیوں اسکول نہیں گئیں؟'' ہم نے پوچھا۔

'' آج چھٹی کر لی۔ کھانا پکانے کی وجہ سے''۔

ہم نے زندگی میں کبھی سبزی نہیں کھائی یہاں مجبوراً ایک نوالہ لیا وہ حلق سے نہ اترا شیلی نے دیکھا تو جھٹ سیون اپ کا ٹن کھول کر دیا ہم نے شکریہ کہہ کر ایک گھونٹ بھرا اور نوالہ نگل لیا اس کے بعد کئی نوالوں پر ایسا ہی کیا تو شیلی نے چونک کر پوچھا۔

''یہ آپ کیا کر رہے ہیں کیا کھانا پسند نہیں آیا۔''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہم تو یوں ہی۔''

''بس اب سیون اپ کھانے کے بعد'' اس نے ٹن ہمارے سامنے سے اٹھا لیا۔

یہ مرحلہ زیادہ خطرناک تھا پہلے تو سیون اپ کے مزے میں پالک اور کدو کی کڑواہٹ کا پتہ نہ چلا اب احساس ہوا دو چار نوالے کھائے تو احساس ہوا ذائقہ برا نہیں ہے اس کے بعد اچھا لگنے لگا شیلی کے ہاتھ کی لذت تھی ہماری مجبوری یا شاید پالک اور کدو اس لذت کے ہوتے ہیں۔ جن سے ہم واقف نہیں تھے ذرا دیر میں کھانا ختم ہو گیا ہم نے دل بھر کر تعریف کی۔

''شیلی تم بہت اچھا کھانا پکاتی ہو''

'' کیا واقعی میری امی تو کھانے میں ہمیشہ برائی نکالتی ہیں'' وہ بولی۔

''شاید وہ تم سے اچھا پکاتی ہوں''

''یہ بات ٹھیک ہے وہ بہت اچھا پکاتی ہیں اب بیمار رہتی ہیں اس لئے''

''کوئی بات نہیں جب صحت مند ہو جائیں گی پھر''

ہم نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا یہ کیسے کہیں کہ پھر کھا لیں گے پھر کہاں ہم ہوں گے پینانگ سے دور اپنے شہر کی روشنیوں میں ہنگاموں میں یہ سب بھول جائیں گے چھوٹی سی سڑک کے کنارے صاف ستھرے ہوٹل کے استقبالیہ کے سامنے ایک کاؤنٹر کے پیچھے شیلی کے مسکراتے لب اور جگمگاتی آنکھیں۔

اب سویٹ ڈش کا نمبر تھا ایک پیالی میں دو چمچے یہ اناس کی مٹھائی تھی نہایت لذیذ ہم نے اس سے پہلے اناس کی مٹھائی نہیں کھائی تھی۔

تعریف کی تو شیلی ہنسنے لگی ''یہ گھر میں نہیں بنائی بازار میں ملتی ہے صرف ایک دکان پر مجھے بے حد پسند ہے''۔

''ہمیں بھی پسند ہے۔ ساتھ لے جائیں گے۔''

''یہ مٹھائی ایک دن سے زیادہ نہیں چلتی میں آپ کو کل پھر کھلاؤں گی آپ کل تو ہوں گے''

''ہاں کل ہیں بس پھر چلے جائیں گے......''

'' آپ کے پاس نقشہ تو ہو گا اپنے ملک کا'' شیلی نے پوچھا یہ تو ہم نے سوچا ہی نہ تھا اپنے

ملک کا نقشہ ہم کب لے کر چلے تھے اور یہاں سے مشکل سے ملتا ہوگا خیر ہم نے اس کی ایک ترکیب نکالی شیلی سے پوچھا تمہارے پاس دنیا کا اٹلس ہے اس نے جھٹ نکال کر سامنے رکھ دیا۔

ہم نے تلاش کر کے ایسا نقشہ نکالا جس میں پاکستان نمایاں تھا پھر شیلی کو سمجھانے لگے'' آپ پینانگ سے بہت دور رہتے ہیں'' وہ بولی۔

''ہاں بہت دور رہتے ہیں لیکن سائنس کی ایجاد نے دنیا مختصر کر دی ہے''

''آپ پھر پینانگ آئیں گے''.... اس نے پوچھا۔

''معلوم نہیں کچھ کہہ نہیں سکتے'' ہم خاموش ہو گئے۔ اچانک باہر موسم بدل گیا بارش ہونے لگی شیلی نے کافی منگوالی۔''

''تم دسویں کے بعد کیا کرو گی؟''

''شاید بی اے کرلوں...... یا پھر نوکری؟'' اس نے بتایا۔

''تم پاکستان آنا وہ تمہیں پسند آئے گا'' ہم نے دعوت دی۔''

''مجھے باہر نکلنا دنیا گھومنے کا بہت شوق ہے جیب نے اجازت دی اور حالات اچھے رہے تو ایک بار آپ کے ملک ضرور آؤں گی۔''

''ہم تمہارا استقبال کریں گے تم وہاں آ کر اور ہم تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوں گے'' شیلی مسکرانے لگی۔

ہم جانتے تھے شیلی پاکستان نہیں آئے گی ہم پینانگ نہیں جائیں گے لیکن خواب دیکھنے میں کیا حرج ہے پرامید رہنے میں کیا برائی ہے۔

اسی وقت ہم نے دیکھا دروازہ کھول کر عبدالرزاق داخل ہوا ہمیں کافی پیتے دیکھ کر استقبالیہ میں رکھے صوفے پر بیٹھ گیا چپ چاپ ہمیں وہ اس وقت اچھا لگا ہم نے اشارے سے اپنے پاس بلایا وہ نہیں آیا شاید ناراض تھا ہم اس کے ساتھ نہیں گئے تھے۔

''یہ کون ہیں'' شیلی نے پوچھا

''ہمارا دوست''

''یہاں پینانگ میں''

''ہاں کل رات بنا تھا جیسے تم'' ہم اٹھ کر اس کے پاس گئے وہ کھڑا ہو گیا۔

''کہو عبدالرزاق کیسے ہو؟'' معاف کرنا ہمیں اس وقت جانا تھا کوئی کام ہو تو بتاؤ''

''کام ہے'' وہ آہستہ بولا۔

''کہو ہم کیا کر سکتے ہیں''

''شام کو بتاؤں گا'' عبدالرزاق اٹھ کر جانے لگا۔

''چھ بجے آ جانا'' وہ چلا گیا ہم واپس شیلی کے پاس آئے۔

''آپ کا اسٹار کیا ہے'' شیلی نے پوچھا۔

''جیمنی کیوں؟'' ہم نے پوچھا۔

''بس یوں ہی مجھے ستاروں سے دلچسپی ہے۔

تم سے شام کو ملیں گے۔ اب ذرا دیر آرام کر لیں۔ ہم شیلی سے اجازت لے کر اپنے کمرے میں آ گئے۔

ملیشیا کا روایتی کھانا' خواتین کی نگرانی میں

چھ بجے سے پہلے ڈاکٹر زین العالم آ گئے استقبالیہ سے ان کی آمد کی اطلاع سے ہماری آنکھ کھلی چند منٹ بعد ہم نیچے پہنچے۔ تو سامنے ہی عبدالرزاق کو بیٹھے دیکھا اس کے بعد ڈاکٹر پر نظر پڑی ہم سمجھ گئے حکومت ملیشیا نے کسی غلط فہمی کی بنیاد پر ہم پر ایک جاسوس کی ڈیوٹی لگا دی ہے اور وہ نہایت بھونڈے انداز سے ہم پر سوار ہو گیا ہے ڈاکٹر ہمیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے باہر چلنے کے لئے ہم نے عبدالرزاق سے پوچھا ہم اس کی کیا خدمت کر سکتے ہیں اس نے کہ رات کو بتاؤں گا ہمیں یہ سن کر غصہ آیا لیکن اپنا موڈ خراب کر کے شام کی سیر کا مزہ بگاڑنا نہیں چاہتے تھے اس لئے اچھا کہا شیلی کو ہاتھ ہلایا ڈاکٹر کی گاڑی میں آ بیٹھے اور ان سے اپنے شک کا اظہار کیا وہ زور زور سے ہنسنے لگے پھر کہنے لگے ''اس جیسا بے وقوف آدمی جاسوس کیسے ہو سکتا ہے پھر یہ آزاد ملک ہے کسی مسلمان سیاح پر کیوں جاسوس لگائے گی دراصل کوئی شادی کا چکر ہے وہ تمہاری مدد چاہتا تھا'' ''شادی میں ہم کیا مدد کر سکتے ہیں پرسوں صبح چلے جائیں گے'' ہم نے کہا۔

''میں نے اسے سمجھایا تھا لیکن وہ بضد ہے کہ تم مدد کر سکتے ہو۔''

''اس کا مطلب ہے آسانی سے جان نہیں چھوٹے گی۔''

ہم نے ٹھنڈی سانس لی۔

''عباسی اگر تم اس کی ذرا سی مدد بھی کر سکتے ہو تو ضرور کرنا شادی کرانا ثواب کا کام ہے۔''

''ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب ہمارے بعد ولیمے کی بریانی آپ کھا لیجئے گا''

ہم دونوں ہنسنے لگے۔

گاڑی اب شہر سے نکل کر باہر آ گئی تھی اور ڈاکٹر ہر چیز کی تفصیل بتا رہے تھے ایک بڑی سی سائنس اور ٹیکنالوجی کی یونیورسٹی حکومت کی طرف سے بنائے گئے سستے فلیٹ پھر ہوائی اڈہ جہاں دن میں بہت سی پروازیں آتی ہیں شام سے صبح تک کوئی فلائٹ نہیں تھی ایئر پورٹ تقریباً بند تھا راستے میں اسنیک ٹمپل آیا ڈاکٹر نے کہا یہ کل تمہیں ریمنڈ دکھائے گا'' ایک جگہ نمائش لگی اس میں ہمارے دیکھنے کا کچھ نہ تھا اس لئے وہاں سے گزر گئے پھر گھاس کے میدان آئے اور پینانگ ختم ہو گیا۔

''میں نے بہت سی چیزیں چھوڑ دی ہیں وہ تمہیں کل گائیڈ دکھا دے گا یہ پینانگ سے ایک ہوائی تعارف تھا ڈاکٹر نے کہا واپسی کا سفر شروع ہوا اس پورے عرصے میں کار سے نہیں اترے بس کھڑکی کے شیشے سے پینانگ کا دیدار جاری رہا۔

ڈاکٹر صاحب ایک نہایت ماڈرن کالونی میں رہتے ہیں گھر کوئی چار سو گز پر بنا ہو گا پینانگ کے بیشتر رئیس یہاں رہتے ہیں ہر گھر کے آگے گھاس کا لان اور ناریل کے درخت تھے ڈاکٹر صاحب کے لان کے برابر سیمنٹ کی جگہ پر ایک گاڑی پہلے سے کھڑی تھی یہ ان کی بیٹی کی تھی۔

ڈرائنگ روم قالینوں صوفوں اور دنیا بھر سے لائی ہوئی آرائشی اشیاء سے بھرا تھا فرش پر خوبصورت اور قیمتی قالین دیکھ کر ہم نے جوتے اتار کر ایک طرف رکھ دیئے بعد کو دیکھا تو سب یہی کرتے ہیں۔ شروع میں قالین کے خراب ہونے کے ڈر سے بعد کو عادت ہو گئی جوتے اتار کر بیٹھنے پر ڈاکٹر نے ہمیں ملائشی قرار دیا لیکن ہم نے فخر سے بتایا کہ اپنے ملک میں بھی ایسا کرتے ہیں حالانکہ نہیں کرتے۔ کیونکہ جس کے پاس قیمتی قالین ہے اس کے پاس ہمارے ملک میں اس سے زیادہ دولت بنک میں رکھی ہے قالین خراب ہو گا اور خرید لے گا ہم سے نہ جوتے اتروائے گا نہ اتاریں گے۔

ہمیں ایک آرام دہ صوفے پر بٹھا دیا گیا ان کا ملازم اناس کا رس لے آیا ابھی ہم نے دو گھنٹ

نہ پیئے ہوں گے کہ ایک صاحب تشریف لے آئے یہ پاکستانی ہیں فیصل آباد کے رہنے والے ہیں یہاں یونیورسٹی میں پڑھاتے ہیں ان کا نام مجید تھا وہ ہم سے مل کر بہت خوش ہوئے دوبارہ گلے سے لگایا شاید پہلی بار کوئی پاکستانی دیکھا تھا یا گلے ملنے کا بہت شوق ہوگا پہلے وہ ہمیں فیصل آباد کا سمجھے پھر اسلام آباد کا اخیر میں صادق آباد کا ہم نے بتایا کراچی میں رہتے ہیں تو بھی وہ خوش رہے کہ پاکستانی ہیں چاہے کہیں رہتے ہیں پاکستان کا ذکر ہوتا رہا مجید صاحب سچے پاکستانی ہیں پاکستان سے باہر جا کر سب سچے پاکستانی ہو جاتے ہیں اس کے بعد ڈاکٹر یوسف تشریف لے آئے یہ بھی پروفیسر ہیں اس کے بعد دو تین خواتین اور ذرا دیر میں ڈاکٹر کا ڈرائنگ روم منی پاکستان بن گیا ہم اپنا سفر نامہ لندن لندن اور بچوں کی کتابوں کا سیٹ ڈاکٹر کے لئے ساتھ لے گئے تھے خواتین نے وہ دیکھنا شروع کیا ایک صاحبہ نے لندن لندن کے دو تین صفحے پڑھے تو پورا سفر نامہ پڑھنے کی ضد کرنے لگیں ہم نے بتایا ہے کتابیں ڈاکٹر صاحب کے لئے لائے ہیں اب ان کا جی چاہے جو کریں سب نے مل کر فیصلہ کیا کہ ڈاکٹر یوسف کی لائبریری میں یہ کتابیں شامل کی جائیں گی اور سب باری باری پڑھیں ہمیں کیا اعتراض ہوتا اس پر ڈاکٹر کو بھی اعتراض نہ تھا ہماری کتابیں تالیوں کے شور میں ڈاکٹر یوسف کے حوالے کر دی گئیں۔

اب کھانے کا وقت آ گیا سب اٹھ کر کھانے کی میز پر آ گئے لیکن صرف حضرات۔ خواتین کا کام کھانا کھلانا تھا یہ ملائشیا کی روایات ہیں مہمانوں کے لئے یہ رسم اچھی لگی ایک خاتون نے واش بیسن کا نل کھول کر ہاتھ دھلائے دوسری نے تولیہ دیا سب سے پہلے بھاپ اڑاتی بریانی آئی چاولوں پر نظر پڑی تو ڈاکٹر نے فخر سے بتایا کہ پاکستانی باسمتی ہے ہم خاص خاص موقعوں پر استعمال کرتے ہیں اور آج سے زیادہ خاص موقع کب ہوگا۔

چاول اچھے تھے یا اس ملک میں جا کر اچھے ہو گئے تھے ڈاکٹر ان چاولوں کی تعریف کر رہے تھے سچ ہے وہ پھول سر چڑھا جو چمن سے نکل گیا سب سے پہلے چاول کھائے گئے اس کے بعد دوسری ڈشیں آنے لگیں پوری آنکھ مچولی' تنکوں میں گوشت کے ٹکڑے جنہیں منی کباب کہہ سکتے ہیں ملائشیا میں اسے ستھے کہتے ہیں یہ اچھے لذیذ تھے اس لئے پسند کئے اب جو سالن نکالتے ہیں ٹھنڈا پتہ نہیں ظالم گرم کیوں نہیں کرتے دائیں سے بائیں سے سامنے سے اور پشت پر خواتین کا

اصرار اور لیجئے چکن تو لی نہیں وہ پر ان ہیں مچھلی لیجئے زبان کے بعد ہاتھ استعمال ہونے لگے چھری کانٹے سے ہماری پلیٹ بھری جانے لگی ان میں بعض ہاتھ ایسے تھے کہ زہر بھی ڈال دیں تو ہم چپ چاپ کھا لیں اس لئے ہر وہ چیز کھالی جو عام حالات میں دیکھنا پسند نہ کرتے مثلاً لمبی لمبی گھاس نہایت ہرے رنگ کی اور کڑوے ذائقے کی کوئی سبزی کھٹی میٹھی کوئی چیز جس کا نام بتایا گیا تھا لیکن ناپسندیدگی کی وجہ سے یاد نہ رہا ہم کھاتے جا رہے تھے اور دعا کر رہے تھے کھانے سے اگر بے ہوش ہوں تو اسی ڈرائنگ روم میں کہ ان میں کوئی معالج بن جائے مسیحا کہلانے ہوٹل میں کچھ ہو گیا تو کون ہوگا وحشتوں کا ساتھی۔

کھانے کے بعد سویٹ ڈش کا نمبر آیا ہم نے اعلان کر دیا ہم میٹھا بالکل نہیں کھاتے کیوں کہ جو کچھ ہم نے دیکھا تھا اس نے خوفزدہ کر دیا چار پانچ قسم کی نہایت مجرب کھیر حلوہ کیک آئس کریم اور رنگین مٹھائیاں۔

ہمارے میٹھا نہ کھانے پر ہماری بیماری کا نام پوچھا گیا اور جب ہم کوئی نام نہ بتا سکے صرف احتیاط بتایا تو پھر حملہ ہو گیا ایک ایک چمچے سے کوئی دو کلو وزن بڑھایا ہوگا سویٹ ڈش کے بعد کافی کا دور چلا اس کا جو گھونٹ لیا تو ٹھنڈی نہ معلوم ان ظالموں کو گرم سالن اور گرم کافی سے کیا چڑ ہے۔

کافی کے دوران خواتین غائب ہو گئیں ہم سمجھے یہ بھی کوئی رسم ہے کہ کافی عورتوں کے سامنے نہیں پی جاتی لیکن وہ اب کھانے گئی تھیں حالانکہ ہمارا خیال تھا جب خواتین کھانے بیٹھیں گیں تو مردان کی خدمت انجام دیں گے تب ہر اسمارٹ خاتون کو ہم زبردستی چربی والے کھانے کھلائیں گے سویٹ ڈش پوری پوری پلیٹ میں الٹ دیں گے لیکن یہ حسرت دل میں رہی وہ تو زنان خانے میں دو نوالے کھا کر آ گئیں کیونکہ ہمیں کھانے میں ایک گھنٹہ لگا اور انہیں دس منٹ یوں لگتا تھا بعض چیزیں تو انہوں نے سونگھ کر چھوڑ دی ہوں گی بعض صرف دیکھ کر یہ خواتین کی زیادتی ہے اس پر ہم نے احتجاج کیا تو سب ہی مسکرا دیں۔

ہم نے ڈاکٹر صاحب سے گرم کافی کہہ کر فرمائش کی اور چند لمحوں بعد گرم کپ ہمارے سامنے تھا اب پاکستانی گھروں میں ہماری دعوتوں کا پروگرام بننے لگا ہم نے بتایا صرف کل کے دن یہاں رہے گے پھر کوالالمپور چلے جائیں گے سب نے ہمیں پینانگ میں رکنے پر اصرار کیا خواتین کے

کہنے پر شاید رک جاتے لیکن وہ سب گھر والیاں تھیں پھر کس امید پر رکنے کا ارادہ کرتے ویسے بھی سیاح چلتا آگے بڑھتا اچھا لگتا ہے۔

دیر تک گفتگو ہوتی رہی پھر ڈاکٹر یوسف نے اپنا گھر دکھانے کی خواہش کی مجید صاحب بھی یہی چاہتے تھے بیگم ثروت کا بھی اصرار تھا اور شازیہ جبار بھی مدعو کرنا چاہتی تھیں۔ اور مزے کی بات یہ تھی سب گھر برابر تھے ڈاکٹر صاحب کے ہمسائے ہیں مجید صاحب نے ہمیں ہوٹل چھوڑنے کا وعدہ بھی کیا اس لئے ہم ڈاکٹر زین العالم سے اجازت لے کر باہر نکلے۔

مجید صاحب کا گھر بالکل برابر تھا ہمارے ساتھ خواتین و حضرات بھی ان کے گھر پہنچے پہلے ڈرائنگ روم میں بٹھایا جہاں کی الماریوں میں انواع واقسام کے آرائشی سامان سجے تھے ہر ایک کی تاریخ تھی افریقہ سے سیاہ لکڑی کے مجسمے ہندوستان کے شیشے کے جانور، پاکستان کے سندھی کام کی اجرک اس کے علاوہ بھی ملک ملک اور دیس دیس کے نمونے تھے ہمیں یہ سب دکھائے گئے ہم نے ہر ایک کو دیکھا اور حسب توفیق مسرت، حیرت اور تعجب کا اظہار کیا ہر ایک کے بارے میں دو ایک سوال کئے بیگم مجید تفصیل سے ایک ایک بات بتا رہی تھیں ان کی باتیں اور قرب دونوں ہی اچھے تھے لیکن ہمیں جلد احساس ہو گیا کہ اگر نوادرات کے دیکھنے اور معلومات حاصل کرنے کی رفتار یہی رہی تو صبح ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا اور ابھی گھر کی سب چیزیں دیکھنی ہیں ایک کونے میں لائبریری بھی دیکھی جس میں پاکستانی ٹیلی ویژن کی دو سیریل رکھی تھیں چند پرانے رسالے دو ایک اردو کے ناول پینانگ میں پاکستانیوں کی لائبریری کا مطلب پاکستان ٹیلی ویژن کی اردو سیریل ہے مسز مجید نے بتایا کہ ہم اپنے بچوں کو اردو انہی سیریل کے ذریعے سکھاتے ہیں بابائے اردو مولوی عبدالحق زندہ ہوتے اور یہ سن لیتے تو ٹیلی ویژن پر سیریل لکھتے نظر آتے لیکن اچھا ہوا یہ کام ان کے جانے کے بعد شروع ہوا۔

ڈرائنگ روم کے بعد بیڈ روم دیکھنے کا موقع ملا ان کے باتھ روم تک جھانک کر دیکھے اس کے بعد زنانہ لان جہاں خوش رنگ پھول کھلے تھے یہاں نشست ہوئی فضا میں ہلکی ہلکی خنکی تھی سب ہمارے گرد بیٹھ گئے مسز مجید کافی بنانے چلی گئیں ان کی مدد کے لئے دو خواتین اور روانہ ہو گئیں اب چار مرد اور دو خواتین رہ گئیں ان میں سے ہر ایک کا اصرار تھا یہاں سے ان کے گھر چلیں کچھ نہیں تو

ایک جوس کا گلاس ایک چائے کا کپ پی لیں ہم معذرت کر رہے تھے ایک پیٹ ہے اس میں جگہ جتنی تھی وہ ڈاکٹر زین العالم کے گھر بھر لی تھی ابھی مسز مجید کی کافی کے لئے جگہ نکالنی مشکل تھی لیکن اصرار زیادہ تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ ہم صبح تک کافی جوس چائے پیتے رہیں گے ایک خاتون جن کا نام شکیلہ تھا اور ہمارا خیال ہے یہ نام ان کی شکل دیکھنے کے بعد رکھا گیا اس بات پر مصر تھیں ہم رات کو یہیں ٹھہر جائیں ہمیں کیا اعتراض تھا رات ہمیں گزارنی تھی ہوٹل میں بسر ہو یا مسز شکیلہ کے گھر اس بات کو راشد صاحب نے پسند نہیں کیا جو شکیلہ کے شوہر تھے وہ چپ رہے صرف شکیلہ ہی ضد کرتی رہیں بعد کو معلوم ہوا موصوفہ شاعرہ تھیں اور ہمیں مصنف ہونے کے ناطے کوئی باذوق آدمی سمجھ بیٹھی تھیں اور غضب اس وقت ہوا جب ان کے شوہر نے پوچھ لیا آپ کو شاعری سے لگاؤ ہے اور ہم نے جواب میں کہہ دیا بس یہی ایک چیز ہے جس سے ہمیں کوسوں دور کا بھی واسطہ نہیں شکیلہ کا چہرہ بجھ گیا اور راشد صاحب کے چہرے پر بہت سے بلب ایک ساتھ جل اٹھے شکیلہ بھی مسز مجید کا ہاتھ بٹانے کے بہانے اٹھ کر چلی گئیں تب مجید صاحب نے ہنس کر بتایا آپ نے شکیلہ کا موڈ آف کر دیا ورنہ وہ آپ کو اپنے شعر سناتیں ہم نے معذرت کی اور شعر سننے کا ارادہ کیا لیکن راشد صاحب کسی رسک لینے کے موڈ میں نہ تھے اس لئے بات کو ٹال گئے۔

مسز مجید کافی اور اس کے ساتھ سنہرے کا جو لے آئیں مجبوراً کھانے پڑے اس کے بعد لطیفے سنائے جانے لگے کسی کو بھی رات گزرنے کا احساس نہ تھا ہر ایک کے چہرے پر ہنسی تھی زندگی کی تتی لطافت تھی ہم یہ بھول گئے تھے کہ یہاں سیاح ہیں، مسافر ہیں ان محبت کرنے والے زندہ لوگوں کے درمیان سے اٹھ کر جائیں گے تو پھر ان کے اور ہمارے درمیان دنوں برسوں اور زمانوں کے پردے گرنے شروع ہو جائیں گے نہ کبھی یہ ہم سے ملیں گے نہ ہم ان سے ملیں گے اچانک آسمان پر آخری تاریخوں کا چاند تیر کر ہمارے سامنے آ گیا پیلا سے بے جان سب اس کی طرف دیکھنے لگے ایک سناٹا سا ہو گیا ہم نے اجازت مانگی ''تھوڑی دیر اور بیٹھ جایئے'' مسز عابد نے کہا'' آپ ہمارے وطن کی خوشبو لائے ہیں کتنے دنوں بعد وطن سے کوئی تازہ ہوا کا جھونکا لایا ہے'' '' کافی اور بناؤ'' مجید صاحب بولے مسز مجید اٹھنے لگیں تو ہم نے روک دیا'' پلیز یوں ہی بیٹھی رہیے رات اس وقت الف لیلیٰ کی داستان لگ رہی ہے''۔

پاکستان کی باتیں ہونے لگیں اس کے در و بام کی اس کے لہلہاتے کھیتوں کی' کھلیانوں کی تب احساس ہوا ہماری مٹی سے محبت کرنے والے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔

''ارے دو بج گئے'' مجید صاحب نے اپنی گھڑی دیکھی عباسی صاحب کو سونا بھی ہوگا صبح کا کوئی پروگرام ہوگا'' کل شام کی دعوت طے ہوگئی مجید صاحب کی ڈیوٹی لگائی گئی شام کو ہمیں ہوٹل سے لے کر آئیں گے ہر گھر سے ایک ڈش کھانے کی آئے گی۔

''ہم بھی ایک ڈش لائیں گے''...... ہم نے کہا

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا آپ کوئی ڈش نہیں لائیں گے''...... شکیلہ نے کہا۔

''کیوں صاحب کیا ہم ون ڈش پارٹی میں شریک نہیں'' ہم نے پوچھا۔

''ضرور شریک ہیں لیکن کوئی کھانا نہیں لائیں گے۔ آپ مہمان بلکہ مہمانِ خصوصی ہے''۔

''کھانا ہم نے کھانا لانے کے لئے تو نہیں کہا'' ہم بولے

''لیں آپ ڈش لانے کے لئے کہہ رہے تھے'' مسز مجید بولیں۔

''جی ہاں ڈش خالی ڈش کھانے کھانے کے لئے'' ہم بولے

اس پر زوردار قہقہہ پڑا اور اس کے ساتھ ہی محفل برخاست ہوگئی۔

مسز مجید نے گاڑی نکالی ہم نے سوچا ہمیں ہوٹل چھوڑنے اس وقت رات کے دو بجے جائیں گی لیکن مجید صاحب ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھے اور مسز مجید پچھلی نشست پر بیٹھ گئیں پینانگ میں رات کو سڑکیں ویران نہیں ہوتیں گاڑیاں نظر آ رہی تھیں ہوٹل پہنچے تو استقبالیہ کھلا تھا ہم نے ڈرتے ڈرتے کوری ڈور میں صوفوں پر نظر ڈالی عبدالرزاق ہمارے انتظار میں نہ بیٹھا ہو لیکن وہ خالی تھی سامنے ہماری دوست کی دکان کا کاؤنٹر بند تھا استقبالیہ پر اس وقت ایک صاحب بیٹھے تھے۔

مسٹر اور مسز مجید سے ہاتھ ملا کر اندر آئے تو استقبالیہ سے چابی لی تو اس وقت تک جاگنے کا سبب پوچھ لیا۔

''ہم تین بجے تک استقبالیہ کھلا رکھتے ہیں ڈھائی بجے آخری ٹرین آتی ہے شاید کوئی مسافر آ جائے''۔

''ہم لفٹ کی طرف بڑھے تو استقبالی کلرک نے پوچھا'' چائے کافی ڈرنک''

''نو تھینکس'' ہم نے پلٹ کر کہا اور لفٹ میں سوار ہوگئے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر گئے تو ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی ہم نے ریسیور اٹھایا تو ہوٹل کی چھت پر واقع ڈسکو کلب سے فون تھا۔

''آیئے ہم آپ کا انتظار کر رہے ہیں''

''سوری ہم سخت تھکے ہوئے ہیں اس وقت صرف آرام کرنا ہے۔''

گڈ نائٹ ادھر سے فون بند ہوا تو کسی نے دروازے پر دستک دی دروازہ کھولا تو ایک بیرا کھڑا تھا۔

''سر کچھ چاہئے'' مسکرا کر بولا۔

''ہاں'' ہم نے جواب دیا'' سر انڈین چائنی۔''

''سکون چاہئے ہم سونا چاہتے ہیں'' ہم نے اس کا جملہ کاٹا اور زور سے دروازہ بند کر دیا' دور سے گرجا میں گھنٹا بجا رات کے تین بجے تھے۔

حسینہ اور سیاح بے وفا ہوتے ہیں

پینانگ میں اس دن صبح ذرا دیر سے ہوئی۔ لیکن اتنی دیر سے بھی نہیں کہ میو سر پر آکھڑی ہو۔ ہم اٹھے تو سورج نکل چکا تھا سڑکیں جاگ چکی تھیں۔ ہم نے اطمینان سے شیو کیا اور ٹب میں دیر تک تیرتے رہے۔ جب ناشتے اور گائیڈ ریمنڈ کے آنے کا وقت نزدیک آیا تو خیال آیا آزادی کا پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ لیکن سامنے نہایت سفید تولیہ نظر آیا۔ ہاتھ لگا کر دیکھا تو ریشم کی طرح ملائم محسوس ہوا۔ اسے باندھ کر باہر نکلے تو دل دھک سے رہ گیا۔ ایک خاتون بیڈ کے سرہانے کھڑی اس رسالے کی ورق گردانی کر رہی تھیں جو کل ہی خریدا تھا ہماری طرف سے ان کی پشت تھی بالوں کا جوڑا بندھا تھا آستین اوپر چڑھی تھی سمجھ میں نہیں آیا یہ خواب ہے یا حقیقت۔ اسی لمحہ وہ پلٹیں چند ساعتیں حیرت کی اور پھر مسکراہٹ جو ہنسی میں بدل گئی۔ رات کو محفل کی تمام خواتین کی شکلیں ان کے چہرے سے ملاتے رہے لیکن افسوس کوئی رخ روشن اس پر زیب نہ دیا۔ پھر ہمیں اپنے کردار پر شک گزرا کہ جانے رات کب دروازہ کھول کر دعوت دی ہوگی۔

''مجھے افسوس ہے'' وہ ہنسی روک کر بولی۔

''ہمیں بھی افسوس ہے'' ہم نے کہا ''لیکن آپ.........''

''میرا نام میو ہے'' موصوفہ نے ہنس کر ہماری طرف ہاتھ بڑھایا۔ ہم نے ہاتھ لمبا کر کے ملایا

کہ نزدیک کرنے سے تولیہ پر ضرب نہ پڑے۔ ادھر ہاتھ میں ہاتھ آیا اور ہم نے اپنا ہاتھ فوراً گھسیٹ لیا۔

''آپ ہمارے کمرے میں کب آئیں'' ہم نے سوال کیا۔

''ابھی......اسی وقت...... میں سمجھی آپ جا چکے ہیں......'' کیا مطلب؟ آپ ہماری غیر موجودگی میں ہمارے کمرے میں آتی ہیں'' ہم نے حیران ہو کر پوچھا۔

''جی ہاں روز اور بہت دیر رہتی ہوں'' وہ ہنس کر بولی۔

''لیکن کیوں؟''

''اس لئے کہ مجھے آپ کے کمرے کی صفائی کرنی ہوتی ہے بستر درست کرنا پڑتا ہے۔ آپ جو لباس ادھر ادھر پھینک جاتے ہیں وہ ہینگر میں ٹانگنا پڑتا ہے''......''اوہ'' ہمیں سکونِ قلب ہوا۔ موصوفہ جمعدارنی ہیں۔ اس لئے ذرا ہمت بندھی اور رعب سے پوچھا'' آپ کو کمرے کی چابی کس نے دی''۔

''میرے پاس ہر کمرے کی ماسٹر کی ہوتی ہے۔''

''آپ کو دروازہ کھٹکھٹا کر آنا چاہئے تھا۔''

''مجھے افسوس ہے میں سمجھی تھی۔ آپ جا چکے ہیں۔ اور مجھے آج جلدی صفائی کر کے جانا ہے۔''

''کیا آپ اس وقت دس منٹ کے لئے باہر جا سکتی ہیں'' ہم نے رعب سے کہا۔

''جی نہیں۔ میں ایک منٹ کے لئے باہر نہیں جا سکتی۔''

''لیکن ہمیں کپڑے تبدیل کرنے ہیں''......''اس کے لئے باتھ روم میں جایئے اور مجھے پلیز کام کرنے دیجئے'' یہ ایک طرح ڈانٹ تھی ہمیں سوائے چپ رہنے کے اور کوئی بات سمجھ میں نہ آئی۔ اب میو نے میز پر لگے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔ کچھ گنگنانے لگیں جو ہماری سمجھ میں نہ آیا۔ پھر بالوں کو ادھر ادھر جھٹکا ہونٹوں کو سکیڑا۔ پھیلایا آج پہلی بار معلوم ہوا جمعدارنی کو مہترانی کیوں کہتے ہیں۔ اس وقت کمرے میں شاید مہتر ہم اور رانی وہ تھیں۔ اچانک وہ پلٹیں اور ہمارے جوتوں پر حملہ کر دیا زمین سے اٹھا کر جیب سے کپڑا نکال کر صفائی کرنے لگیں۔ ہم نے روکنا چاہا مگر وہ کیوں مانیں۔ ہم ان کی طرف سے پشت کر کے الماری سے کپڑے نکالنے لگے۔ ایک سفاری

سوٹ نکالا تو انہوں نے زور سے کہا "نہیں یہ نہیں"۔

ہم نے پلٹ کر دیکھا تو وہ اٹھ کر ہمارے نزدیک آگئیں اور اشارے سے دوسرے سفاری سوٹ کی طرف اشارہ کیا "یہ پہنئے" ہم نے ایک نظر ان کی طرف دیکھا اور ان کے تیکھے تیکھے تیور دیکھ کر وہی سفاری سوٹ نکال جس کی طرف ان کی توجہ تھی۔ پھر باتھ روم میں جا کر پہنا باہر نکلے تو وہ جوتا لئے کھڑی تھیں۔ اشارے سے پلنگ پر بٹھایا۔ موزے پیش کئے۔ وہ ہم نے پاؤں پر چڑھائے تو جوتا انہوں نے فٹ کیا۔ ہم ممنون ہو کر شکریہ ادا کرنے لگے۔ تو وہ انتہائی نزدیک آگئیں۔ ہم ایک قدم پیچھے ہٹے۔ وہ دو قدم آگے بڑھ کر آئیں اور پلک جھپکتے ہماری بش شرٹ کا ایک بٹن کھول دیا اور ہم کچھ نہ کر سکے۔ وہ بولیں۔ "پینانگ میں اوپر کا بٹن نہیں لگاتے۔"

اب ہمیں ڈر تھا کہ بالوں میں کنگھی کرنے لگیں گے۔ تو اس میں بھی کوئی نیا ہیئر اسٹائل ہوگا اس لئے باتھ روم میں جا کر کنگھا کیا۔

"یہ آپ کی گھڑی" میو نے گھڑی پیش کی۔ ہم نے ہاتھ لمبا کر کے لے لی یہ ہاتھ میں نہ پہنا دیں۔

"آج آپ کا کیا پروگرام ہے؟" وہ بولی۔

"پیانگ کی سیر ہمارا گائیڈ گاڑی لے کر آئے گا" ہمارا خیال تھا شاید وہ سیر کرانے پر آمادہ ہوں۔

"ٹھیک ہے آپ کب تک ٹھہریں گے" میو نے پوچھا۔

"آج پیانگ میں آخری دن ہے کل صبح چھ بجے چلے جائیں گے" ہم نے سوچا وہ شاید اداس ہو جائیں۔

"ویری گڈ مجھے ایسے مسافر پسند ہیں جو جلدی چلے جائیں۔ روز روز ایک سا چہرہ دیکھیں تو بوریت ہو جاتی ہے۔

"ہم کیا جواب دیتے۔ نہ جانے میو شادی شدہ ہیں یا ابھی تک تجھ مجھ کے چہرے تکتی پھرتی ہیں۔

"آپ بالوں میں کون سی کریم لگاتے ہیں۔"

"کوئی نہیں"

"اور آفٹر شیو لوشن"

"وہ بھی نہیں"

"آپ تو بڑے بور آدمی ہیں۔ مجھے بالوں میں کریم اور گالوں پر آفٹر شیو لوشن کی خوشبو پسند ہے"۔

"پھر تو بچ گئے" ہم نے ہنس کر کہا۔

"آج رات نئے سال کی پارٹی میں آپ کہاں مدعو ہیں۔"

"کئی جگہ۔ اب فیصلہ کرنا ہے کہاں جائیں" ہم نے کہا۔

"میں اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ راسا سانگ ہوٹل جاؤں گی۔"

"اچھا تو آپ کا بوائے فرینڈ بھی ہے" ایک لمحے کو ہمیں یہ اچھا نہیں لگا۔

"میرا ایک نہیں دو بوائے فرینڈ ہیں۔ اچھا مجھے پانچ ڈالر دیجئے۔"

"پانچ ڈالر۔ وہ کیوں؟" ہم نے حیرت سے پوچھا۔

"جوتے صاف کرنے' سفاری سوٹ کے انتخاب اور بٹن کھولنے' ہاتھ ملانے کا۔

"لیکن" ہم نے بولنا چاہا۔

"دیکھئے میں آپ کی گرل فرینڈ تو نہیں۔ اس لئے ہر کام کی ادیگی ہوتی ہے۔ وہ دیجئے" سارا ماحول جو ذرا سا رومانی بنا تھا ایک جھٹکے سے ٹوٹ گیا۔ ہم نے جیب سے پانچ ڈالر کا نوٹ نکالا اور چپ چاپ کمرے سے باہر نکل آئے دروازہ بند کیا اور لفٹ کا بٹن دبا کر ریمنڈ کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔

استقبالیہ کے برابر رکھے صوفوں پر نکی بیٹھی تھی ہم اسے دیکھ کر حیران ہوئے اپنے خیال میں ہم اسے پینانگ سے روانہ کر چکے تھے۔ وہ ہمیں دیکھ کر اس درجہ خوش ہوئی جیسے اس نے کوئی نہایت اچھا سا بچ دیکھ لیا ہو۔ پہلے ہاتھ ملانے کی رسم ہوئی۔ ایسے موقع پر مرد حضرات دیر تک خواتین کا ہاتھ تھامے رہتے ہیں۔ لیکن اس نے ہمارا ہاتھ پکڑا تو چھوڑا نہیں ہم اس جملے کا دیر تک انتظار کرتے رہے "شریف عورت ایک بار کسی کا ہاتھ پکڑ لے تو چھوڑتی نہیں" نہ جانے فرانس میں بھی یہ ہاتھ

پکڑنے اور نہ چھوڑنے کی روایت ہے یا نہیں۔

''تم زندہ ہو'' ہم نے پوچھا۔ ''کیوں کیا مجھے مار چکے تھے'' اس نے قہقہہ لگایا ''بھئی اتنے دنوں سے غائب ہو'' ہم نے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا۔ اس نے گرفت اور مضبوط کرلی ''اتنے دنوں؟ ارے کل ہی تو نہیں آئی۔ بوائے تم مجھ سے عشق تو نہیں کرنے لگے'' وہ آنکھ دبا کر بولی ''سفر کے دوران عشق صحت کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے'' ہم نے آہستہ سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی اس نے ہاتھ اور مضبوط پکڑلیا'' اوہ تو پھر زندگی ایک سفر ہے اس طرح تمام عمر عشق نہیں کرنا چاہئے'' وہ ہنسنے لگی۔ ''ایک بات بتاؤ۔ اگر بازو کا دوران خون بند ہو جائے تو اس کا علاج کیا ہے'' ہم نے پوچھا ''کیا مطلب کس کا دوران خون بند ہوا'' اس نے حیرانی سے پوچھا ''ہوا نہیں بس ہوا چاہتا ہے۔ ہمارے ہاتھ کا جسے تمہارے فولادی پنجے نے جکڑ رکھا ہے'' ہم نے کہا۔ اس جملے نے اثر کیا۔ ہمارا ہاتھ آزاد ہوگیا۔

''تم بہت بدذوق ہو میرا بوائے فرینڈ اس ہاتھ کی اتنی تعریف کرتا ہے کہ بتا نہیں سکتی۔ ایک بار مجھے ہل اسٹیشن اس شرط پر لے گیا کہ سارے راستے میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دوں'' ہم نے قہقہہ لگایا اور وہ برا ماننے لگی ''تم ہنس کیوں رہے ہو'' سارے راستے اس نے تمہارا ہاتھ اس لئے پکڑے رکھا کہیں اس کی جیب سے پیسے نہ نکال لو یا اسے خطرہ تھا تم ڈھول دھپے کی عادی نہ ہو'' اس بات پر وہ ہنسنے لگی۔ اچانک ظالم سماج آگیا۔ گائیڈ ریمنڈ سامنے آ کھڑا ہوا۔ ٹھیک نو بجے تھے شاید ہوٹل کے باہر دیر سے کھڑا نو بجنے کا انتظار کر رہا تھا۔

''ہمیں چلنا چاہئے'' موصوف نے گھڑی دیکھ کر کہا۔ ''ہم نے ناشتہ نہیں کیا ابھی تو مسٹر اینڈ مسز والٹر بھی نیچے نہیں آئے'' ہم نے بتایا ''وہ لوگ ناشتہ کر رہے ہیں بہرحال آپ جلدی کریں'' وہ نہ جانے کب کیفے میں پہنچ گئے اور ہم نکی سے ہاتھ ملاتے رہے۔ لپک کر کیفے کی طرف گئے۔ والٹر کافی کا آخری گھونٹ لے رہے تھے۔ ہم نے جلدی جلدی ناشتہ شروع کیا۔ ایک کپ کافی کا بنا کر ریمنڈ کو پیش کیا کہ ظالم اسے پینے میں دو چار منٹ صرف کرے گا لیکن اس نے معذرت کرلی تاکہ ہم ناشتہ پریشانی کے عالم میں کریں۔ خیر پریشانی سے ہم کب خوفزدہ ہوتے ہیں اطمینان سے ناشتہ کیا اور باہر نکلے تو یہ جان کر خوشی ہوئی نکی بھی ہمارے ساتھ جائے گی والٹر نے

ریمنڈ سے پوچھا اسے کوئی اعتراض تو نہیں اس نے چند لمحے سوچا اور ازراہ عنایت اجازت دے دی مسز والٹر نے پوچھا ''کچھ ادائیگی کرنی ہوگی'' ریمنڈ سوچنے لگا ہم نے جھٹ کہا ''ہاں ہم سب کو راستے میں کوکنٹ ڈرنک'' اس پر سب ہنس پڑے ریمنڈ کچھ ایسا چکرایا نکی کو ساتھ لے کر چلنے پر کچھ ڈالر طلب نہ کر سکا ہمیں ایک خطرے کا احساس ہوا کہیں نکی اگلی نشست پر براجمان نہ ہو جائے اس لئے جھٹ دروازہ کھول کر ڈرائیور کے برابر کی نشست پر قبضہ کرلیا ایک طرف سے مسز والٹر بیٹھیں دوسری طرف سے مسٹر والٹر اور پھر نکی۔ نہ جانے یہ اتفاق تھا یا باقاعدہ منصوبہ بندی کہ مسٹر والٹر کے دونوں طرف خواتین تھیں سونے پر سہاگہ یہ ہوا ظالم نے پہلے اپنی بیوی اور پھر نکی کا ہاتھ زور سے دبایا بلکہ نکی کی طرف اس طرح جھکا کہ ہمارا دل زور زور سے دھڑکنے لگا ہم نے احتجاجی نظروں سے مسز والٹر کی طرف دیکھا لیکن واہ رے جرمن خاتون اس نے ہماری نظروں اور والٹر کے ہاتھوں کو قطعاً نظرانداز کردیا۔ خیر ہم ٹھنڈی سانس بھر کر اور ان سب کی طرف پشت کرکے بیٹھ گئے تو ریمنڈ بولا رات کا کیا پروگرام ہے' ہم سمجھے ہم سے پوچھا گیا ہے' اس لئے کہا رات کا کھانا کھا کر سو جائیں گے۔ لیکن اس ظالم نے گردن گھما کر نکی کی طرف دیکھا۔ اس پر ہمیں ذرا سا غصہ آیا کہ آج کی سیر کے معاوضے میں یہ نکی سے رات کا پروگرام بنا رہا ہے۔ یہ تو انتہائی گھٹیا بات ہے۔ لیکن یہ ہماری غلط فہمی تھی۔ دراصل وہ ہم سب سے پوچھ رہا تھا۔ تم کیا پروگرام بنا رہے ہو؟ والٹر نے پوچھا۔

''پینانگ میں دیکھنے کی بہت سی چیزیں ہیں۔ آرام کرتا بدھا۔ چائنی مندر کپتان کلنگ کا قلعہ' سانپوں کا مندر' کیمپا نگ۔ کس طرف چلیں'' ریمنڈ نے پوچھا آرام کرتے بدھا کو آرام کرنے دو۔ چائنی مندر کے دیدار کی حاجت نہیں کپتان کلنگ کا قلعہ دیکھ لیا ہے باہر سے'' ہم نے بتایا۔ پھر کہاں چلیں'' ریمنڈ نے پوچھا ''سانپوں کے مندر چلو'' نکی بولی۔ اس کے لئے سب تیار ہوگئے۔

گاڑی بازاروں سڑکوں سے گزرنے لگی۔ اور ریمنڈ وہ سب کچھ بتانے لگا جو ڈاکٹر زین العالم پہلے ہی بتا چکے تھے۔ نکی نے اپنے تھیلے سے نکال کر سب کو ٹافیاں تقسیم کیں باوجود اس حقیقت کہ ہم گزشتہ کئی برس سے ڈائٹنگ کررہے ہیں وہ ٹافی کھائی۔ ایک جگہ نمائش لگی تھی ہمارا جی چاہا اسے ایک نظر دیکھ لیں لیکن ریمنڈ نے کہا۔ اس میں دیکھنے کو کچھ نہیں ویسے بھی جہاں شاپنگ کی بھیڑ لگی

بوڑھا جرمن جوڑا اور نکی کو پسند نہیں تھی اس لئے سیدھے اسنیک ٹمپل پہنچ گئے۔

سانپوں کا مندر سامنے تھا چند سیڑھیاں چڑھ کر ایک آنگن اس کے آگے ایک بڑا سا کمرہ جس کے بیچوں بیچ ایک نہایت بھدا کالا سا مجسمہ رکھا تھا ہم نے قدم اندر رکھا تو دائیں ہاتھ پر ایک مٹی کے گملے کے ساتھ گہرے رنگ کا سانپ دیکھا موصوف شاید سو رہے تھے رات دیر تک ادھر ادھر کے چکر لگاتے گئے مجسمے کے نزدیک گئے تو پیلے رنگ کا سانپ نظر آیا وہ جاگ رہا تھا بلکہ اس نے ہماری طرف نظر بھر کر دیکھا بھی ہم نے نظریں بچالیں کیا خبر حملہ کر دیتا اس کے بعد اور بہت سے سانپ نظر آئے نکی تو ان سے انگریزی میں ہیلو ہیلو بھی کر رہی تھی ناگن ناگ سے بات نہ کرے تو کیا کرے یہ سوچ کر دخل نہیں دیا ہم مجسمے کے سامنے کھڑے تھے اور حیران ہو رہے تھے اس درجہ کالے چہرے والے کا مجسمہ بنا دیا ہم سے رابطہ قائم کر لیتے ابھی اچھی طرح آرزدہ ہونے نہ پائے تھے کہ ہمارے گائیڈ ریمنڈ کی آواز سنائی دی آپ اسے ہاتھ لگا سکتی ہیں یہ کاٹتے نہیں ہم نے پلٹ کر دیکھا وہ نکی کے برابر کھڑا بڑبڑا رہا تھا پھر وہ ہماری طرف متوجہ ہوا اور کالے چہرے والے مجسمے کے بارے میں بتانے لگا یہ چور سو کونگ کا مجسمہ ہے یہ ایک پہنچے ہوئے بزرگ تھے انہوں نے اپنی زندگی میں بہت سے کمالات دکھائے یہ بیماروں کو شفا دیتے تھے ہم نے پوچھا کوئی بڑے ڈاکٹر حکیم طبیب تھے۔ گائیڈ نے حیران ہو کر پوچھا ''آپ کے ہاں بزرگ نہیں ہوتے'' کمالات دکھانے والے ہوتے ہیں لیکن اس قسم کے چہرے والے نہیں ہوتے اور ہم مجسمے نہیں بناتے'' پھر کیا کرتے ہیں۔'' اس نے پوچھا۔

''زمین میں دفن کر دیتے ہیں۔''

''پھر؟''

''پھر ان کے مزار پر چادریں چڑھاتے پھول چڑھاتے اور دعا مانگتے ہیں''

''یہاں مجسمہ بناتے ہیں لوگ اپنے مریضوں کے لئے دعا مانتے تھے وہ ٹھیک ہو جاتے تھے''

''پینانگ کے ڈاکٹر حکیم تو اپنا کاروبار بند کر گئے ہوں گے''۔

''اب اتنا بھی ٹھیک نہیں کرتے تھے'' گائیڈ ہنسنے لگا ''پھر بھی شفایاب ہونے والوں کی کیا فیصد ہوگی'' ہم نے پوچھا۔

''خاصی'' گائیڈ نے جواب دیا۔

''او و تم نے شماریات میں تعلیم تو حاصل نہیں کی'' نکی نے زور سے قہقہہ لگا کر کہا۔

گائیڈ نے ہماری بات پر توجہ نہ دی اور بتانے لگا لارڈ چوسو کونگ کی دعا سے بستر مرگ پر مریض زندگی پا لیتے تھے پینانگ کا انگریز حاکم مرنے لگا تو اس کے دوست لارڈ صاحب کے پاس لے آئے ان کی دعا سے وہ ٹھیک ہو گیا تو اس نے زمین خرید کر مندر اور لارڈ چوسو کونگ کا مجسمہ بنوا دیا۔

''اور سانپ؟''

ہم نے پوچھا

''وہ خود آ گئے'' گائیڈ بولا

''یہاں سرخ رنگ کے سانپ نہیں ہیں'' ہم نے سوال کیا ''شاید نہیں میں نے نہیں دیکھے لیکن کیوں؟''

''یہاں ہرے پیلے رنگ کے سانپ موجود ہیں کاش سرخ بھی ہوتے تو ٹریفک سگنل کا پورا انتظام ہوتا'' گائیڈ لارڈ صاحب سے ڈرتا تھا اس لئے کسی مذاق میں حصہ نہیں لے رہا تھا اس نے ایک بات بتائی تو دیکھ کر تعجب ہوا لارڈ کے چہرے کی طرف جیسے جیسے وہ مسکراتا نظر آتا ہے یہ واقعی کمال تھا ہم نے ان کی طرف دیکھا چہرہ مسکرانے لگا اور پھر بہت مسکرانے لگا یہ سلسلہ دیر تک جاری رہا ہم تھک گئے اور لارڈ صاحب نہیں تھکے آخر کو پہنچے ہوئے پیر تھے چہرے کی سیاہی کے بارے میں پوچھا تو گائیڈ صاحب فرمانے لگے دھونی دینے کی وجہ سے چہرے کا رنگ سیاہ پڑ گیا ہے ہم اس پر کوئی رائے نہ دے سکے۔

ہمیں دیکھ کر وہ اور انہیں دیکھ کر ہم دیر تک مسکراتے رہے اس کے بعد گائیڈ کے ساتھ دائیں طرف چل پڑے جہاں چین کی خوش بختی کی دیوی کا مجسمہ تھا اسے سوداگروں کی دیوی بھی کہا جاتا ہے سوداگر مالدار لوگ ہوتے ہیں جو چاہیں بنالیں مجسمہ یا دیوی اس کے ساتھ بھی کچھ کرامات وابستہ ہیں مثلاً بانجھ عورتوں کو بچہ بخش دیتی ہیں بہت سی عورتیں یہاں نظر آئیں اب نہ جانے یہ سب بانجھ تھیں یا ہماری طرف سیاح خیر انہوں نے ہمیں مشکوک اور ہم نے بھی انہیں رحم کی نظروں

سے گھورا دل میں دعا بھی کی اے اللہ اس دیوی کے سہارے ان کی مراد برلا دے اس کے بعد ایک اور دیوی سے ملاقات ہوئی یہ رحم کی دیوی تھیں ہمارا خیال ہے لارڈ صاحب اور سوداگروں کی دیوی کے بعد رحم کی دیوی ہی ہونا چاہئے تھی اسے بھی دیکھا اس وقت تو خود اس کی حالت قابلِ رحم تھی پتھر کی بنی کھڑی تھی سانپوں کے مندر کی سیر ختم ہوئی سیڑھیاں اتر کر نیچے پہنچے تو ننگی ہاتھ میں ناریل پکڑے کھڑی تھی ہمیں پیش کیا گیا ہم نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا ''کافی پلانے کی بات ہوئی تھی''

''وہ بھی ہو جائے گی''۔

''تمہارے پاس اتنے پیسے ہیں؟''

''تم سے ادھار لے لوں گی'' وہ مسکرائی

''نا بابا سیاح اور حسینہ کو ادھار نہیں دیتے''

''کیوں؟''

''سیاح سفر کر جائے گا اور حسینہ بے وفائی؟''

''اچھا فلسفہ ہے''

''اپنی رقم بچانے کے لئے کوئی نہ کوئی فلسفہ ضروری ہوتا ہے اتنے میں ریمنڈ نے ہانک لگائی اگلی منزل کے لئے یہ ہمارا ننگی سے بات کرنا بالکل پسند نہیں کرتا ہم ادھر توجہ کریں تو یہ سب کی توجہ اس طرف کر دیتا ہے۔

گاڑی میں سوار ہوئے تو اب منزل بینا تنگ کا جنگل تھا۔

ریمنڈ نے جوں ہی جنگل کا رخ کیا آسمان بادلوں سے ڈھک گیا اور ہلکی پھوار پڑنے لگی۔

ہم سب خاموش ہو گئے بارش آہستہ آہستہ گر رہی تھی۔ کوئی ہمارے کان میں کہہ رہا تھا۔

کتنی آہستہ پڑ رہی ہے پھوار
تیرے لہجے کی نرمیاں جیسے

گاڑی ایک پگڈنڈی سے پہاڑ چڑھنے لگی۔ دونوں طرف سر اٹھائے درخت تھے۔ ان کے سبز پتے، سیاہ تنے، بارش میں نہا رہے تھے۔ ہم نے کھڑکی کا شیشہ سرکا کر دیکھا تو جنگلوں میں بسنے والی مہک ہم سے آ چمٹی۔ یہ درختوں سے نکلنے والی زمین سے پھوٹنے والی تیز خوشگوار خوشبو تھی۔ ننگی

نے ایک گہرا سانس لیا اور اپنے دونوں پھیپھڑے اس تازگی سے بھر لئے ہلکی پھوار۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اور خوشبو کی لہریں۔ ذرا دیر میں زمین آسمان بن گئی جنت کا روپ دھار گئی۔ ہم سب خاموشی سے ہوا کی آوازیں سننے لگے ہلکی ہلکی سیٹیاں کانوں کو بھلی لگ رہی تھیں۔

ایک جگہ گاڑی رک گئی۔ ناگوار بو نے استقبال کیا۔ ہم سب اتر گئے ایک کیبن پر مشتمل ربڑ کا ایک کارخانہ، بدبو اسی جگہ سے آ رہی تھی ربڑ کے دودھ کو پانی کی بھٹی میں بڑے بڑے ٹکڑوں میں ڈھالا جا رہا تھا ریمنڈ نے اس سے ملایا اور تفصیل ہمیں بتانے لگا۔

ربڑ کا پودا برازیل میں پایا جاتا تھا۔ جہاں سے اس پودے کو باہر لے جانے پر سزائے موت تھی گویا یہ ماضی کی ہیروئین ہوئی لیکن ایک جیالا جان پر کھیل کر یہ پودا ملائشیا لے آیا اور اب دنیا کا 35 فیصد ربڑ اس ملک میں پیدا ہوتا ہے یہ پودا چھ سال تک باقاعدگی سے دودھ دیتے ہیں۔ اس کا دودھ نکالنے کے لئے درخت کے تنے میں ایک شگاف ڈال کر اس کے نیچے مٹی کا برتن باندھ دیتے ہیں۔ دودھ اس نشان سے رس رس کر باہر نکلتا اور برتن میں جمع ہو جاتا ہے جسے ربڑ بنانے کے کام میں لایا جاتا ہے لیکن جب سے ربڑ کا متبادل ایجاد ہوا ہے، ملائشیا کی تجارت پر برا اثر پڑا ہے تیس سال بعد جب یہ پودا دودھ دینے کے قابل نہیں ہوتا تو اسے کاٹ کر فرنیچر بنا لیتے ہیں، پہلے ربڑ سے گدا بنایا جاتا ہے بعد کو اس کی لکڑی سے بیڈ۔ یوں زمین پر اور کٹنے کے بعد بھی یہ انسان کی راحت کا سامان کرتا ہے۔ دودھیا رنگ کے ربڑ کو ہم نے ہاتھ لگا کر دیکھا اور پھر گھنٹوں اس کی بو اپنے ساتھ محسوس کی۔

ریمنڈ کی معلومات اور بارش سے بھیگ کر دوبارہ گاڑی میں بیٹھے تو جنگل پھر ہمارے چاروں طرف چھا گیا والٹر نے کئی درختوں کے بارے میں پوچھا سب کے سب ربڑ کے نکلے صرف ایک درخت کے پاس گاڑی روک کر ریمنڈ نے بتایا ''یہ کوکو کا درخت ہے۔ جس سے چاکلیٹ بنتے ہیں'' اس پر سب گاڑی سے اتر گئے سوائے ہمارے۔ ہم ڈائٹنگ کر رہے تھے اور چاکلیٹ سے پرہیز تھا۔ ذرا دیر بعد روانہ ہوئے تو گھنے جنگل میں جا پہنچے۔ ایک سایہ دار جگہ میں رکے تو بارش تھم گئی یہاں لونگ کے پودے تھے۔ ہم نے اپنے ملک میں ایک مقبول نغمہ ''میرا لونگ گواچا'' اتنی بار سنا تھا کہ اب گھبرا کر لونگ کے پودوں کی طرف بڑھے یہ پودا زنجبار سے لایا گیا تھا پہلے ہر

رنگ کی ہوتی ہے۔سوکھ کر سیاہ ہو جاتی ہے ہم نے ہری دیکھی پھر سیاہ۔ ریمنڈ نے بتایا تین کلو ہری۔ سے ایک کلو لونگ بنتی ہے۔اس بیان سے دکاندار کو فائدہ ہوا ہم نے مہنگے داموں لونگ خریدی یہ سوچ کر کہ ایک پاؤ نہیں دراصل تین پاؤ خرید رہے ہیں۔اسی دکان پر جائفل اور جاوتری کے بڑے بڑے تھیلے بھی بک رہے تھے۔ہم نے پوچھا ”کیا ان جنگلوں میں جائفل اور جاوتری کے درخت بھی ہیں“

ریمنڈ ہنسنے لگا اور بولا۔ ”میں تو دیر سے یہ پیڑ اور ان کی تاریخ بتا رہا ہوں“

”اچھا اچھا۔ ہمارا توجہ ادھر نہیں تھی“ ہم نے ہنس کر کہا۔اب اس ظالم کو کیا بتاتے جائفل اور جاوتری کی انگریزی سے ہم نابلد ہیں خیر یہ بات مذاق میں ٹل گئی۔ وہاں ہماری معلومات میں اضافہ یہ ہوا کہ جائفل اور جاوتری ایک ہی درخت کی پیداوار ہیں جائفل ایک بڑی سی چھالی ہوتی ہے۔اس پر سرخ رنگ کا خول ہوتا ہے۔اس پر چھال لپٹی ہوتی ہے۔

یہ چھال جاوتری ہے ثبوت کے طور پر ریمنڈ نے زمین پر گرے کئی جائفل اٹھا کر دیئے ان پر زرد رنگ کی چھال لپٹی تھی یعنی جائفل اور جاوتری ایک ساتھ تھے۔اس کی خوشبو سونگھ کر اپنے ملک کی دعوتوں کا کھانا یاد آ گیا جو جائفل جاوتری کے بغیر پکتا نہیں اس یاد نے بھوک چمکا دی ہم نے دکان میں جھانکا وہاں کولڈ رنک اور بسکٹ کے ڈھیر تھے ہم نے ایک بسکٹ پسند کیا دکاندار نے جائفل جاوتری کا پیکٹ پیش کیا ہم نے لاکھ منع کیا بھلا ہم کہاں باورچی ہیں جو ڈھیروں جائفل جاوتری خرید لیں لیکن اس کا اصرار اب مجبور ہو کر دونوں کا ایک ایک تھیلا خریدا گھر آ کر حساب کیا تو اپنے گھر کے نیچے اسٹور والا جائفل جاوتری سستی فروخت کرتا ہے۔

بسکٹ خاصے تھے اس لئے والٹر' نکی اور گائیڈ کو پیش کیے۔اس کے بدلے ہمیں ملائشیا کی لیچی اور ایک کیلا بارٹر میں ملا اور نکی کی مسکراہٹ۔اس جنگل میں جو مل جائے غنیمت۔ سڑک کے کنارے ایک پیڑ کی جڑ میں بیٹھ کر ناریل کا پانی نوش کیا نکی نے اپنے سفر کی پہلی تصویر کھینچی والٹر اور للی ہاتھ میں ناریل لے کر ذرا فاصلے پر چلے گئے۔شاید نکی اور ہمیں تخلیہ دینے کے لیے لیکن وہ لیچیاں توڑ توڑ کر کھاتی رہی اور ہم لوگ جائفل جاوتری کی خریداری

پر خرچ کیئے ہوئے ڈالروں کو پاکستانی روپوں میں ضرب دے کر حساب کتاب کرتے رہے ہمیں احساس ہی نہیں ہوا چند منٹ کے فاصلے پر آبشاروں جنگلوں اور کہساروں سے زیادہ دلفریب ایک بستی بیٹھی ہے سچ ہے جہاں جہاں دولت آئی وہاں دلکشی حسن اپنی قدر و منزلت کھو بیٹھا۔

والٹر لوٹ آیا جنگل گزر رہا تھا۔اس کی یاد ہمارے ساتھ تھی۔ ایک خوشبو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ کوکو' لونگ' جائفل جاوتری اور ربڑ کی خوشبو مل کر ایک نئی دنیا ایک حسین دنیا بنا رہی تھی اور پھر یہ سب دائیں بائیں سے ہٹ کر گاڑی کے پچھلے شیشے سے نظر آنے لگا ہم نے پلٹ کر دیکھا سب پیچھے دیکھ رہے تھے جنگل لمحہ لمحہ دور ہو رہا تھا اور پھر انسانوں کے خوبصورت مکان ہمارے گرد آ گئے۔

سفید کبوتر سفید ہاتھ ہمارے ساتھ آ گئے

پہاڑ دیکھا' جنگل دیکھا اور اب روانگی تھی دیہات کو ہمارے لئے دیہات میں کیا کشش ہوتی لیکن سیاح کو سب کچھ دیکھنا ہوتا ہے۔ کچھ اپنے لئے کچھ گائیڈ کو خوش کرنے کے لئے ملائشیا میں دیہات کو کیمپونگ کہتے ہیں۔ دیہاتی مکان لکڑی کے بناتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو لکڑی کا مفت یا سستا ہونا ہے اس کے علاوہ یہ مکانات زمین کے اوپر اٹھا کر بنائے جاتے ہیں لکڑی کے مضبوط ستون پر کمرہ بنایا جاتا ہے اس طرح مکان بنانے کے بہت سے فوائد ہیں۔ ایک تو جنگلی کیڑے مکوڑے گھر میں داخل نہیں ہوتے یہ الگ بات ہے کہ ہوا سے اڑ کر گھر میں چلے جاتے ہیں۔ دوسرے برسات کے پانی سے گھر محفوظ رہتے ہیں اس پانی سے جو زمین پر بہتا ہے کھڑکیوں کے راستے جو اندر جاتا ہے اس پر کسی کا بس نہیں اور بھی کئی فائدے بتائے گئے لیکن ہمیں اس سے دلچسپی نہ تھی۔ دیہاتی مکان لائن سے دور تک بنے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے نمائش کے لئے بنائے گئے ہیں۔ ان میں رہنے والے مزدور تھے۔ ان کی غربت کھڑکیوں دروازے اور بوسیدہ دیواروں سے محسوس ہو رہی تھی۔

نکی نے شاید اس قسم کے مکانات افریقہ میں دیکھے تھے اس لئے گائیڈ سے زیادہ وہ بول رہی تھی ہم چپ چاپ سن رہے تھے اور سوچ رہے تھے کوئی چھوٹا سا ہوٹل نظر آئے تو ان کی سے کافی پی کر ان کی توانائی ضائع کی جائے لیکن دیر تک ایسا نہ ہوا۔ ہوا تو یہ نکی کی معلومات سے گائیڈ بے حد

متاثر ہوا۔ اس حد تک کہ ایک بار ظالم نے پلٹ کر ہاتھ بھی ملا لیا۔ یہ سب ہمیں پسند نہ آیا۔

سورج نکل آیا تھا اور گرمی رنگ دکھانے لگی تھی اس وقت گاڑی ایک اسٹور کے سامنے رک گئی یہ ایک باتک کا کارخانہ ہے۔ گائیڈ نے بتایا ہم نے باتک کا مطلب پوچھنا چاہا تو معلوم ہوا یہ بوتیک ہے وہی کپڑا جس کی دکان کھولنا ہمارے ملک میں رئیس خاندان کی خواتین کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے۔

''اچھا تو باتک یہاں بنتا ہے'' ہم نے حیرت سے پوچھا۔

باتک انڈونیشیا میں چھپائی کے کپڑے کو کہتے ہیں وہی اس کا اصل گھر ہے یہاں تو نقل ہوتی ہے ہم نقل دیکھنے دروازہ کھول کر داخل ہوئے تو اندر ایک دنیا آباد تھی سامنے کاؤنٹر تھا جو استقبالیہ تھا ایک مسکراتی خاتون ہمارے سامنے آ گئیں پہلے ہاتھ ملانے کی رسم ہوئی یہ فریقین کا تعارف تھا اس کے بعد ہم سے کہا گیا کہ کارخانے کی سیر کر لیں۔ یہاں دور تک خواتین سر جھکائے اپنے کام میں مصروف نظر آئیں سب سے پہلے چند خواتین کپڑے کو میز نما اسٹینڈ پر رکھے اس پر پینسل سے ڈیزائن بنا رہی تھیں غالباً مور کے پروں کا بڑا سا نمونہ اگلے مرحلے میں اس پر ایک رنگ لگایا جا رہا تھا۔ اس کے بعد دوسرا یہ کپڑا آگے بڑھتا جا رہا تھا یہاں تک آخر میں جا کر سوکھنے کے لئے لٹکا دیا جاتا تھا دوسری طرف بڑے بڑے لکڑی کے چھاپوں سے کھڑے پر نمونے بنائے جا رہے تھے یہ سب کچھ اس تیزی سے ہو رہا تھا جیسے مشینیں کام کر رہی ہوں۔ نازک اور سک ہاتھ کپڑے پر رنگوں کے نمونے بنا رہے تھے یہ ایک نئی دنیا بسا رہے تھے ہم حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ ایک طرف سے دوسری طرف کیا' کیا رنگ کیا' کیا پھول کھلا رہے تھے ہمارے پیچھے گائیڈ کھڑا تھا۔

''ان سے کوئی سوال پوچھیں'' گائیڈ نے کہا۔

''کیا یہ بولتی بھی ہیں'' ہم نے حیرت سے پوچھا اس بار ہمارے نزدیک کام کرنے والی لڑکی ہنسی۔ خدا کا شکر ہے ہمیں ہنسی کی آواز سنائی دی ورنہ ہم سمجھے تھے یہ سب نازک سی مشینیں کام کر رہی ہیں' گائیڈ ہمیں سمجھانے لگا یہ سب بہت تیز کام کرتی ہیں اگر بولنے لگیں تو کام کا حرج ہوتا ہے۔

''پھر تم ہم سے سوال کرنے کے لئے کیوں کہہ رہے ہو'' سیاح سوال پوچھ سکتے ہیں۔

''اگر سارے دن سیاح سوال پوچھتے رہیں اور یہ جواب دیتی رہیں تو کام کا کیا ہوگا؟''

کام ہوتا رہتا ہے گائیڈ آگے بڑھ گیا ذرا دور ایک لڑکی بڑی توجہ سے کپڑے پر نقش و نگار بنا رہی تھی ہم اس کے پاس کھڑے ہو گئے اس کے کام میں کوئی فرق نہیں پڑا چند لمحوں بعد اس نے سر اٹھا کر ہماری طرف دیکھا اور مسکرا کر پھر کام میں مصروف ہو گئی۔

''یہ آپ کیا بنا رہی ہیں؟'' ہم نے سوال کیا'' آسمان پر اڑتے پرندے'' اس نے سر اٹھائے بغیر جواب دیا اور تیزی سے پنسل چلاتی رہی چند لمحوں بعد اس نے برش سے رنگ بھرنا شروع کیا

''کیا یہ سارا کام آپ ہی کرتی ہیں۔''

''ہاں یہ خاص نمونہ ہے اسے میں ہی مکمل کرتی ہوں۔''

''بہت اچھا ہے''

''آپ کو پسند آیا''

''بہت زیادہ''

''آپ اسے خرید سکتے ہیں''

''کیا قیمت ہے؟''

''یہ کاؤنٹر سے معلوم ہوگا؟''

''ہم اسے ضرور خریدیں گے ہم نے بادلوں میں پرندوں کو اڑتے دیکھا ہے اور اس کے ساتھ کبوتروں کو''

''سفید کبوتر؟' اس نے ایک لمحہ کام روک کر ہماری طرف دیکھا۔

ہماری مراد تمہارے دو سفید ہاتھوں سے ہے جو ان لمحہ ابھرتے پرندوں کے درمیان دو کبوتر محسوس ہو رہے ہیں۔ اس نے ایک لمحہ کو دونوں ہاتھوں کو دیکھا پھر مسکرا کر سر جھکا دیا جیسے کہہ رہی ہو اجنبی سیاح میری طرح تم بھی بناتے ہو ذرا دیر میں کئی گز کپڑے پر رنگوں کے دھبے نمایاں ہو گئے ایک نئی دنیا سج گئی اس نے کپڑا میز سے اتار دیا اور مسکرانے لگی ''ہم یہ کپڑا خریدیں گے تو اس نمونے کے ساتھ تمہارے ہاتھ بھی ہمارے ساتھ رہیں گے'' ایک ادھیڑ عمر کی عورت نے آ کر وہ کپڑا اٹھایا اور دوسری طرف چل پڑی ہم اس کے پیچھے پیچھے گئے کاؤنٹر پر جا کر ہم نے اس کپڑے کی قیمت دریافت کی۔

''میں آپ کو اس سے اچھے ڈیزائن دکھاتی ہوں'' سیلز گرل نے کہا۔

''ہمیں یہی کپڑا چاہئے'' ہم نے کہا

''یہ کوئی بہت اچھا ڈیزائن نہیں ہے''

''ہمیں یہی پسند ہے''

''ٹھیک ہے آپ بیس ڈالر ادا کر دیں''

''بیس ڈالر بہت زیادہ ہیں'' ہمارے برابر کھڑی نگی بولی۔ ہم نے اس کی بات نہیں سنی ہم کپڑا نہیں خرید رہے ہیں آسمان پرندے اور بادل خرید رہے تھے بیس ڈالر میں یہ سب بہت سستے تھے۔ پھر دو سفید ہاتھ ہمیں مفت مل رہے تھے ہم نے ادائیگی کی اور پلٹ کر دیکھا تو وہ لڑکی نظر نہیں آئی چند قدم آگے بڑھ کر دیکھا تو بھی نہ دیکھ سکے اس وقت والٹر نے آواز دی'' آئیے آپ کو تنکوں کی بنی گڑیاں دکھائیں''۔

گڑیوں کے کاؤنٹر پر ڈھیر لگے تھے ہم اس میں گم ہو گئے آنکھیں کھولے مسکراتی گڑیاں ہر ایک کی توجہ اپنی طرف کر رہی تھیں۔ ایک گڑیوں کا سیٹ ہم نے پسند کیا قیمت ہماری استعداد کے مطابق تھی اس کی ادائیگی کاؤنٹر پر کر رہے تھے کہ ریمنڈ نے واپسی کا نعرہ لگایا والٹر اور مسز والٹر تیار کھڑے تھے جھٹ دروازہ کھول کر باہر نکل گئے۔

ہم نے دیکھا سفید ہاتھوں والی لڑکی اپنی میز پر کھڑی تھی اس بار ہماری طرف سے اس کی پشت تھی جی چاہا اسے جا کر بتا دیں کہ ہم نے اس کے ہاتھوں کا شاہکار اپنا بنا لیا ہے ریمنڈ نے دروازے کی طرف اشارہ کیا باہر ایک دوسری دنیا ہماری منتظر تھی ہم نے اس طرف دوبارہ دیکھا وہ پشت کئے کھڑی تھی اور ہم دروازہ کھول کر باہر نکل آئے جہاں آسمان اور دن دونوں روشن تھے اور ہمارے ہاتھوں میں رنگوں سے سجا ایک کپڑا گاڑی چل پڑی اور باتک کا وہ کارخانہ ہمارے ماضی میں اترنے لگا پھر کچھ بھی نہ رہا صرف ایک لفظ سامنے آ کھڑا ہوا اور وہ لفظ تھا'' ماضی''۔

''رات کا کیا پروگرام ہے؟ ریمنڈ نے سوال کیا۔'' کھانا کھا کر سو جائیں گے'' ہم نے جواب دیا۔ لیکن اس ظالم نے گردن گھما کر نگی کی طرف دیکھا۔ اس پر ہمیں ذرا سا غصہ آیا۔ آج کی سیر کے معاوضے میں یہ نگی سے رات کا پروگرام بنا رہا ہے یہ انتہائی گھٹیا بات تھی۔ نگی نے پچھلی سیٹ سے

اچھل کر اپنا چہرہ ریمنڈ کے کاندھے پر رکھ دیا اور کہا۔ ''تم بتاؤ؟'' اس منظر کو دیکھ کر ہم سمجھے اب یہ پینانگ لٹا دے گا۔ لیکن وہ پہلے گائیڈ تھا اور اخیر میں بھی گائیڈ تھا۔ جھٹ حساب کتاب کرنے لگا۔ ایک ٹور پہاڑ اور مندروں کی سیر فی کس پچیس اور پیانگ بائی نائٹ کی قیمت صرف چالیس ڈالر جس سے ازراہ عنایت چینی ڈنر بھی شامل تھا اور کم سے کم چار آدمیوں کی شرط۔ جب ہم سنگاپور سے چلے تھے سب کو معلوم تھا ہمارے ساتھ مسٹر اور مسز والٹر ہیں۔ اس طرح تین کا ہندسہ بنتا ہے۔ اب نہ جانے ظالموں نے نکی کو پہلے ہی شمار کر لیا تھا۔ یا ریمنڈ کی نیت خراب ہوگئی وہ نکی کے بغیر کہیں جانے کو تیار نہ تھا۔ نکی کو صرف پچیس اور چالیس ڈالر کی آواز آئی۔ اس کی چہرہ بجھ گیا۔ شاید مرگئی۔ اس لئے کہ بے جان ہو کر پچھلی سیٹ پر الٹ گئی۔ غریب سیاح تھی۔ تیرے میرے آسرے پر آگے بڑھتی اور شوق پورا کرتی تھی۔ اتنے بہت سے ڈالر کی آواز سن کر جرمن جوڑا بھی ساکت ہوگیا۔ شاید ساری رقم دوسرے ملکوں کو قرض دینے کے لئے رکھی ہے۔ اپنے اوپر کچھ خرچ نہیں کرتے۔ ہم اکیلے رہ گئے اس لئے ریمنڈ سمجھانے لگے۔ دیکھو میاں ہم نے بڑے بڑے پہاڑ دیکھے ہیں۔ زندگی بھر ہر شخص ہمارے سامنے پہاڑ کھڑا کرتا رہا۔ اس کے باوجود ہم نے ہر بلندی طے کی ہے۔ مندر بھی دیکھے ہیں بلکہ پوجا بھی کی ہے۔ اپنی ہر خواہش کے سامنے جھکے ہیں۔ اس لئے پہاڑ ہمارے لئے بیکار ہے۔ لو پچیس ڈالر بچا لئے۔ جہاں تک رات کو پیانگ دیکھنے کا تعلق ہے وہ ہم شام ہوتے ہی دیکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ اپنی کھڑکی سے ہوائی منظر بھی اکثر دیکھا ہے۔ اور جہاں تک کھانے کا تعلق ہے۔ پردیس میں ذرا احتیاط کرتے ہیں کاکروچ' سانپ' مینڈک' چوہے' معدے سے دور رہیں تو بہتر ہے۔ پھر خیال آیا آج اکتیس دسمبر ہے۔ اس لئے ذرا زور سے بولے ''رات کا ڈنر ہوٹل راسا سانگ میں ہے۔ وہیں نئے سال کا آغاز کریں گے'' پینسٹھ ڈالر بچا لئے۔ گاڑی میں ایک گہری خاموشی تھی۔

ہماری آواز ڈوبی تو سامنے ہوٹل نظر آیا۔ ریمنڈ نے پلک جھپکنے میں دروازے کے سامنے جا کر گاڑی روک دی۔ اور حکم دیا اتر کر دکھاؤ۔ اور اطلاع دی کل ٹرین میں سوار کرانے صبح 6 بجے آئے گا۔ اس نے مردوں سے ہاتھ ملا کر چھوڑ دیا۔ مسز والٹر کے بعد نکی سے ہاتھ ملایا تو کسی طرح چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوا۔ شاید کئی برس گزر گئے۔ یا صدیاں۔ ہمیں ایسا محسوس ہوا۔ آخر اپنی جیب

سے نکال کر اپنے نام پتے اور فون نمبر کا کارڈ تھمایا۔ اور اس بے وفا نے بھی یوں خوشی کا احساس کیا جیسے اسے ملائشیا کا بادشاہ بنا دیا ہو۔ خیر ہماری بلا سے ہم کون سے تاج و تخت کے خواہش مند تھے ''پھر ملیں گے'' کہہ کر گاڑی میں بیٹھ کر ریمنڈ چلا گیا۔ یہ بھی نکی سے ہی کہا ہوگا۔ ہم سے مل کر وہ کیا کرتا؟

ہمیں امید نہ تھی مسٹر اور مسز والٹر سے کل صبح چھ بجے سے پہلے ملاقات ممکن نہ تھی۔ اور نکی سے بھی ہماری یہ آخری ملاقات تھی۔ اس لئے شاید جذباتی ہو جاتے لیکن اس کی چند لمحوں پہلے ریمنڈ سے الوداعیہ کر کے ''پھر ملیں گے'' کہہ کر کاؤنٹر سے کمرے کی چابی لینے چلے گئے۔ شیلی کی دکان بند تھی وہ ابھی نہیں پہنچی تھی انتظار گاہ کے صوفے پر بھی عبدالرزاق موجود نہیں تھا اس لئے میدان بالکل صاف تھا۔ ہم لفٹ میں سوار ہوئے کمرے میں پہنچے۔

جوتے اتار کر بستر پر دراز ہوگئے دوپہر کا ایک بجا تھا اور ڈاکٹر زین العالم کے آنے میں کچھ دیر تھی یہ سوچ کر ذرا دیر لیٹے رہے۔ پھر منہ ہاتھ دھو کر جوتے پہنے تو فون کی گھنٹی بجی ڈاکٹر زین العالم آ چکے تھے۔ ہم نے گھڑی دیکھی ٹھیک ڈیڑھ بجا تھا۔

''آپ پائنٹ ہوتے تو اچھا تھا'' ہم نے کہا۔

''پائنٹ ان دی ایئر جاتا ہے۔ میں آن ایئر جاتا ہوں'' زین العالم نے کہا۔ وہ پرانے براڈ کاسٹر ہیں اور حاضر جواب بھی۔ ہم ان کے ساتھ پینانگ کی ایک ہر ستھ منزلہ سپر مارکیٹ پہنچے اس کا نام کمٹا ہے۔ ملیشیا کے قائداعظم تنکو عبدالرحمان کے نام پر رکھا گیا ہے۔ تنکو عبدالرحمان آزادی کے سپہ سالار تھے۔ ان دنوں حیات تھے پینانگ میں رہتے تھے۔ اور تبلیغ کا کام کرتے تھے۔ اپنے زین العالم کے دوست تھے۔ ہم ان سے ملنا چاہتے تھے لیکن وہ جزیرے سے باہر گئے ہوئے تھے۔ ملاقات کی سعادت سے محروم رہے۔

زین العالم ہمیں پانچویں منزل پر لے گئے۔ یہاں لاتعداد ہوٹل تھے دائیں طرف مسلم اور بائیں طرف عیسائی۔ کمٹا کی سیر اور خرید و فروخت سے پہلے کا کھانے کا پروگرام تھا۔

''کیا چلے گا؟'' زین العالم نے پوچھا۔

''ہمیں یہاں کے چلنے کا علم نہیں'' ہم نے کہا۔

''ہم جس جگہ بیٹھے ہیں...... اسے پاکستان سمجھیں سارے کھانے وہی ہیں'' وہ بولے اسی لمحے ایک مدراسی بیرا آ گیا۔ اس نے جو کھانوں کی فہرست سنوائی تو کراچی کا برنس روڈ یاد آ گیا۔

''سب کی ایک ایک پلیٹ لے آؤ'' زین العالم نے کہا۔ جب تک ہم احتجاج کرتے بیرا دوسری میز پر تھا۔

''عباسی تمہیں یہاں کی خاص چیز کھلاتے ہیں'' زین العالم اٹھ کر ایک دکان کی طرف بڑھے۔ اور کھانے سے پہلے بڑے بڑے پیالوں میں اوپر تک پہاڑ سے بنے آ گئے۔

''یہ کیا ہے؟'' ہم نے پوچھا۔

''یہ اے بی سی کہلاتی ہے۔ ایریا تو کمپور''۔

ہم نے ایک چمچہ منہ میں رکھا۔ یہ کٹی ہوئی برف تھی اس پر ابلے ہوئے بین۔ بالائی۔ رنگین گاڑھا شربت اور دودھ۔

''یہ مکس آئس''

''ہمارے ہاں اسے چسنا یا گولا گنڈا کہتے ہیں'' ہم نے بتایا۔

''کیا۔ کیا؟'' زین العالم نے پوچھا۔ اور ہم سمجھانے لگے اسی لمحہ ہری مرچوں والا قیمہ سرخ مصالحے میں مرغی' بادام کا قورمہ بھاپ اڑاتی بریانی' خوشبودار کوفتے' پیلے رنگ کی مسور کی دال' سیخ کباب ہرے دھنیے کی چٹنی میز پر رکھے جانے لگیں۔ اور ساتھ ہی گرم گرم چپاتیاں ہم حیران ہونے لگے تب زین العالم نے قہقہہ لگایا......

''جوان آدمی ہو ٹوٹ پڑو اور چٹ کر جاؤ۔''

''اتنا بہت سا''

''شروع ہو جاؤ ایک لفظ بھی بولے تو یہ سب ڈبل کر دوں گا'' زین العالم نے دھمکی دی۔

ہم نے گرم چپاتی سے قیمے کا نوالہ لیا۔ مرچ ذرا سی تیز تھی لیکن ذائقہ اچھا تھا۔ دوسرا نوالہ قورمے کا لیا۔ مرچ اس میں چٹختی ہوئی تھی۔ تب زین العالم نے مشورہ دیا ایک چمچا اے بی سی کا ایک نوالہ کھانے کا۔ ہم ذرا سا جھجکے۔

پھر دلیں کے ساتھ بھیں بھرلیا۔ اور مزہ آ گیا۔ گرم چپاتی۔ گرم سالن اور ٹھنڈا برف کا لطف لیا۔ اب مرچ کا زور ٹوٹا۔ گرم چپاتیاں آتی رہیں اور ہمارا لقمہ بنتی رہیں۔ جانے کب تک کھاتے رہے یہاں تک کہ پانی کی جگہ نہ رہی بس صرف دانتوں میں خلال کر سکے۔ اس کھانے کا اور اے بی سی برف کا ذائقہ دنوں یاد رہا۔

کھانے کے بعد کمٹا کی سیر شروع ہوئی۔ اس میں دنیا بھر کی چیزیں فروخت ہوتی تھیں۔ امریکہ کی مشہور باربی ڈول چینا ٹنگ میں بنتی ہیں۔ ایک فلور اس کا بھی تھا۔ لیکن قیمت وہی امریکہ والی اس قیمت میں خریدنا تھا تو پھر کراچی کا فنکشن کیا برا ہے؟ پھر اگر ہر شخص ادھر ادھر کے ملکوں سے سامانِ بہار خرید لے تو اپنے لوگ جو بازار بازار اور سپر اسٹور کھلے بیٹھے ہیں۔ بھوک سے تڑپ اٹھیں گے۔ کچھ خیال ان کا بھی ہونا چاہئے۔

ایک منزل پر مشین والا باتک کپڑا فروخت ہوتا تھا۔ زین العالم ایک دکان پر لے گئے یہ خواتین کی تھی۔ ایک صاحبزادی نے بڑھ کر استقبال کیا۔ اور باتک کے تھان دکھانے لگی۔ ہمارے ناں ناں کرنے پر بھی ڈھیر کر دیا۔ ہم پریشان ہوتے رہے بعد کو انہیں تہہ کرنے میں کتنی پریشانی ہوگی کپڑا اچھا تھا۔ قیمت بھی اچھی تھی۔ ہم بنکاک سے آئے تھے مول تول کے ماہر تھے۔ ذرا دیر میں صاحبزادی کا چہرہ اتر سا گیا نہ جانے اسے اپنا کپڑا اس حد تک حقیر کیوں نظر آنے لگا ایک تھان اس نے کاؤنٹر سے زمین پر گرا دیا حالانکہ اسے ایک سیلز گرل نے اٹھا لیا۔ لیکن ہم یہی سمجھتے ہیں کہ صاحبزادی نے جان بوجھ کر گرایا ہے۔

''آپ کی جاننے والی ہیں۔ کچھ رعایت کرائیں'' ہم نے زین العالم سے مدد مانگی۔

''یہ ہماری نہیں تمہاری جاننے والی ہیں'' وہ بولے ہم چپ رہے کیا خبر جاننے والی ہی ہوں تو یوں کھلے بندوں اقرار نہ ہو تو اچھا ہے۔

مول تول کے بعد کپڑا خرید لیا گیا دکان سے باہر نکل کر ہم نے زین العالم سے پوچھا ''یہ صاحبزادی ہماری جاننے والی۔ کب سے ہوئیں''۔

''وہ اسمارٹ اور خوبصورت لڑکی تھی۔ ہماری اس سے عمر دگنی بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس لئے ہماری جاننے والی کیوں ہو۔ تم ہم سے چھوٹے ہو اصولاً اسے تمہارا جاننے والا ہونا

چاہئے۔ زین العالم نے قہقہہ لگایا اس وقت تک لفٹ کئی منزلیں اتر چکی تھی۔ وہ منزل اور ہماری جاننے والی لڑکی ماضی ہوگئی تھی اور ہر سمجھدار آدمی ماضی میں رہنے سے زیادہ مستقبل کی طرف سفر کرنا پسند کرتا ہے۔

لفٹ رکی۔ باہر نکلے تو یہ ایک نئی دنیا تھی۔ یہاں بچوں کے کھلونے تھے ہم زین العالم کے ساتھ ادھر ادھر چکر لگاتے رہے۔ انسان کا بچپن کھلونوں کی شکل میں محفوظ تھا یہاں بچے تھے۔ عورتیں تھیں اور بڑی عمر کے مرد۔ اپنے اندر ایک شریر بچے کو چھپائے۔ ایک شوکیس سے دوسرے شوکیس تک جارہے تھے پھر ایک اور منزل۔ رسیلے پھلوں تازہ سبزیوں اور لذت بخش بسکٹوں سے بھرا۔ کچھ دیر یہاں رکے۔ چلتے چلتے تھک گئے۔ دیکھتے دیکھتے آنکھیں تصویریں بناتی رہیں۔ لیکن خدا کی نعمتیں اور انسان کی محنت ختم نہ ہوئی۔ تب زین العالم کے ساتھ ہوٹل کی طرف سفر کا آغاز ہوا۔

آج کی شام اس سال کی آخری شام ہے۔ یہ رات ایک نئے چمکدار دن اور امیدوں سے بھرے سال کا آغاز کرے گی۔ زین العالم ہمیں شام کو لینے آئیں گے۔ ہم کمرے میں آ کر لیٹ گئے۔

نکی ہمارے حرم میں شامل ہوگئی

دنیا میں ہمیں جو چیزیں پسند ہیں۔ اس میں ایک سونا ہے۔ وہ نہیں جو خواتین کے استعمال میں آتا ہے۔ بلکہ وہ جو بستر پر لیٹ کر حاصل ہوتا ہے۔ لذیذ اور خوش ذائقہ کھانے کے بعد۔ ایک مصروف دن گزارنے کی خوشی میں یا پھر لمبے سفر سے تھک کر سونے میں جو مزہ ہے اس سے صرف ہم واقف ہیں۔ اس کے بڑے فائدے ہیں۔ مثلاً ناپسندیدہ لوگوں سے ملاقات، رانگ کال اور ادھر ادھر کی ہوائی اڑانے سے محفوظ اور اپنی پسند کے خواب اس میں ہمت سے زیادہ بہادری کے مظاہرے۔ بقول اجمیری ؎

ہم نے ان کے لب و رخسار کو چھو کر دیکھا

اور بقول ہمارے ؎

حوصلے خواب میں اوقات بڑھا دیتے ہیں

ہم پینانگ کے ساحل پر اڑتے بادلوں میں دھنک پکڑ رہے تھے کہ کونٹی نینٹل کے کمرے میں واپس آگئے فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ اس وقت یہ اچھی نہیں لگی۔ ریسیور اٹھایا تو فون کرنے والا مایوس ہو کر سلسلہ توڑ چکا تھا۔ نہ جانے غریب کب سے ہمیں خواب سے حقیقت کی طرف بلا رہا تھا۔ اور جب ہم لوٹے تو وہ جا چکا تھا۔ چند لمحوں میں احساس ہوا شاید ہمیں بخار ہے یا طبیعت بھاری

ہے۔ یا زیادہ سو لئے۔ اس وقت فون کی گھنٹی بجی دوسری طرف زین العالم تھے۔ نئے سال کی دعوت میں بلا رہے تھے۔ اس وقت کمرہ چھوڑ کر جانے کو دل نہ چاہا۔ ہم نے طبیعت کی خرابی کا بہانہ کیا۔ وہ افسوس کرنے لگے اور آرام کا مشورہ دیا۔ فون رکھ کر ہم دوبارہ آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے۔ باہر چینا ٹنگ کی گلی کوچے میں رات اتر آئی تھی۔ وہ رات جس کا اختتام ایک نئے چمکدار دن پر ہوگا۔ جو نئے سال کی پہلی صبح ہوگی۔ زندگی کا ایک سال اور گزر گیا۔ خدا نے اس سال کتنی راحتیں دیں کتنی مسرتیں بخشیں۔ انعامات کے ڈھیر لگا دیئے جو نہیں مانگا وہ بھی دے دیا۔ گھڑی میں آٹھ بجے تھے بھوک نہیں تھی۔ باہر جانے کو جی نہ چاہا۔ نہ جانے کب تک لیٹے رہے۔ کمرے کی لائٹ بھی نہیں جلائی۔ اچانک کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا ہم حیران ہوئے۔ اس وقت کون ہو سکتا ہے؟ یقیناً زین العالم ہوں گے ہماری بیماری کا سن کر دیکھنے آئے ہوں گے۔ دروازہ کھولا سامنے نکی کھڑی تھی۔ "شکر ہے تم مل گئے" وہ خوش ہوگئی۔ ہم اسے حیران ہو کر دیکھ رہے تھے۔

"مجھے اندر نہیں آنے دو گے" وہ بولی "کیوں نہیں۔ آؤ" ہم نے اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔ اور کمرے کی روشنی جلائی "اندھیرے میں کیا کر رہے تھے......" اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"سو رہے تھے۔ ابھی اٹھے ہیں"۔ "او د بورا سوت تمام دنیا جاگ رہی ہے۔ اور تم سو رہے ہو"

"میں سمجھی تم اس وقت راسا سانگ ہوٹل میں ہو گے" اس نے کہا

"وہ کیوں؟" ہم نے پوچھا

"تم نے دوپہر کو گاڑی میں بتایا تھا" نکی نے بتایا

"اچھا۔ وہ۔ موڈ نہیں ہے۔ اس لئے"

"تمہیں پتہ ہے آج شام میں نے کیا مانگا"

"ریمنڈ" ہم نے جل کر کہا۔

"لعنت تم پر۔ ریمنڈ سے کیوں جلتے ہو۔ میں نے تمہیں مانگا تھا" وہ مسکرا کر بولی۔

"کیا تم نے آج شام زیادہ تو نہیں پی لی" ہم نے پوچھا

"نہیں ایک قطرہ بھی نہیں پیا۔ اب پیوں گی تمہارے ساتھ" اس نے قہقہہ لگایا۔

"بکواس بند کرو۔ اور یہاں سے نو دو گیارہ ہو جاؤ"

"کیا۔ میں چلی جاؤں۔ ناممکن۔ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا" نکی بولی

"ہم کہیں جانے کے موڈ میں نہیں۔ سر میں درد اور بخار بھی محسوس ہو رہا ہے"

"سر کے درد کا میرے پاس علاج ہے۔ اور بخار وہ بھی دور کر دوں گی۔ تم سیدھے لیٹ جاؤ"

"کیا کرو گی"

"تمہارے سر میں مالش۔ اس طرح کہ درد۔ چٹکی بجاتے چلا جائے گا"

"دیکھو ایک تو ہمیں سر دبوانے کی عادت نہیں۔ پھر ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کو ہم اپنے سر تک نہیں پہنچنے دیتے اس کے علاوہ تم نے ہاتھ لگایا تو ہمارے حرم میں شامل ہو جاؤ گی"۔

"کیا؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔ ہم نے حرم کے بارے میں تفصیل بتائی تو اس نے قہقہے لگائے اور ہمیں بیڈ پر دھکا دے دیا۔ "لو میں نے تمہیں ہاتھ لگا لیا" اس کے بعد فون پر کافی کا آرڈر دیا "یہ میری طرف سے" اپنے بیگ میں تلاش کر کے سر درد کی گولی نکالی اور ہماری طرف بڑھا دی۔

"اگر ہم بتائیں کہ اس وقت سر درد تم ہو؟"

"میں صرف افسوس کروں گی" اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ بیرا کافی لے کر آ گیا۔ نہ جانے ظالم کر رہے لئے کھڑا فون کا انتظار کر رہا تھا۔ کافی میں دودھ کے علاوہ چینی بھی نہیں ڈالی۔ کڑوی بدذائقہ کافی پی کر ساری سستی دور ہوگئی۔

"جلدی کپڑے تبدیل کر لو۔ فوراً چلنا ہے"۔ وہ بولی

"کہاں"

"راسا سانگ ہوٹل جہاں تمہاری سیٹ بک ہے"

"وہ تو ہم نے گپ اڑا دی تھی"

"اب تو وہیں چلنا پڑے گا۔ اور یہ میری طرف سے ہوگا"

"ہمارے ہاں خواتین" اس نے جملہ کاٹا

"تھینکس مشرق میرے پیسے بچ گئے"

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ادھر شیلی تھی شکایت کرنے لگی۔آپ کمرے میں ہیں اور مجھے بتایا نہیں۔پلیز فوراً نیچے آئیے۔اب مجبوری تھی۔جلدی سے کپڑے تبدیل کئے۔نیچے شیلی دکان پر منتظر تھی ہم نے نکی سے تعارف کرایا اور اسٹول پر بیٹھ گئے۔شیلی نے جلدی سے ہمارے منع کرنے کے باوجود کولڈ رنک کے دو ٹن کھولے۔

"نیا سال کہاں شروع کریں گے"اس نے پوچھا۔

"راسا سانگ" نکی نے جواب دیا۔

"وہ بہت اچھی جگہ ہے"وہاں تو آپ دس بجے جائیں گے۔کھانا میرے ساتھ کھائیے"

"تم نے کولڈ رنک پلا دی بس کافی ہے کچھ سستی سی محسوس کر رہے ہیں۔کھانے کا موڈ نہیں۔

"میں سینڈوچز لے کر آتی ہوں۔ہوٹل سے"وہ اٹھ کر جانے لگی۔

"نو پلیز تم تکلیف نہ کرو" نکی نے اسے روک دیا۔

شیلی افسردہ ہوگئی۔پھر ایک گہری خاموشی چھا گئی۔نکی نے آنکھ سے اشارہ کیا اب چلنا چاہیے"

شیلی تم ایک اچھی لڑکی ہو۔ہم تم سے مل کر بہت خوش ہوئے۔کل سورج نکلنے سے پہلے۔یہاں سے چلے جائیں گے کبھی نہ لوٹنے کے لئے۔پینانگ ہمیں اس لئے یاد نہیں آئے گا کہ یہاں خوبصورت سڑکیں۔کشادہ ہوٹل اور چمکدار ساحل ہیں۔بلکہ صرف اس لئے کہ پیانگ روڈ پر کونٹی نینٹل ہوٹل کے کاری ڈور میں شیلی ہوتی ہے۔جس کی آنکھیں روشن ہیں۔ہونٹ مسکراتے ہیں" ہماری آواز نہ جانے کہاں چلی گئی ہم کھڑے ہوگئے۔اور اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔اس نے ہمارا ہاتھ پکڑ کر اس کی پشت پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔اور دو گرم آنسو ہمارے ہاتھ پر گر گئے۔پھر وہ منہ پھیر کر کھڑی ہوگئی۔دنیا میں جب کوئی کسی کو الوداع کہتا ہے۔آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔ہونٹ لرزنے لگتے ہیں۔

ہم ہوٹل سے باہر نکلے۔سڑک کے دونوں طرف دکانیں جگمگا رہی تھیں۔اچانک سامنے ایک رکشہ آ کھڑا ہوا۔ہم نے چونک کر دیکھا عبدالرزاق بیٹھے مسکرا رہے تھے۔اس وقت وہ ہمیں اچھا لگا۔

"آئیے تشریف رکھیئے ..." نکی نے ہماری طرف دیکھا۔ہم رکشہ میں بیٹھ گئے۔برابر میں نکی کو بٹھا لیا۔

"کہاں لے چلو گے" ہم نے پوچھا۔

"بھائی عبدالرحمان کے ہوٹل۔میری طرف سے کھانا ہے کل صبح آپ چلے جائیں گے" اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"چلو" ہم نے کہا۔نکی نے پریشان ہو کر دیکھا۔

"تھوڑی دیر کی بات ہے۔عبدالرزاق کا کام بھی ہو جائے گا"۔ہم نے سمجھایا۔نکی خاموش رہی اور وہ کیا کرتی؟

"ہاں بھئی اب بتاؤ کیا معاملہ ہے؟" عبدالرزاق شرمانے لگے۔چند لمحوں بعد بولے۔

"ہم عبدالرحمان کی بہن حمیدہ سے شادی کرنا چاہتے ہیں...."

"اور یہ کام ہم کرا دیں گے" وہ خوش ہو گئے "ہمیں کیا ملے گا"

"جو آپ کہیں گے"

"بس مٹھائی کھلا دینا"

"اتنی بہت سی کہ آپ یاد کریں گے"

نکی دوسری بار اس قسم کے رکشہ میں بیٹھی تھی اس لئے خوب لطف اندوز ہو رہی تھی۔ہم جلد عبدالرحمان کے گھر پہنچ گئے جو ان کی دکان کی پشت پر تھا۔عبدالرحمان نے بڑھ کر ہمارا استقبال کیا فوراً اپنی زبان میں کوئی حکم دیا۔قالینوں اور صوفوں سے بھرے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا۔طبیعت کا حال احوال پوچھا۔اتنی دیر میں کھانا آ گیا۔نہ نہ کرنے کے باوجود پیٹ بھر کر کھانا پڑا۔نکی کھانے کے موڈ میں نہ تھی لیکن دو ایک نوالے کے بعد خوب کھا گئی۔عبدالرحمان نکی کو کھاتا دیکھ کر بہت لطف اندوز ہوا۔ہم نے موقع غنیمت جان کر عبدالرزاق کی درخواست دے دی۔عبدالرحمان چند لمحے سوچتا رہا اور پھر مسکرا دیا ہم نے شکریہ ادا کر کے ہاتھ ملایا۔عبدالرزاق کا کام ہو گیا۔اسے باہر سے لایا گیا جو اپنی رکشہ میں بیٹھا تھا۔اس وقت مٹھائی منگائی گئی۔ہم نے بتایا ہماری طرف سے شادی میں ڈاکٹر زین العالم شرکت کریں گے۔کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا۔نکی بار بار گھڑی دیکھ رہی

تھی۔ ابھی صرف ساڑھے دس بجے تھے لیکن نکی نئے سال کے استقبال کے لئے جلدی کر رہی تھی۔ ہم نے عبدالرحمان سے اجازت کی عبدالرزاق نے سواری کی پیشکش کی۔ اس وقت نکی فوراً رکشہ میں بیٹھ گئی۔

ہم راسا سانگ ہوٹل پہنچے۔ عبدالرزاق کو گلے لگا کر الوداع کہا۔ اندر ہال میں پہنچے تو وہاں ایک خلقت تھی کوئی میز کرسی خالی نہ تھی۔ نکی نے منیجر سے گفتگو کی اس نے انکار میں سر ہلا دیا پھر اس نے ایک بیرے سے بات کی اور مطمئن ہو کر ہمارا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آئی۔ ''کیا ہوا'' ہم نے پوچھا۔

''پونے بارہ بجے ہمیں دو کرسیاں مل جائیں گی'' وہ خوش ہو کر بولی جیسے اسے ملائشیا کا تخت ملنے والا ہو۔

ہال کے باہر لوگ ادھر ادھر کھڑے ہنس رہے تھے گفتگو کر رہے تھے۔ اس کے بعد سوئمنگ پول تھے اور آگے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا ہم آہستہ آہستہ سمندر کی طرف چل پڑے۔ یہاں بھی جوڑے نئے سال کے استقبال کے منتظر تھے۔ آسمان پر آخری تاریخوں کا چاند روشن تھا۔ کبھی کبھی کوئی بادل کا ٹکڑا اس کے پاس سے گزر جاتا تو اچھا لگتا۔ فضا میں ایک خوشگوار موسم اور چاروں طرف خوشیاں چھائی ہوئی تھیں۔

ہم اور نکی ریت پر بیٹھ گئے۔ اچانک سمندر کی لہروں نے نکی کے پیروں کو چھو لیا یا شاید ہمیں محسوس ہوا۔ لہریں واپس ہوئیں تو سفید تھیں نکی کے قدموں کو چھو کر ان کا رنگ بدل گیا تھا وقت آسمان پر بادلوں کی شکل میں، سمندر میں لہروں کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہا تھا ایک دودھیا روشنی ہمارے گرد پھیلی ہوئی تھی زندگی میں ایسے لمحے بہت کم آتے ہیں۔ جب اندر اور باہر کا موسم ایک ہو جائے۔ جانے کتنا وقت گزرا۔ ہم جاگتے رہے یا سو گئے اچانک احساس ہوا سمندر کی لہروں سے نیلگوں چاندنی سے اور ہوٹل کی خوبصورت عمارت سے زیادہ پرکشش جاذب حسین وجود ہمارے چند انچ کے فاصلے پر ہماری توجہ کا منتظر تھا۔ اس وقت نکی تڑپ کر کھڑی ہوگئی۔ اور ہم سے ہال کی طرف چلنے کو کہا۔ ایک چھت کے نیچے اتنے بہت سے لوگوں کو خوشی سے بے قابو ہوتے ہم نے پہلی بات دیکھا۔ دنیا میں ہنستا ہوا ہر شخص اچھا لگتا ہے۔ ہر طرف شور، قہقہے، برتنوں کی

کھنک اور نکی کی خوشی اس ہال میں دو کرسیاں ہمارا انتظار کر رہی تھیں۔

انسانوں کا سمندر رنگوں کی دھنک خوشیوں کی کہکشاں دل میں اتر رہی تھی۔ اچانک ایک شور ہوا۔ پھر گہری خاموشی ہر شخص کی نظریں گھڑی کی طرف اٹھ گئیں۔ دل دھڑکنے لگے۔ سیکنڈ کی سوئی بارہ کی طرف سرک رہی تھی۔ آہستہ آہستہ۔ پھر گہری تاریکی چھا گئی کوئی ہم سے ٹکرایا چند لمحے ایک نیا تاثر پھر روشنی ہوئی تو نیا سال شروع ہو چکا تھا۔ ایک دوسرے کو مبارکباد دی جا رہی تھی۔ بیرے میز پر ہمارے سامنے دو جام لا رکھے۔ نکی بہت خوش تھی۔ اس نے ہمارا ہاتھ تھام لیا ''تمہیں بھی''

''آؤ باہر چلتے ہیں'' میز کے گرد دو کرسیاں شاید اتنی دیر کے لئے تھیں نکی نے آگے بڑھ کر بیرے کے ہاتھ میں کچھ ڈالر رکھے اور باہر نکل گئے۔

سمندر کے کنارے بہت سے لوگ بیٹھے تھے۔ نئے سال کے استقبال کے لئے۔

''اس سال کیا کرو گے؟''

''جو پچھلے سال کیا تھا'' ہم نے جواب دیا۔

''اس سال میں شادی کروں گی۔ ایک چھوٹا سا گھر دو بچے یہ میری بڑی پرانی خواہش ہے'' میں نے دنیا کے بہت سے علاقے دیکھے ہیں۔ لیکن جو سکون اپنے گھر میں ہوتا ہے وہ بڑے سے بڑے فائیو اسٹار ہوٹل میں نہیں ہوتا تمہارا کیا خیال ہے''؟

''ہم مشرقی تو ساری جدوجہد گھر بنانے کے لئے کرتے ہیں۔ یہی ہماری جنت ہوتی ہے'' نکی بے حد جذباتی ہو رہی تھی چاروں طرف مغرب پھیلا ہوا تھا۔ لیکن اندر مشرق تھا۔ روشنی تھی چاند مغرب کی طرف ڈھلک گیا۔

''بہت رات ہوگئی ہے'' ہم کھڑے ہو گئے۔

''نہیں صبح نزدیک آگئی ہے آج کی رات جاگنے کی ہے مشرق سے نئے سورج کو دیکھنے کی۔ استقبال کرنے کی'' ہم جاگتے رہے۔

شاید ہم سو گئے ہوں، رات کا جادو ہو گیا ہو، نکی اعصاب پر چھا گئی ہو، آنکھ کھلی تو صبح کے پانچ بجے تھے۔ روشنی پھیل گئی تھی یہ وقت روانگی کا تھا۔ نکی ہمارے ساتھ باہر آئی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ گڈ بائی کہا ہمارے دائیں گال پر اپنے ہونٹ لگائے اور واپس پلٹ کر چلی گئی کبھی نہ

ملنے کے لئے۔

سڑکیں گاڑیوں سے بلاک تھیں۔ رات کو جس کی گاڑی جہاں تھی وہیں روک کر نئے سال کے استقبال کے لئے اپنی پسند کے ہوٹل کلب گھر میں چلا گیا۔ ہمیں پیدل آنا پڑا۔ ہوٹل کانٹی نینٹل زیادہ دور نہیں تا لیکن کئی بار راستہ پوچھنا پڑا۔

ہوٹل کا استقبالیہ بند تھا۔ نئے سال کی آمد کی خوشی میں ہم نے فریج کھول کر دیکھی۔ ڈیپ فریزر دیکھا۔ کاؤنٹر کی درازیں باہر نکال کر دیکھیں۔ ڈبل روٹی سلائس' مکھن جام' جوس' سب ہی کچھ تھا بس بنانے' دینے والے نہ تھے اتنے میں رات کی ڈیوٹی والا ایک بیرا آنکھیں ملتا آیا۔ اور ہمارے ہاتھوں پکڑا گیا۔ انجام یہ ہوا کہ ذرا دیر میں اس نے گرم پانی سے کافی بنائی۔ اتنے عرصے میں ہم نے ایک میز کی روشنی جلا کر اس پر مکھن' ڈبل روٹی' جام جیلی رکھی تو والٹر اور مسز والٹر پہنچ گئے۔ ہمیں دیکھ کر بے حد خوش ہوئے یا شاید ناشتے کا انتظام مناسب پا کر۔ ابھی ٹوسٹ پر مکھن لگایا تھا کہ ریمنڈ سر پر آ کھڑا ہوا۔ صبح کے چھ بجے تھے سوا چھ بجے ہوٹل سے روانگی تھی ایک کپ کافی اسے بھی پیش کیا۔ ہر چسکی کے ساتھ جلدی کا نعرہ لگاتا جاتا۔ آخر یہ مرحلہ بھی طے ہوا۔ گاڑی میں سامان رکھا اور سمندر کی طرف روانگی ہوئی۔ اس بار غور سے سمندر دیکھا دور نئے سال کی پہلی صبح بیدار ہو رہی تھی ہر روز سورج اسی طرح نکلتا ہے۔ یہ صرف ہمارا سوچنے کا انداز ہے جو اسے منفرد بناتا ہے۔ کبھی یہ ہمارے لے نیا سال ہوتا ہے کبھی ہفتے کا دن ایک دن یہ سورج ڈوب جاتا ہے پھر کبھی نہیں نکلتا۔ جس کے لئے نہیں نکلتا اس کا نام زندہ انسانوں کی فہرست سے کاٹ دیا جاتا ہے۔

سمندر پار کر کے خشکی پر پہنچے تو سامنے ریلوے اسٹیشن اور ریل دونوں موجود تھے۔ اس کا نام سیناران پاگی ایکسپریس تھا۔ پلیٹ فارم پر ریمنڈ نے ہم تینوں کو ٹکٹ تھمائے۔ روایتی مصافحے کئے اور گڈ بائی کہہ کر منہ پھیر کر چلا گیا اپنے ساتھ ہماری زندگی کے تین خوشگوار دن لے کر اب ہم پینانگ کب آئیں؟ شاید کبھی نہیں نیلے سمندر اور گہرے سبز جنگلوں کی زمین الوداع خدا حافظ۔

جب تک ہم جذباتی ہوتے رہے ہمارے ساتھیوں نے ڈبہ تلاش کر لیا۔ وہ اسی جگہ تھا جہاں ہم کھڑے تھے۔ اس بار واقعی فرسٹ کلاس میں سفر کر رہے ہیں ڈبے میں دائیں طرف دو اور بائیں طرف ایک سیٹ تھی۔ دائیں طرف مسٹر اور مسز والٹر بیٹھ گئے اور بائیں طرف ہم نے تشریف

رکھی۔ بڑے سے کمپارٹمنٹ میں انیس سیٹیں تھیں پشت پر ایک ڈرائنگ یا ریٹائرنگ روم۔ سامنے ٹیلی ویژن کی اسکرین اور دائیں بائیں کی بڑی کھڑکیوں کے شیشے سے اسٹیشن کا منظر اچانک ہمیں یاد آیا ہم یہاں ان کی کو چھوڑ سے جا رہے ہیں اسی وقت ٹرین نے پلیٹ فارم چھوڑ دیا صبح کے پونے آٹھ بجے تھے چند لمحوں بعد شہر شروع ہو گیا۔ زندگی رواں دواں تھی۔ اور پھر گہرے گھنے جنگل ٹریفک کے نمایاں نشانات کے ساتھ سیاہ سڑک۔

بادلوں سے ڈھکا آسمان' بارش میں بھیگتے ربڑ کے درخت' پپیتے کے پیڑ' ناریل کے پودے' بجری سے ڈھکے صاف ستھرے اسٹیشن' ملائشیا کے محنتی جفاکش دیانت دار لوگ کچھ دیر بعد ہم نے آنکھیں بند کیں اور بھیگے ہوئے جنگلوں میں اتر گئے۔ جگہ جگہ پانی کے تالاب تھے۔ سبزہ تھا کہیں پھول تھے بارش کی خوشبو تھی پھلوں کے گچھے تھے نگی بھی اپنے کاندھے پر سفری بیگ لادے جانے کہاں سے آ گئی دور تک ساتھ چلنے کے لئے ہمیں یہ سب اچھا لگا سکون' بے فکری ہنگاموں سے دور ایسے لمحے دل میں ٹھنڈک کی طرح اتر جاتے ہیں۔

دیر تک آنکھیں بند کئے خواب دیکھتے رہے۔ کبھی آنکھ کھلتی تو اجنبی اسٹیشن نظر آتے۔ لوگ نظر آتے۔ ورنہ وہی بھیگا جنگل' برستی بارشیں' ہم پھر آنکھیں بند کر لیتے اس دھوپ چھاؤں میں وقت کسی آوارہ بادل کی طرح گزر گیا۔ کوالالمپور آ گیا۔ ملائشیا کا صدر مقام' مسلمانوں کا ایک بڑا شہر اسلامی طرز تعمیر کا ایک خوبصورت اسٹیشن پلیٹ فارم پر ایک دراز قد سانولا سا آدمی ہاتھ میں پلے کارڈ لئے کھڑا تھا جس پر نمایاں عباسی لکھا تھا۔ یہ گائیڈ صاحب تھے۔ رام ان کا نام تھا۔ مدراس ہندوستان کے رہنے والے تھے۔ تعارف کے بعد اپنا سامان لے کر ہم ان کی رہنمائی میں باہر نکلے۔ ایک گرم دوپہر استقبال کو کھڑی تھی دن کا ڈیڑھ بجا تھا۔ گاڑی ایئر کنڈیشنڈ تھی بیٹھ کر مزہ آیا۔

کوالالمپور ملیشیا کا صدر مقام ہے۔ سنگاپور سے ٹرین کے ذریعے سات گھنٹے میں پہنچا جا سکتا ہے۔ بٹروتھ سے بھی تقریباً سات گھنٹے لگے۔ سبزے اور عمارتوں سے بھرا ایک خوبصورت شہر ہے جو کسی طرح بھی سنگاپور سے کم نہیں۔ حد یہ ہے کہ قوانین بھی وہی۔ جیب سے کاغذ گرا چاہے وہ سو ڈالر کا نوٹ ہی کیوں نہ ہو جھٹ پانچ سو ڈالر جرمانہ' سیاح غریب تو ادھر ادھر کاغذ گرا ہو تو جھٹ اٹھا کر جیب میں رکھ لیتے ہیں کہ ان پر الزام نہ آئے۔ کسی اصل سیاح کی جیب میں سب پانچ سو ڈالر

ہوتے ہیں اور اگر ایسا ہو تو وہ ان کے عوض پوری نہیں تو آدھی دنیا کی سیر ضرور کرنا چاہے گا۔ اس پر پانچ ڈالر جرمانہ ہو تو وہ ادائیگی تو کردے گا لیکن اس کے کفن دفن کا انتظام حکومت کے ذمے ہوگا۔ سڑک پار کرنے اور ڈرائیور کے پاس بیٹھ کر سیٹ بیلٹ نہ باندھنے پر بھی سخت جرمانہ تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ کہیں بھی جائیں۔ وہ سب سنگاپور ہے۔

ملائشیا میں تیرہ ریاستیں ہے۔ یہ آپس میں پانچ سال کے لئے ایک بادشاہ منتخب کر لیتے ہیں یہی اقتدار اعلیٰ کا مالک ہوتا ہے۔ حکومت کا سربراہ وزیر اعظم کو سمجھا جاتا ہے۔ ملک میں جمہوریت ہے اس حد تک کہ ہمارا جی چاہا جہاں گئے کھایا پیا۔ خریداری کی۔ سرکاری مذہب اسلام ہے۔ لیکن دوسرے مذہب والوں کو بھی کھلی چھٹی ہے۔ اسی لئے ہم نے پینانگ میں بھی بابا ناگوری شاہ کی درگاہ دیکھی اور ذرا گوتم بدھ سر کے نیچے ہاتھ رکھے آرام فرما رہے تھے۔ ہندوؤں کے مندر بھی تھے اور گرجا گھر کا گھنٹہ بھی سنائی دیتا تھا۔ مسجدیں اتنی حسین کہ نماز کا وقت نہ بھی ہو تو لوگ اندر سے دیکھنے جاتے ہیں۔

ہمارے گائیڈ رام نے جالان تن اسمائیل پر ہوٹل گرانڈ پیسیفک میں ٹھہرادیا۔ پانچویں منزل پر چوبیس نمبر کمرہ تھا۔ استقبالیہ کے سامنے دو تیز رفتار لفٹ اوپر لے جاتی تھیں۔ ہوٹل میں ایک سو دس کمرے تھے۔ ہمارا کمرہ خاصہ صاف ستھرا تھا۔ شاید دوسرے بھی ایسے ہی ہوں۔ وہاں بہت سی سہولتیں تھیں۔ چوبیس گھنٹے روم سروس' کافی شاپ' مسلمان ریسٹورنٹ' ہیلتھ کلب اور بھی کئی خصوصی رعایتیں تھیں لیکن ہمارے پہنچنے سے چند گھنٹے پیشتر ختم کردی گئیں۔ ہوٹل کے پمفلٹ کے مطابق ہر کمرے کے ساتھ امریکی ناشتہ اور ایک مساج کی نشست مفت تھی۔ ہم نے امریکی ناشتے سے زیادہ مساج کی طرف توجہ دی۔ تب انتظامیہ نے اطلاع دی کہ یہ مفت خدمت یکم نومبر سے اکتیس دسمبر تک تھی اور آج یکم جنوری ہے۔ ہم نے اپنے مقدر کو الزام دیا اکتیس دسمبر سے پہلے پہنچتے تو کم از کم مساج ہی کرا لیتے بس اس سنہرے موقع کے ضائع ہونے کے غم میں دیر تک ہاتھ ملتے رہے اور پھر باتھ روم میں جا کر صابن سے دھو ڈالے۔

ہوٹل سے نکلے تو دائیں طرف محمد یوسف مدراسی ہوٹل نظر آیا۔ وہاں گرم گرم پراٹھے۔ ٹھنڈا سالن اور گرم چائے پی۔ چند ڈالر کے عوض مزیدار لنچ ملا۔ وہاں شاید سالن گرم کرنے کا رواج نہیں

پکا کر برتن میں بھر کر کاؤنٹر پر رکھ لیتے ہیں۔ شاید گرم کرنے سے مقدار کم ہو جاتی ہے۔

محمد یوسف ہوٹل میں گھر کے سب ہی افراد کام کرتے نظر آئے۔ بیوی بیٹی' بیٹے اور والد بزرگوار ہم نے پوچھا ''کہاں کے رہنے والے ہیں'' جواب ملا ''ملائشیا کے'' ہم نے کہا ''تم تو تامل ہو'' فرمایا ''نہیں ہم ملائی ہیں'' ہم نے پوچھا ''یہ کاؤنٹر پر تمہارے والد ہیں'' جی ہاں'' ہوٹل کے مالک نے کہا ''یہ یہاں کے رہنے والے ہیں'' ''ملائشیا کے'' ہم نے بڑے میاں سے سوال کیا۔ وہی جواب ملا۔ جب بہت ضد کی تو وہ کہنے لگا۔ ''ہاں میں مدراس میں پیدا ہوا تھا۔ لیکن ہوں ملائشیا کا'' ہم اس کے جواب سے حیران رہ گئے۔ یہ سب مدراسی ہیں۔ تامل بولتے ہیں۔ پھر ملائشیا کے کیسے ہوگئے؟ ہم بھی تو ہندوستان سے آئے ہیں۔ لیکن آج بھی مہاجر ہیں۔ ہم نے کب کہا ہم سندھی ہیں۔ پنجابی ہیں پاکستانی ہیں۔ ہم اپنی شناخت الگ چاہتے ہیں۔ مہاجر کی پہچان۔ یہ کیوں ہوا؟ تب کوئی ہمارے اندر سے بولا۔ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔ اس کے لئے دوسرا ہاتھ بھی ضروری ہے ان مدراس سے آنے والے لوگوں نے ملائشیا کو گل لگایا۔ تو یہ بھی ان کے سینے سے لگ گیا۔ اب انہیں کون الگ کرے گا۔ جدا شمار کرے گا؟ مدراسی کہے گا؟ کاش پاکستان کا کوئی فرد ہمیں بھی گلے لگاتا۔ ہم سے زمین کا۔ مکان کا۔ کھیت کھلیان۔ زبان کا سوال نہ کرتا پھر ہم مٹ جاتے۔ فنا ہو جاتے کسی کے ہو جاتے۔ کسی کو اپنا بنا لیتے۔ محبت میں تو یہی ہوتا ہے۔

دوپہر گرم تھی اس لئے جلدی سے ہوٹل واپس آگئے۔ ٹھنڈا کمرہ' نرم بستر' ہمارا منتظر تھا۔ گرینڈ اچھا ہوٹل تھا۔ بس ایک خرابی تھی مفت مساج کی سہولت ختم کردی تھی۔ ظالموں کو ہمارے آنے کی اطلاع ہوگی۔ ایک سہولت باقی تھی۔ میز پر ایک کارڈ رکھا تھا۔ جس میں درج تھا۔

اگر کوئی مہمان کمرے میں رکھی ہوئی چیز پسند کرے اور اپنے ساتھ لے جانا چاہے تو ہمیں خوشی ہوگی اچھا یہ ہے کہ ہاؤس کیپر سے ایکس ٹینشن چھ یا فرنٹ ایکس ٹینشن چار پر رابطہ قائم کریں تو انتظامیہ بخوشی اسٹور سے بالکل نئی چیز پیش کردیں گے۔ مندرجہ ذیل قیمت پر:

بیڈ شیٹ	ایک سو ڈالر
کمبل	ایک سو ڈالر
ردی کی ٹوکری	تیس ڈالر

ٹرے	پچیس ڈالر
نہانے کا تولیہ	چالیس ڈالر
باتھ میٹ	نو ڈالر
چہرے کی تولیہ	بارہ ڈالر
پانی پینے کا گلاس	ساڑھے چار ڈالر
ایش ٹرے	چھ ڈالر

ہم اس خوبصورت کارڈ پر دیر تک ہوٹل والوں کی ذہانت پر داد دیتے رہے۔ لیکن کمرے میں صفائی کرنے والی سے نہ پوچھ سکے ''بی بی اسٹور سے اور کیا ملتا ہے''۔

شام بھی گرم تھی۔ نہا دھو کر نکلے۔ بے مقصد دور تک نکل گئے۔ بازار ہوٹل سب بند تھے۔ سال کا پہلا دن چھٹی تھی۔ جمعہ کی وجہ سے دن کے بارہ بجے سے ڈھائی بجے تک نماز کا وقفہ ہوتا ہے ہفتہ اتوار کو مکمل چھٹی' جمعہ کو یکم جنوری کی وجہ سے چھٹی تھی۔

ہم نے پروگرام یہ بنایا تھا کہ وہاں تک سیدھے جائیں گے جہاں تک سڑک جاتی ہے۔ یا ہم تھک جاتے ہیں۔ دوسری بات ہوئی۔ دور جا کر ایک پل آیا اس پر چڑھ کر دیکھا۔ عام پل تھا اس پر سے سڑک پار کی جا سکتی تھی۔ بہت سے لوگ سڑک پار کر رہے تھے ہم نے پار کر لی۔ پھر کچھ لوگ ادھر سے ادھر آ رہے تھے۔ ہم ان کے ساتھ واپس آ گئے۔ گھنٹیوں اور بھجن کی آوازیں سنائی دیں۔ دائیں طرف ایک بڑا سا مندر تھا۔ وہاں مذہبی آزادی تھی اس لئے اندر چلے گئے۔ کسی نے نہیں پوچھا۔ ڈھیروں خواتین اور مرد تھے۔ ہم بھی ان میں مل گئے تیز آوازوں میں ہندی بھجن گائے جا رہے تھے۔ عورتیں پھول اور مٹھائی فروخت کر رہی تھیں۔ چند ایک نے ہم سے بھی سوال کیا لیکن ہم خریدار کہاں؟ سیاح تھے سیکھنے اور سننے آئے تھے۔ دیکھا سنا اور دل بھر کر واپس ہوئے۔ محمد یوسف کا ہوٹل جگمگا رہا تھا۔ اس نے سالن پکا کر کاؤنٹر پر رکھا تھا اور اس کی بیٹی آٹا گوندھنے بیٹھی تھی۔ فوراً گرما گرم پراٹھے آ گئے۔ پانی کی جگہ سیون اپ تھی۔ محمد یوسف ہمارے پاس آ بیٹھے حال احوال پوچھنے لگے اور ایک ڈالر کی رعایت دی۔ ہم نے شکریہ ادا کیا اور اچھے بچوں کی طرح ہوٹل واپس آ گئے ذرا دیر استقبالیہ کے سامنے رکھے صوفے پر بیٹھے کاؤنٹر کی لڑکی کو

مسکراتا دیکھتے رہے۔ وہ ہر ایک کو دیکھ کر مسکراتی تھی۔ یہ اس کی نوکری کا حصہ تھا جب ڈسکو کلب کا دروازہ کھلتا تو روشنیوں کے ساتھ تیز موسیقی بھی سنائی دیتی دروازہ بند ہوتا تو خاموشی۔ کافی شاپ میں بھیڑ بھاڑ تھی۔ استقبالیہ کے سامنے ایک چھوٹی سی دکان تھی۔ تب ہمیں شیلی یاد آ گئی اب وہ سات گھنٹے کی مسافت پر ہے۔

یہ سات صدیاں ہیں۔ سات سو صدیاں ہیں۔ جو ہم زندگی میں کبھی طے نہیں کر سکتے اداس ہونے کا' اپنے اوپر آزردگی طاری کرنے کا مناسب انتظام ہم ساتھ رکھتے ہیں۔ یوں سوچیں تو زندگی میں کچھ پلٹ کر نہیں آتا۔ ہر دن نیا' ہر شام نئی' اور ہر رات جدا ہوتی ہے۔

دیر تک استقبالیہ پر بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ کاؤنٹر والی لڑکی فارغ ہوگئی۔ اور ہمیں دیکھ کر مسکرا دی ہم اٹھ کر کاؤنٹر پر گئے اور چابی طلب کی۔ ''کہاں سے آئے ہیں؟'' سوال ہوا۔ ''پینانگ'' ہم نے جواب دیا۔ وہ ملائی بولنے لگی۔ ہم ہنسنے لگے۔ ''ہم ملائی نہیں پاکستانی ہیں'' اس نے چابی ہمارے سامنے رکھی اور دوسرے آدمی سے مخاطب ہوگئی۔

ہم لفٹ کے ذریعے اوپر پہنچے تو وطن کی یاد ستائی۔ بتیس ملائی ڈالر میں تین منٹ بات کی ابھی فون بند کیا تو دروازے پر دستک ہوئی۔ ایک خاتون ہاتھ میں بل لئے کھڑی تھیں۔ انہیں ہم پر اعتبار نہ آیا۔ کیا خبر رات کو ہی اپنا بیگ لے کر کھڑکی کے راستے بھاگ لیتے۔

وہ سب نازک ہاتھوں والیاں تھیں

ہم صبح بہت جلدی اٹھنے کے عادی ہیں۔ اتنی جلدی کہ نہانے کے ٹب میں پون گھنٹہ تیرنے کے باوجود ہوٹل میں ناشتے کے وقت سے پہلے ڈائننگ روم میں پہنچ گئے۔ شاید کسی کو جو کے پر ترس آ جائے۔ ہم ناامید نہیں ہوئے ایک چینی خاتون اپنے پورے دانتوں کی نمائش کرتی تشریف لے آئیں۔ پہلے صبح بخیر کہا۔ اس کے بعد پوچھا "رات کیسی گزری؟" ایک نامحرم خاتون کو اپنی رات کے بارے میں کیا بتاتے۔ بس دانتوں کی نمائش کر لی۔ جب دونوں ایک دوسرے کو دانت دکھا چکے تو ہم نے ناشتے کی درخواست دی۔ خاتون نے ایک کارڈ ہمارے ہاتھ میں تھما دیا اور چلی گئیں۔ اس میں کئی زبانوں کے ساتھ ہمارے صاحب لوگوں کی زبان انگریزی بھی تھی۔ جسے دیکھ کر ہم خوش ہو گئے۔ ہم نے آرڈر دیا اور تازہ اخبار اٹھا کر چینی زبان دیکھنے لگے۔ کتنا اچھا تھا۔ ہم یہ زبان نہیں جانتے ورنہ صبح سویرے دہشت ناک ہولناک خبریں پڑھ کر اپنا دن برباد کر لیتے۔ ناشتے کو اتنی دیر ہوئی کہ واثر اور ان کی بیگم ہمارے سامنے آ بیٹھے۔ اور اطلاع دی کہ رام اب سے تھوڑی دیر بعد آ رہے ہیں۔ آج شہر کی سیر کرائیں گے۔

ناشتہ کرنے سے پہلے رام آ گئے۔ ہم تو تیار ہی تھے گاڑی میں بیٹھے تو اس نے کمنٹری شروع کر دی عمارتوں سڑکوں اور پارکوں کے بارے میں۔ یہ ہفتے کا دن تھا۔ ملائشیا میں ہفتہ اتوار کی

چھٹی ہوتی ہے۔ سڑکیں صاف ستھری تھیں اور ٹریفک کم تھا۔

رام بتا رہا تھا۔ ملائشیا میں مسلمان پچاس فیصد ہیں۔ پینتیس فیصد چائنی۔ باقی دوسری قومیں یہاں ہندوستان کی بڑی تعداد گرم مصالحوں کی تجارت کے لئے آئی۔ چینی ٹن کی کانوں میں کام کرنے اور پرتگالی تجارت کرنے آئے۔ پھر سب یہیں کے ہو رہے ملائشیا نے بھی انہیں سینے سے لگا لیا۔ اب سب ملائی ہیں۔

رام نے ایک خوبصورت سی عمارت کے نزدیک گاڑی روک دی۔ یہ ٹن فیکٹری تھی۔ ملائشیا کی سب سے بڑی صنعت ٹن تھی۔ دنیا بھر میں اس کی مانگ تھی۔ کوالالمپور میں ساڑھے تین سو کانیں تھیں۔

دنیا ہر لمحہ ایجادات اور ترقی کرتی رہتی ہے۔ ٹن کا بدل پلاسٹک آ گیا۔ ملائشیا کو زبردست نقصان ہوا۔ اب کوالالمپور میں صرف پچاس کانیں رہ گئی ہیں۔ ٹن برادے کی طرح نکلتا ہے اسے صاف کر کے سامان بنایا جاتا ہے۔

عمارت کے دائیں طرف ربڑ کے درخت لگے تھے۔ رام ہمیں اس طرف لے گیا۔ ایک درخت کے تنے پر جیب سے نکال کر چاقو سے چیرا لگایا۔ سفید سفید دودھ کی ایک دھار نکل کر بہنے لگی۔ اتنا سفید اور گاڑھا دودھ بہت عرصے بعد دیکھا تھا۔ رام تفصیل سے بتانے لگا۔ ہم نے وہاں اُگے ہوئے دوسرے درخت کے بارے میں پوچھا۔ یہ پام کا درخت تھا جس کے پھل سے تیل نکلتا ہے۔ پام آئیل کھانے کے کام آتا ہے۔ ملائشیا کی سب سے بڑی صنعت اب یہی ہے۔ پاکستان بھی اسی تیل کا کچھ حصہ خریدتا ہے۔ درخت کے نیچے کئی پھل پڑے تھے۔ چھالی کی طرح سخت، سوکھ جاتا ہے تو اسے توڑ کر کچل کر تیل نکالتے ہیں۔ ایک پھل ہم نے یادگار کے طور پر ساتھ لے لیا۔ اس میں کوئی زرمبادلہ خرچ نہ آیا۔

ٹن فیکٹری میں ایک دنیا آباد تھی۔ بہت سے مرد عورتیں کام کر رہے تھے۔ آرائشی مصنوعات بنائی جا رہی تھیں لوگ خریداری کر رہے تھے۔ اپنے ملک واپس جا کر دکھانے کے لئے۔ اپنے ڈرائنگ روم میں سفر کی یاد محفوظ کرنے کے لئے ہم شوکیس میں رکھنے برتن دیکھ رہے تھے تب رام ایک خاتون کے ساتھ ہمارے پاس آیا۔ اور متعارف کرایا "یہ آپ کے وطن کے ہیں۔ ان سے

گفتگو کیجئے۔" خاتون ساڑھی میں ملبوس تھیں ہم سے ٹوٹی پھوٹی پنجابی میں بات کرنے لگیں۔ یہ بات پریشان کن تھی۔ ہم گزشتہ دو ہفتوں سے اردو بھولے ہوئے تھے اب پنجابی کہاں سے بولتے۔ رام کا اصرار تھا ہاتھ ملائیں بات کریں۔ ہاتھ ملانے والی بات تو ہمیں بھی پسند آئی فوراً اس پر عمل کیا۔ پھر ذہن پر زور دیا۔ اور پوچھا "کی حال اے" وہ خوش ہو گیا۔ اور ہم دونوں کو چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کے جانے سے کیا فرق پڑتا۔ دائیں بائیں آگے پیچھے سیاح تھے۔ وہ ہمیں ایک کاؤنٹر کے پاس لے گئیں اور اصرار کیا۔ "کچھ خریدیں۔ یہ اصلی ٹن ہے ہم نے لاکھ سمجھایا کہ آپ تو اپنی ہیں۔ ڈالر خرچ نہ کرائیں۔ لیکن وہ بضد تھیں شاید انہیں اسی کام پر ملازم رکھا ہو۔ مجبوراً دو چھوٹے چھوٹے کارٹون خریدے۔ آٹھ ڈالر پیش کئے۔ وہ خوش ہوئیں۔ اور انگریزی بولنے لگیں۔ پنجابی خریداری کرانے تک تھی۔ موصوفہ کے والدین پنجاب سے برس ہا برس پہلے ملائشیا آئے تھے۔ یہ خاتون یہیں پیدا ہوئیں۔ ماں باپ سے دو چار پنجابی کے جملے سیکھ کر ہم غریب سیاحوں کے ڈالر چھین لیتی ہیں۔ ہم اسے ہاتھ ملانے کا معاوضہ سمجھے۔ ذرا دیر بعد وانٹر اور مسز والٹر استقبالیہ پر آگئے۔ شاپنگ کی جگہ سے وہ گھبراتے تھے۔ ایسے میں بھابی شمیم یاد آتی تھیں شوکیس سامان سے بھرے ہیں۔ کاؤنٹر پر خاتون اکیلی ڈالر وصول کرنے بیٹھی ہے۔ اور گاہک نہیں ہیں شاپنگ کی دنیا کا المیہ۔

اب روانگی کا لمحہ تھا خاتون نے ایک بار پھر گرمجوشی سے ہاتھ ملایا اور دوبارہ آنے کی دعوت دی جو ہم نے قبول کر لی۔ کبھی زندگی میں وہاں جانا ہوا تو ان سے ملنے ضرور جائیں گے۔

سفر پھر شروع ہوا۔ رام نے کئی اونچی عمارتیں دکھائیں جو فلیٹ تھے۔ جنہیں حکومت نے بنا کر غریبوں کو دیئے تھے۔ ان کی گیلریوں میں رنگ برنگ کے کپڑے سوکھ رہے تھے۔ ہوا سے لہرا رہے تھے رام نے انہیں اقوام متحدہ کی عمارت کے نام سے متعارف کرایا۔ اور کپڑوں کو بین الاقوامی جھنڈے بتایا۔ یہ عمارتیں جگہ جگہ نظر آئیں۔

مسجد شائرین کے سامنے رکے۔ یہ اسلامی طرز تعمیر کا حسین نمونہ ہے۔ اندر باہر سے دیکھا اس میں تین ہزار نمازی خدا کے حضور سجدہ ریز ہو سکتے ہیں۔ ہم نے تھوڑی دیر رکنے کی درخواست کی دبیز قالین پر اپنے اللہ کے سامنے جھک گئے۔ میرے معبود اب کسی اور کے سامنے نہ جھکنے دینا۔

ہماری گاڑی پپی لون کے سامنے رک گئی۔ اس کے اندر دنیا کا حسن نزاکت اور رنگ بکھرے تھے۔ اتنے بہت سے کہ آنکھوں کے سامنے قوس و قزح بکھر گئی۔ چاروں طرف دھنک ہی دھنک تن گئی۔ ملائشیا میں پانی ہے، سبزہ ہے، اس لئے فضا رنگ برنگی حسین تتلیوں سے بھری رہتی ہے۔ یہاں دو ہزار قسم کی خوبصورت تتلیاں ہوتی ہیں۔ پپی لون بڑا سا تتلیوں کا کارخانہ ہے۔ اور حیرت انگیز بات یہ تھی کہ سب تتلیاں مردہ تھیں سوائے کام کرنے والیوں کے۔ اس عمارت کی چھت کے نیچے اتنے رنگ تھے اتنے نمونے تھے کہ ہم نے زندگی بھر نہیں دیکھے۔ اور نہ شاید دیکھ سکیں۔ چھوٹی ننھی منی بڑی تتلیاں مرمت ہو رہی تھیں۔ جن کے پر ٹوٹ گئے تھے۔ پھٹ گئے تھے نازک ہاتھ شیشے کی بنی انگلیاں انہیں مہارت سے دوبارہ بنا رہی تھیں۔ زمین پر بیٹھی پوری توجہ سے۔ ہم نے جھک کر دیکھا دو سفید ہاتھ ایک پھولوں بھری تتلی کے پر کا ایک حصہ بنا رہے تھے پہلے ایک ننھی سی چمٹی سے اٹھا کر پلاسٹک کا نازک سا حصہ اس جگہ لگایا۔ کسی چیز سے جوڑا۔ اور پھر برش سے اس کے پر کے اوپر رنگ لگائے چند لمحوں بعد وہ پر مکمل ہو گیا۔ اب وہ سوکھنے کے لئے رکھا گیا اور تتلی مکمل ہو گئی۔ یہ ہاتھوں کی جادوگری تھی۔ انہی ہاتھوں کے لئے شاعر نے کہا ہوگا۔

تیرا ہاتھ ہاتھ میں آ گیا کہ چراغ راہ میں جل گیا

ہم نے اس جادوگر کی طرف دیکھا وہ خاموش تھا۔ ہمیں یقین ہے وہ اگر ایک بار آہستہ سے کہتی "اچھی تتلی اڑ جاؤ" تو تتلی اڑ جاتی۔ اسی لئے وہ سب خاموش تھیں۔ وہاں سب لڑکیوں کے ہاتھ خوبصورت تھے۔ نازک تھے۔ شاید اس لئے کہ وہ دنیا کا سب سے نازک خوبصورت کام کرتی ہیں۔ یا انتخاب کے وقت خیال رکھا گیا ہے۔

اس کارخانے میں تتلیوں کے میت بنائے جا رہے تھے۔ کئی چین بن رہی تھیں۔ جو پر ٹوٹ گئے تھے ان سے خوبصورت و حسین تصویریں بنی تھیں۔ انہیں دیکھ کر یقین نہیں آیا کہ انسان کے ہاتھ ایسے شاہکار بنا سکتے ہیں رنگ آنکھوں کو چمک اور ٹھنڈک دیتے ہیں جو دل تک اتر جاتی ہے۔ اور روشنی اندھیروں میں پھیل جاتی ہے۔ جی چاہا ان میں سے کوئی ایک تصویر خرید لیں۔ اس چھت کے نیچے ہر چیز برائے فروخت تھی۔ لڑکیوں اور فرنیچر کے علاوہ۔ سیاح دو چیزوں سے پرہیز کرتا ہے۔ وزن اٹھانے اور شاپنگ پر ڈالر لٹانے۔ یہاں تصویروں کا وزن بھی تھا اور ڈالر کا خرچ بھی۔

اس نے دیکھا کئے۔ ٹھنڈی سانسیں بھرا کئے۔ باہر نکلتے وقت صرف ایک جاپانی کا جملہ ہمارے ساتھ تھا۔ گھنے جنگلوں میں اترنے والی ایک نازک سی تتلی اور رنگوں خوشبوؤں سے بھرا دل جی چاہتا تھا دیر تک آنکھیں بند رکھیں اس رنگ و نور کی دنیا کے بعد کچھ نہ دیکھیں۔ جب بھی نازل کو نیلیں دیکھیں رنگوں میں ڈوبے پھول دیکھے' کاندھوں پر ہمالی بارش پڑی اپنے چاروں طرف روشنی پائی یہ خالق کائنات سے ایک بڑا مصور' وہ ہر جگہ ہے' تاکہ اپنی رحمت کی عنایت کی بارش برساتا رہے۔

راستوں کے دونوں طرف کوئی دیہات تھا۔ لکڑی کے ستونوں پر زمین سے اوپر اٹھے مکان بنے تھے۔ نیچے خالی جگہ تھی۔ یہاں اسی قسم کے مکانوں کا رواج ہے۔ تاکہ انسان پانی کے سیلاب سے' موذی کیڑوں سے محفوظ رہے۔ سیلاب اب نہیں آتے۔ موذی کیڑے مار دوائیں بھی آگئی ہیں۔ بس ایک رواج سا رہ گیا ہے مکان کے نیچے گاڑیاں پارک ہوتی ہیں۔ ہمیں یہ اچھا لگا۔ تعریف کر دی تو رام خوش ہو گیا۔ ایک جگہ گاڑی روک دی ناریل پانی خریدیں۔ اناناس کھالیں پی لیں۔

کوالالمپور میں دیکھنے والی چیزوں میں ایک باتو کیو بھی ہے۔ یہ قبل از تاریخ کا ایک غار ہے۔ جس میں ایک بت رکھا ہے۔ بلکہ صرف سر رکھا ہے۔ سیاحوں کے دیکھنے۔ بلکہ مشقت کی ایک جگہ ہے۔ رام ہمیں وہاں لے کر گیا۔ اس غار تک جانے کے لئے دو سو بہتر سیدھی سیڑھیاں ہیں۔ ہم دیکھ کر ڈر گئے۔ اتنے اوپر جا کر۔ بت دیکھنا تو کوئی عقلمندی نہیں۔ رام نے آدھے گھنٹے بعد آنے کا وعدہ کیا اور سیڑھیوں کے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔ ہم نے ایک نظر آسمان تک جاتی سیڑھیاں دیکھیں اور ہمت ہار گئے۔ اس غار کے تین طرف کھانے پینے اور خریداری کی دکانیں تھیں۔ ہم نے سوچا کچھ اُن کی مدد کریں۔ اسی لمحہ کسی نے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا پلٹ کر دیکھا تو مسز والئہ تھیں ''کیا ارادہ ہے؟'' وہ مسکرائیں۔ ہم نے اوپر چڑھنے سے معذرت کی۔ انہوں نے زور سے کندھے پر ہاتھ مارا ''ینگ مین۔ اتنی سی سیڑھیوں سے گھبرا گئے'' ایک بار لندن میں نیگرس عورت کا مضبوط ہاتھ کا وار کاندھے پر اس لئے سہہ لیا تھا کہ اس نے ہمیں ''ینگ بوائے'' کہا تھا ینگ مین۔ سنتے ہی ہم ینگ مین بن گئے۔ دل میں سوچا مقابلہ پاکستان اور جرمنی کا ہے۔ اپنے سے زیادہ ملک کی عزت کا سوال ہے۔ ہم نے پنجابی فلموں میں پنڈ دی عزت کے سوال پر ہیرو کو خوناں خون ہوتے

دیکھا تھا۔ دیار غیر میں دو سو بہتر سیڑھیاں ہمارے سامنے ایک للکار بن گئیں۔ ہم نے سوچا اہل وطن کو ہمارے کارنامے کا علم ہوگا تو وہ فخر سے سر بلند کر لیں گے۔ ''آئیں اوپر چلیں'' مسز والئہ نے مسکرا کر کہا۔ ہم نے بسم اللہ پڑھ کے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا۔ اور پھر اوپر جا کر سانس لیا اس دن پتہ چلا کہ دو سو بہتر لکھنا اور سیڑھیاں چڑھنا الگ بات ہے نیچے دیکھا تو احساس ہوا ہم بہت اوپر آ گئے ہیں۔ ان سیڑھیوں کے بعد ایک بڑا سا میدان پھر چند سیڑھیاں' اوپر ہزاروں لاکھوں سال پرانے پتھر۔ اپنی جگہ سے ملے ہوئے۔ سیڑھیاں چڑھ کر اور اوپر پہنچے۔ ایک کونے میں دیوار کے اندر ایک بت کا سر رکھا تھا۔ یہ لارڈ مرغاں کہلاتے ہیں لارڈ اس لئے کہ وہی اتنے اوپر رہنا برداشت کر سکتے ہیں۔ مرغاں کے بارے میں کچھ پتہ نہ چلا کہ ہمارا گائیڈ غائب تھا۔ ہمیں وہ پسند نہیں آئے اتنے اوپر آ کر انہیں دیکھ کر کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ کیا خبر ان کے جذبات بھی کچھ ایسے ہی ہوں ''لارڈ صاحب کے چاروں طرف ننھے منے بلب جل بجھ رہے تھے۔ یہاں ہر سال ایک بڑا سا جشن منایا جاتا ہے دور دور سے ہندو آتے ہیں۔ بھجن گاتے' ماتھا ٹیکتے' حلوہ کھاتے لٹاتے رہتے ہیں۔ اور اندر جا کر دیکھا تو پہاڑ جگہ جگہ سے ٹپک رہا تھا۔ پتھروں کی شکلیں بھی عجیب عجیب تھیں۔ سیاح حیرانی اور ہندو عقیدت سے دیکھ رہے تھے۔ ہمیں یوں محسوس ہوا یہ گرنے والے ہیں۔ خیر ہوئی۔ خدا نے بچایا اس دن تو پہاڑ اور پتھر اپنی جگہ رہے۔ اب کا حال رام جانے۔ یعنی گائیڈ۔ ایک بار پھر لارڈ صاحب کے دیدار کئے اور عرض کیا ''حضور نیچے ہی بیٹھ لیتے تو سیڑھیاں چڑھنے سے بچ رہتے'' لیکن وہ پتھر کے تھے کیا سنتے۔ کیا دیکھتے۔ اب جو سیڑھیاں اترنا شروع کیں تو احساس ہوا یہ کام چڑھنے سے زیادہ مشکل ہے۔ لیکن اترنا ضروری تھا۔ لارڈ مرغاں یا اس وحشت ناک غار میں کہاں قیام کرتے۔ سیڑھیوں پر ایک عورت کو جھاڑو دیتے دیکھا۔ اس پر بڑا ترس آیا۔ غریب کو مجبوراً ہر روز دو سو بہتر سیڑھیاں چڑھنی اترنی پڑتی ہوں گی۔ دل میں لارڈ مرغاں کے لئے کیا جذبات رکھتی ہوگی۔ یہ جانے بغیر ہم نیچے اترے تو پیاس لگی تھی۔ سامنے ٹھنڈا میٹھا ناریل بک رہا تھا دو ملائشیا کے ڈالر کے عوض چند گھونٹ پانی مہنگا سودا تھا۔

جب ہم پانی پی چکے تو رام کسی کونے سے برآمد ہوا۔ اور روانگی کا اعلان کیا ہم جھٹ گاڑی میں بیٹھ گئے۔ سفر شروع ہوا ایک جگہ روک کر اشارہ کیا۔ وہ ٹن کی کان ہے۔ ہم نے اس طرف

جانے کا ارادہ کیا تو موصوف ڈرانے لگے۔ نزدیک جاؤ گے تو پھنس جاؤ گے۔ اور کیونکہ ہم پردیس میں پھنسنا نہیں چاہتے تھے اس لئے کان سے دور رہے۔

رام انگریزی بول رہا تھا۔ یہاں ہر شخص تین زبانیں بولتا ہے ایک اپنے گھر کی۔ دوسری انگریزی اور تیسری مقامی زبان ملئے۔ اسکول میں ملئے سکھائی جاتی ہے۔ انگریزی کی مشق ہوتی ہے۔ بچے اسکول سے آگے بہت کم پڑھتے ہیں۔ یونیورسٹی میں طلبہ کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔ اس سے پہلے یہ کام پر لگ جاتے ہیں۔

ایک بڑی سی عمارت میں تمام سرکاری دفتر تھے۔ یہاں تک کہ انکم ٹیکس کا دفتر بھی تھا۔ جو ماؤ اس میں سے حکومت کا حصہ الگ نکال دو۔ ہاکی اسٹیڈیم دیکھا اچھا تھا۔ اس کے بعد قومی یادگار دیکھنے نیچے گاڑی کھڑی کر کے اوپر آئے چاروں طرف سبزہ ہے۔ پھول ہیں۔ پودے ہیں۔ ایک بڑا سا ٹاور ہے۔ جس پر دو جنگوں 1918ء سے 1948ء کمیونسٹ مسئلہ کا یادگار ہی ہے۔ کمیونسٹ لوگوں کو لوٹ مار کر جنگلوں میں جا چھپے۔ نیوزی لینڈ، آسٹریلین، برطانوی اور ہندوستانی سپاہیوں نے مدد کی ان کی یادگار بنائی گئی ہے۔ فوارے اندر ہے ہیں۔ دو طرف خوبصورت سنہرے گنبد ہیں درمیان میں ایک بڑا سا چبوترا ہے جس میں امن کا مجسمہ لگا ہے یہ ایک امریکی کاری گر کا کارنامہ ہے ایک آدمی جھنڈا لئے کھڑا ہے۔ ملائشیا کا جھنڈا ایک نظر میں امریکی لگتا ہے جو آدمی جھنڈا لئے کھڑا ہے اس نے سر پر ہیٹ لگایا ہے۔ بالکل امریکی ہے۔ اس کے برابر دائیں طرف ایک آدمی بندوق لئے کھڑا ہے۔ بائیں جانب کا سپاہی بندوق سے نیچے گرے ہوئے آدمی کو مار رہا ہے۔ اس کے نیچے دو آدمی ایک زخمی کی مدد کر رہے ہیں۔ اس کے برابر تین دو کو مار رہے ہیں۔ ایک نظر میں یوں محسوس ہوتا ہے امریکی جاپانیوں کو مار رہے ہیں۔ گائیڈ کا اصرار ہے مار کھانے والے کمیونسٹ ہیں۔ پھر مارنے والی امریکی اور پٹنے والی روسی ہیں۔ گائیڈ کا کہنا ہے جھنڈا لئے آدمی لیڈر شپ ہے۔ بندوق بردار چوکسی، زخمی کی امداد باہمی۔ اور دشمن کو کچلنا تمام برائیوں کو جڑ سے اکھاڑتا ہے۔ ہم سیاح ہیں۔ جو گائیڈ کہتا ہے صحیح ہے۔ یہ منظر اچھا لگا۔ یہاں سے کھڑے ہو کر پارلیمنٹ کی عمارت دیکھی یہ 1963ء میں بنی تھی۔ اس میں اٹھارہ منزلیں ہیں۔ پارلیمنٹ کے ممبر ایک سو ستر اور سینٹ کے سرسٹھ ممبر ہیں۔ پانچ سال بعد الیکشن ہوتا ہے۔ سینیٹر وہ ہوتے ہیں جو ملک اور قوم کے

نامور لوگ ہوتے ہیں۔ ان کے انتخاب وزیر اعظم، سلطان یا وہاں کے قائد اعظم تنکو عبدالرحمان منتخب کر لیں ان کے مرنے سے اب نہ جانے کون کرتا ہوگا ہمارے ہاں یہ نظام رائج ہوتا تو ہم بھی سینیٹر ہوتے۔ آخر کو نامی گرامی انسان ہیں۔ اب واپسی شروع ہوئی کہاں سے جبرے راستے کے دونوں طرف پودے تھے۔ ہماری جو شامت آئی تو ان کے بارے میں پوچھ لیا۔ اس ظالم نے جھٹ ایک پھول توڑا اور ہمیں پیش کر دیا۔ ہم نے شکریہ ادا کیا۔ لیکن وہ مصر رہا کہ ہم نوش کر لیں یہ قومی پھول ہے، نہایت لذیذ ہوتا ہے، مجبوراً نوش کیا۔ بلکہ والٹر اور مسز والٹر نے بھی کھایا۔ کڑوا تھا۔ لیکن ابھی ہمیں کوالالمپور میں مزید دو دن رکنا تھا اس لئے تعریف کر دی اور نتیجہ یہ نکلا کہ ایک پھول اور کھانا پڑا۔ کھا گئے۔ ذرا دور سلطان کا محل تھا، باہر سے دیکھا بڑا سا گیٹ بند تھا۔ اندر جانے کے لئے سلطان یا سفیر ہونا ضروری تھا فی الحال ہم ان میں سے کوئی نہیں تھے اس لئے دور سے نظارہ کیا۔ گیٹ کے دونوں طرف تاج بنے ہوئے تھے۔ نہ ہوتے تو بھی سلطان کا محل مان لیتے۔ گائیڈ نے جو کہا تھا۔ والٹر نے فوراً تصویر کھینچ لی اور ہمارے کان میں کہا "یہ تصویر جرمنی بھیجوں گا" اس ہوٹل میں ٹھہرا تھا۔ اس کے خیالات باغیانہ تھے۔ خیر ہم تک رہے اور وہ بچ رہا۔

سڑک کے دائیں طرف ایک پینتیس منزلہ عمارت دیکھی۔ نہایت حسین اور صاف ستھری جاپانیوں نے بنائی ہے۔ انہوں نے ٹھیکہ لیا کہ عمارت اٹھائیں مہینے میں تعمیر کر دیں گے ظالموں نے دن رات کام کر کے چھبیس مہینے میں بنا دی۔ ملائشیا کے لوگ خوش ہو گئے اسے دیکھ کر ہم بھی خوش ہوئے رام خوش ہوا۔ اور میوزیم کی طرف چلے۔ یہ ایک بڑی سی عمارت ہے۔ گیٹ پر سو سالہ پرانی رتھ رکھی ہے۔ گائیڈ کہتا ہے کہ پرانی ہے تو مان لیتے ہیں ورنہ کہیں سے پرانی نہیں لگتی۔ خوبصورت رنگین سال میں ایک بار اسے شہر میں گھماتے ہیں۔ ان دنوں میوزیم میں کیٹ شو جاری تھا۔ دنیا بھر سے بلیوں کی تصویریں آئی تھیں۔ ہمارے گائیڈ رام کی تصویریں بھی رکھی تھیں جو سب سے گئی گزری تھیں لیکن ہم نے اس درجہ تعریف کر دی کہ جب وہ انعام سے محروم رہا ہوگا تو اسے بے ایمانی قرار دیا ہوگا۔ یہاں آ کر محسوس ہوا کہ بلیاں بھی خوبصورت ہوتی ہیں۔ ہر ملک، رنگ اور نسل کی بلی اور کمال کی بات میوزیم میں بلی کا داخلہ ممنوع ہے۔ یہ شو دیکھنے ایک بلی بھی نہیں آئی۔ وہی بات کہ گھوڑے دوڑتے ہیں تو لوگ جوق در جوق دیکھنے آتے ہیں۔ لوگ دوڑتے ہیں تو ایک

گھوڑا بھی دیکھنے نہیں آتا۔ اتنی بہت سی بلیوں کی تصویریں دیکھ کر کاؤنٹر پر کھڑی لڑکی بھی ہمیں بلی کی طرح محسوس ہوئی۔ اور اپنے دل میں ہم نے اسے بلی اول انعام دیا۔

میوزیم کے دو حصے ہیں۔ بائیں طرف کلچرل' دائیں جانب ہسٹری' دونوں دیکھنے کے ہیں۔ پہلے بائیں طرف کا رخ کیا۔ یہاں دنیا نرالی تھی۔ شادی بیاہ کی رسمیں ہو رہی تھیں۔ لڑکیاں ناچ رہی ہیں گا رہی ہیں' ایک دوسرے کو چھیڑ رہی ہیں' دولہا دولہن بیٹھے ہیں اپنے روایتی لباس پہنے۔ گھروں کے ماڈل ہیں زیورات سجے ہیں۔ بچے کے پنگوڑے' لکڑی کا کام' برتن کا کام کرتے لوگ' مسکراتے ہنستے لوگ' آگے چل کر ایک قبرستان بنا تھا۔ یہ ہم نے پہلی بار دیکھا۔ قبریں انسان کے آرام کرنے کا مستقل ٹھکانہ یہاں صرف سیاح زندہ تھے۔ دیکھنے والے حرکت کر رہے تھے۔ باقی زندگی منجمد تھی۔ کسی جادوگر نے پتھر کا بنا دیا تھا۔ اس کا توڑ کس کے پاس ہے۔ ان بے جان مجسموں میں کون جان ڈالے گا شاید کوئی نہیں۔

دائیں طرف تاریخ کا سفر تھا۔ پرانے زمانے میں استعمال ہونے والے برتن' ہتھیار' پتھر' مٹی' زیورات' چاندی' سونے کا کام' گھر' اس سرزمین پر پرتگیزی آئے' ڈچ رہے' انگریز چینی آباد ہوئے' یہاں کی تہذیب' رہن سہن' لباس' خوراک' زبان سب پر ان کا اثر ہوا۔ رنگ چڑھے' ثقافت رنگا رنگ ہوگئی۔ زندگی پر کیف بنی۔ ایک جگہ امام صاحب کا منبر رکھا ہے۔ یہاں سے خدا کی برتری کا اعلان ہوتا تھا۔ اب یہ خاموش ہے۔ صرف امام کی آواز' ورنہ اندر باہر ہر جگہ اس کی بڑائی' اس کی عظمت کا اعلان ہر وقت ہوتا ہے۔

1985ء میں یاسر عرفات نے بادشاہ سلامت کو ایک خوبصورت مسجد کا ماڈل دیا وہ یہاں رکھا ہے۔ ہال کے اندر فرش کا میوزیک پاکستان نے بنا کر دیا ہے۔ رام نے خوشی سے بتایا۔ ہم نے فخر سے سنا۔ یہاں پاکستان کا نام کھدا ہے۔ اس میوزیم میں یہی ایک نمایاں چیز ہے۔

ایک جگہ ٹیلی ویژن پر بچوں کے لئے کارٹون فلمیں دکھائی جا رہی ہیں۔ بڑے بھی تھک کر بیٹھ جاتے ہیں ہم بھی ذرا دیر کو بیٹھے پھر چل پڑے۔ وقت کم اور دیکھنے کو بہت ہے۔

عدالتِ عالیہ کے پاس پہنچے۔ مصنف نہیں تھے جرم نہیں کیا تھا اس لئے وہاں سے گزر گئے۔ سلطان عبدالصمد بلڈنگ آئی۔ کلب' ایک گرجا' بنک' کھیل کے میدان' ایک زندہ قوم کے کام

کرنے کھیلنے اور تفریح کے مقام' جگہ جگہ شہر کے گنبد' دو ایک سیاہ تھے۔ گائیڈ کوان کی سیاہی کا علم نہ تھا۔ صاف ستھری سڑکیں' چھا انتظامیہ کے مطابق بارش کا کارنامہ سال میں اتنی سے سوا نچ ہوتی ہے۔ سڑکوں کو اس طرح بنایا گیا ہے کہ پانی فوراً بہہ جائے دونوں طرف اوپر نیچے سبزہ ہی سبزہ دیوں محسوس ہوتا ہے ملائشیا ایک باغ ہے کوالالمپور ایک سبز پارک ہے جس کے درمیان عمارتیں بنا دی گئی ہیں۔ بالکل سنگاپور کی طرح' ان کے درمیان مقابلہ ہے اشیاء کی قیمتیں تک وہی ہیں جو سنگاپور میں ہوتی ہیں۔ اصول ضابطے سب وہی ہیں۔ جگہ جگہ فٹ پاتھ پر سرخ ٹائل لگے ہیں۔ بس ایک گڑبڑ ہے ٹریفک کے نظام میں۔ سڑک پر کئی کئی میٹر تک دائیں سے بائیں جانے والی سڑک سے آنے والی سڑک پر نہیں آ سکتے۔ اس سے ٹیکسی کے کرائے میں فرق پڑتا ہے۔

ہم جب بھی پاکستان سے باہر گئے۔ اس ملک میں پاکستان سے رابطہ نہیں توڑا۔ سفارت خانے کا نمبر ضرور ملاتے ہیں۔ کوالالمپور میں پاکستان سفارت خانے کا نمبر بڑی مشکل سے ملا۔ وجہ اس کی؟ ٹیلی فون ڈائریکٹری کی ناپید تھی۔ مشکل سے کاؤنٹر سے ملی تب ٹیلی فون نمبر ملانے لگے۔ سفارت خانے میں چھٹی تھی۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ ایک نمبر مل گیا۔ بلکہ وہاں سے کسی نے اٹھایا اور بتایا کہ چھٹی ہے ہم نے اس کا نام پوچھا۔ اقبال تھا اسی سے سفیر کے گھر کا نمبر ملایا۔ دوسرے دن بھی چھٹی تھی۔ تیسرے دن ہم مصروف تھے۔ اور پھر روانگی تھی۔ سفیر صاحب گھر پر مل گئے۔ ہم نے ملنے کی خواہش کی۔ انہوں نے دوسرے دن گھر بلایا۔ ازراہِ عنایت مکمل پتہ بھی سمجھا دیا۔ ہم خوش ہو گئے۔ دیارِ غیر میں عرصے کے بعد اردو بولنے کا موقع ملے گا۔ ہم وطن سے ملاقات ہوگی۔

ہمارے ایک دوست ہیں رفیق' بے حد ملنسار خوش اخلاق' جب ہمارے مشرق وسطی کے جانے کی خبر پھیلی انہوں نے اپنے لئے ایک قمیص لانے کے لئے کہا۔ شرط سفید رنگ کی تھی۔ یہ بنکاک میں نہیں ہوتا سنگاپور میں بھی نظر نہیں آیا۔ پینانگ میں تلاش نہیں کیا۔ پروگرام یہ بنایا کہ کوالالمپور میں خرید لیں گے۔ رام سے ذکر کیا اس نے بتایا۔ یہاں ڈھیروں کے حساب سے سیکڑوں شرٹ ملتی ہیں یہ بھی کہا کہ سینٹرل مارکیٹ چلے جانا۔ ٹیکسی میں تین ڈالر لگیں گے۔

سہ پہر کو سڑک کے کنارے کھڑے ہو گئے۔ جس ٹیکسی کو ہاتھ دیں وہ رک جاتا لیکن جب سینٹرل مارکیٹ کا سنتا سیدھا چلا جاتا۔ یہ معمہ ہماری سمجھ میں نہ آیا۔ نہ جانے رام نے کیا جگہ

بتادی۔ اس ظالم سے مذاق بھی نہیں تھا ہم تقریباً مایوس ہونے والے تھے تب ایک ٹیکسی والے نے کہا ''آپ غلط جگہ کھڑے ہیں۔ یہاں سے کوئی سینٹرل مارکیٹ نہیں لے کر جائے گا۔ کیونکہ دوسری سڑک پر جانے کے لئے دو کلومیٹر بعد سڑک مڑتی ہے آپ سامنے کی سڑک پر کھڑے ہو جائیں تمام ٹیکسیاں اسی طرف جا رہی ہیں۔ یہ ایک مرحلہ دار درسن تھا پہلے زیبرا کراسنگ تلاش کریں ورنہ پانچ سو ڈالر جرمانہ بھریں غلط جگہ سڑک پار کرنے کا۔ ہم تقریباً مایوس ہو گئے پھر خیال آیا زیبرا کراسنگ نظر سے گزری تھی شاید زیادہ دور نہیں ہے شاپنگ اپنے لئے ہوتی تھی تو ہمت نہ کرتے۔ رفیق کی وجہ سے آگے بڑھے۔ ایک فرلانگ بعد زیبرا کراسنگ تھی۔ اطمینان سے اسے پار کیا۔ پہلی ہی ٹیکسی رک گئی۔ سینٹرل مارکیٹ پہنچے تو میٹر میں چار ڈالر بنے تھے۔ ہمیں افسوس ہوا گائیڈ نے تین ڈالر بتائے تھے۔ اگر رام کی معلومات یہی تھیں تو اللہ مالک ہے۔ ظالم سب کچھ غلط سلط بتا گیا ہوگا اب تصحیح کس سے کرائیں؟

ہم نے ٹیکسی والے کو چار ڈالر دیئے اس نے واپس کر دیا۔

ہم نے حیران ہو کر پوچھا ''کیا خرابی ہے اس ڈالر میں؟''

''کوئی نہیں'' جواب ملا ''مجھے صرف تین ڈالر چاہئیں''

لیکن میٹر میں تو چار بنے ہیں۔ پھر تین کیوں''

''ہوٹل گرینڈ پیسیفک سے سینٹرل کے تین ڈالر بنتے ہیں۔ میں لمبے راستے سے آیا۔ اس میں آپ کا کیا قصور'' ٹیکسی چلی گئی۔ ہم حیران ایک ڈالر لئے کھڑے رہے۔ اپنے گائیڈ رام کو مان گئے۔ اس نے جو اپنا تاثر بگڑتے دیکھا جھٹ حالات سنبھال لئے۔ ایک ڈالر کی حیثیت مگر دیکھاں تو ملائشیا کے سارے ٹیکسی والوں کا امپریشن اچھا ہو گیا۔ اب اگلے دو دن جتنے ڈالر چاہیں بٹور لیں۔ ہم بخوشی دے دیں گے۔

سینٹرل مارکیٹ میں سب کچھ تھا۔ کھانے پینے سینے پرونے' سیڑھیاں اوپر جاتی ہیں۔ نیچے آتی ہیں۔ لوگ خالی ہاتھ اندر آتے ہیں۔ اور تھیلے اٹھا کر باہر جاتے ہیں۔ روشنیاں ہیں۔ چیزیں ترتیب سے رکھی ہیں۔ سیلز گرل مسکرا مسکرا کر استقبال کرتی ہیں۔ کپڑے کے پھول ڈھیروں ہیں۔ قیمت اصلی پھولوں سے زیادہ ہے۔ کیا خبر پھول سے چہروں کی وجہ سے زیادہ ڈالر رکھے

ہوں۔ ہم نے سوئی سے لے کر ہاتھی تک کی قیمت پوچھی۔ چونکہ سوئیوں کا پیکٹ ایک ڈالر کا تھا' ہاتھی تھا نہیں۔ ہمیں وہی چاہئے تھا۔ کاؤنٹر پر آرڈر بک کرا کے چلے آئے۔ وہاں جانے کا ایک فائدہ ہوا۔ سو ڈالر کا ایک امریکی نوٹ کیش کرانا چاہتے تھے۔ لیکن صرف پچاس باقی اسی سکے میں واپس چاہئے تھے۔ دوران سفر پورا نوٹ چینج کرانا پڑتا تھا۔ کئی جگہ دریافت کر چکے تھے۔ یہاں بھی ایک زرِ مبادلہ کی دکان دیکھی۔ یوں ہی تفریحاً پوچھ لیا۔ اس شام کوالالمپور والوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ہمارا امپریشن اچھا کریں گے۔ اس لئے سو ڈالر دے کر پچاس واپس ملے اور پچاس کی جگہ ملائشی ڈالر' خیر اس کے باوجود بھی ہمارا تاثر زیادہ اچھا نہ ہوا کہ ہمارے دوست رفیق کے لئے سفید قمیص نہ مل سکی۔

سید عظمت ہمارے سفیر تھے

دس بجے سفیر سے ملنے کا وقت تھا۔ ہم نو بجے تیار ہو کر نکلے۔ ٹیکسی فوراً مل گئی۔ اسے پتہ سمجھایا ایک خوبصورت علاقے میں چاند ستارے والا جھنڈا لہراتا دیکھا۔ دل خوش ہو گیا۔ مکان یوں محسوس ہوتا تھا ایک محل ہے دروازے کے اندر بڑا سا لان ڈھیروں پھول' اور پھر خوبصورت عمارت' ہم نے گھنٹی بجائی۔ اپنی شناخت کرائی ملازم نے ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔ ابھی دس بجنے میں دیر تھی۔ ایک کپ چائے اور بسکٹ نوش کئے۔ ٹھیک دس بجے سفیر تشریف لے آئے۔ نہایت منسار خوش اخلاق' سید عظمت نام ہے۔ پرانے سول سرونٹ ہیں۔ اس سے پہلے اٹلی اور نیویارک میں فرائض انجام دے چکے ہیں۔ پاکستان علاوہ اہل وطن کے لئے دل میں درد رکھتے ہیں۔ پاکستان کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ اپنے وطن کی تازہ خبریں ملیں۔ چائے کا ایک دور چلا چھٹی کا دن تھا سفیر بھی فارغ تھے۔ اور ہمیں بھی کہیں جانا نہ تھا وزیر اعظم پاکستان حال ہی میں دورہ کر کے گئے تھے اس کا ذکر بھی رہا۔ عظمت صاحب کی کوششوں سے وزیر اعظم پاکستان کی تنکو عبدالرحمان کی ملاقات کوالالمپور میں کرائی۔ وہ ان دنوں حیات تھے اور پینانگ میں قیام تھا۔ اپنی ریٹائرڈ زندگی اسلام کی تبلیغ میں گزار رہے تھے۔ جن دنوں ہم پینانگ گئے وہ تبلیغی مشن پر جزیرے سے باہر گئے ہوئے تھے۔ اس اطمینان کے ساتھ کہ ہم جدی پشتی مسلمان ہیں۔ ہمیں پند و نصیحت کی کیا ضرورت

ہے۔ وزیر اعظم پاکستان نے تنکو عبدالرحمان کو تبلیغی کاموں کے لئے پچاس ہزار ڈالر دیئے تھے۔ تنکو عبدالرحمان خوش ہوئے تھے۔ ہم صرف اس اطلاع سے بے حد خوش ہوئے۔

ان دنوں ملائشیا کے وزیر اعظم ڈاکٹر مہاتیر تھے اور خاتون اول بھی دونوں ملک کو صاف ستھرا کر رہے تھے۔ ان کے بزرگوں کا تعلق سنا ہے پاکستان سے ہے غالباً ملتان شہر سے اس خبر پر ہمیں حیرت ہوئی کہ کوالالمپور میں صفائی تھی اور نظام درست تھا۔ حالانکہ اس شہر میں بیس ہزار پاکستانی رہتے ہیں۔

سید عظمت شکایت کرنے لگے "ٹیلی ویژن سے لوگ آتے ہیں تو سفارت خانے سے رابطہ قائم کرتے ہیں ریڈیو پاکستان سے جو بھی آتا ہے اطلاع نہیں دیتا آپ پہلے شخص جو آئے ہیں" ہم نے ان کی غلط فہمی دور کر دی۔ ہم بھی پہلے آدمی نہیں ہیں۔ کیونکہ نجی دورے پر آئے ہیں۔ پھر ریڈیو کی باتیں ہوتی رہیں۔ پاکستان کے ممتاز شاعر خاطر غزنوی ان دنوں کوالالمپور کی ایک یونیورسٹی میں اردو پڑھاتے تھے ہم نے اپنی چند کتابیں لائبریری کے لئے پیش کیں۔ سفیر محترم نے کھانے پر اصرار کیا لیکن ہم بہت وقت لے چکے تھے۔ اس لئے اجازت چاہی۔ انہوں نے ٹیکسی منگوا دی ہم بہت سی خوش گوار یادیں لے کر یوہان مارکیٹ کی طرف چل پڑے۔

یوہان سپر مارکیٹ ہے ہر منزل' منزل مراد ہے ایک فلور پر بیڈ روم تھے۔ دنیا کے حسین اور آرام دہ نظر آنے والے۔ وہاں بہت سی خواتین کو دیکھا۔ ہاتھ لگا کر گدوں کی نرمی کا یقین کر رہی تھیں۔ ہم نے بھی ہاتھ کو لطف اٹھانے دیا۔ سیلز گرل مسکرا رہی تھی اس سارے عرصے ہم بھی مسکراتے رہے۔ کسی ایک بستر پر آرام کرنے کو بہت جی چاہا لیکن اس کے لئے ہزاروں ڈالر اور دوسرے کی رضا بھی درکار تھی۔ غریب سیاح ان چیزوں سے محروم ہے۔

ٹھنڈی سانسیں بھر کر باہر نکلے تو ٹیکسی روک لی۔ ہوٹل پہنچے تو ٹیکسی والا نصیحت کرنے لگا آپ نے خواہ مخواہ ٹیکسی کی۔ سپر مارکیٹ سے آپ کے ہوٹل کا راستہ صرف پانچ منٹ کا ہے جہاں آپ شاپنگ کے لئے گئے تھے۔ اس کی پشت پر ہوٹل تھا وہ دیکھئے سامنے دیکھا یوہان سپر مارکیٹ تھی کمال ہو گیا دو ڈالر گئے۔ لیکن یہ معلوم ہو گیا کہ ہوٹل اور یوہان آمنے سامنے ہیں۔ ٹیکسی چلی گئی تو ہم نے فیصلہ کیا "شام کو دو ڈالر بچا لیں گے"۔

آج کی شام تھی شاپنگ کے لئے۔ سڑک پار کر کے ایک بڑی سی مارکیٹ تھی۔ دی مال اب

سوال یہ تھا کہ سڑک کیسے پار کی جائے۔ ٹیکسی لیں تو دو ڈالر کا خسارہ اور ویسے بھی زندگی بھر کی خجالت کہ جالان اسماعیل پار نہیں کی۔ بہت دیر تک فٹ پاتھ پر ہمت کرتے رہے۔ پھر جی چاہتا تھا اپنے پاکستانی ہونے کا یقین کریں۔ یہاں کے سخت قانون توڑ دیں۔ پھر دیکھا جائے گا' جرمانہ ہوگا نہ دے سکے تو جیل ہو جائے گی۔ دو چار دن وہاں رہ لیں گے۔ کسی کو کیا خبر ہوگی۔ ملک میں لوگ سمجھیں گے جنگلوں' چشموں اور جھیلوں کی سیر کر رہے ہوں گے۔ یہاں کی ریل دیکھی چلو جیل بھی سہی یہ سوچ کر ذرا سا آگے بڑھے۔ دائیں طرف کی سڑک پر ٹریفک کم تھا۔ ایک بار ایسا محسوس ہوا کہ سڑک خالی ہے بس اسی لمحہ بھاگے اور چند لمحوں بعد سڑک پار کر لی۔ چاروں طرف سیٹیاں بجنے لگیں اور کئی لوگ ہماری طرف بھاگے۔ ہم نے دل ہی دل میں خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا۔ چند لمحے کچھ نہ ہوا تو ہم نے ادھر اودھر دیکھا۔ فٹ پاتھ خالی تھی یعنی ابھی تک پولیس نہیں آئی تھی۔ اب مزید انتظار بے کار تھا۔ اس لئے روشن دی مال کی طرف بڑھے نزدیک سے دیکھا تو دوسری طرف یوہان کا نیون سائن روشن ہے اب سمجھے یوہان کا پیار کا نام ''دی مال'' ہے۔

آج ڈالر لٹانے اور اشیاء سمیٹنے کی شام تھی۔ سلک کے پھول خریدے گئے۔ اصل سے زیادہ اچھے تھے جو خاتون بیچ رہی تھیں ان کا اصرار تھا سب خرید لیں ہم نے ایسا نہیں کیا' سارے پھول خرید لیتے تو وہ کیا کرتیں؟ دکان بند کر دیتیں؟ پھر کہاں جاتیں ہم شریف آدمی ہیں کپڑے کے پھولوں پر گزر بسر کر سکتے ہیں۔ بہت سے پھول ایک تھیلے میں ڈال لئے۔ اس پر خاتون نے خوش ہو کر ایک اصل گلاب کا پھول تحفے میں دیا۔ ہم نے شکریہ ادا کیا۔ اور ہاتھ ملا کر دوسری منزل پر چلے گئے یہاں سیکڑوں شرٹ تھیں۔ اور آج ہمیں اپنے دوست رفیق کے لئے ہر قیمت پر قمیص خریدنی تھی ورنہ تعلقات میں دراڑ آ جائے گی۔ افسوس پورے فلور پر ایک سفید قمیص نہیں تھی۔ نہ جانے وہاں سفید رنگ ہوتا بھی ہے یا نہیں۔ آخر مجبور ہو کر ایک ہلکی نیلی قمیص خرید لی۔ اور بل کے پیچھے سیلز گرل سے سند لکھوائی کہ یہاں سفید قمیص فروخت نہیں ہوتی۔ مارکیٹ سے باہر نکل کر دیکھا ہمارے ہوٹل کے نام کا نیون سائن جل رہا تھا...... ہم ہوٹل سے دور نہیں تھے۔

ہم نے جوا کھیلا اور ہار گئے

ملائشیا میں مسلمان پچاس فیصد ہیں۔ حالانکہ اکیاون فیصد ہوتے تب بات بنتی۔ اس لئے ہم تیار ہیں وہاں سرکاری قیام وطعام کے لئے راضی ہیں۔ کم از کم جس محکمے میں کام کریں گے جہاں جائیں گے۔ مسلمانوں کو اکیاون فیصدی بنا دیں گے۔ لیکن سیر و سیاحت کے دوران جو مشورے دیتے ہیں اس پر حکومتیں عمل نہیں کرتیں اور عموماً ہماری واپسی کے بعد بدل جاتی ہیں۔ ہندوستان گئے تو راجیو گاندھی کی حکومت بدل گئی۔ بنکاک سنگاپور کی برس ہا برس کی حکومتوں کو زوال آ گیا۔ ملائشیا کے وزیر اعظم بدل گئے۔ ہم تو عوام کو مشورہ دیں گے کہ ان کے ملکوں میں اگر حکومت ناپسندیدہ ہو اور جانے کا نام نہ لیتی ہوں تو ہماری خدمات حاضر ہیں۔ قیام طعام اور ہوائی سفر کے اخراجات پر ہم ان کے ملک کا دورہ کرنے پر آمادہ ہیں۔ انشاء اللہ نتائج بہتر برآمد ہوں گے۔ ورنہ رقم واپس کر دیں گے منی بیک گارنٹی ہے۔

کوالالمپور میں ہمارے قیام کا آخری دن تھا اور پروگرام کے مطابق آج جینٹنگ ہائی لینڈ کی سیر تھی۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ یہ پہاڑی علاقہ ہے۔ موسم خوشگوار ہوتا ہے ہم ملائشیا دسمبر میں پہنچے تھے اور اب جنوری تھا لیکن موسم کا برا حال تھا۔ صبح سے شام تک ہر وقت گرم تھا۔ ہوٹل اور سپر مارکیٹوں میں رہ کر بسر ہوئی۔ اب جو پہاڑی مقام کا نام سنا تو دل خوش ہو گیا۔ کھلی فضا میں ٹھنڈی

ہوا سے لطف اندوز ہوں گے۔

اطلاع ملی صبح ساڑھے آٹھ بجے ہمیں لینے بس آئے گی اور جینن ٹنگ ہائی لینڈ روانگی ہے پونے نو بجے تک انتظار کیا پھر فون کیا۔ بس میں جگہ نہیں تھی اب پانچ منٹ میں لیموزین آ رہی ہے ہم خوش ہو گئے اپنے ملک میں لیموزین کا نام بہت سنا تھا۔ کبھی ملاقات کا شرف حاصل نہ ہوا تھا۔ ٹھیک نو بجے ایک کار ہوٹل کے دروازے کے سامنے آ کر رکی۔ یہ لیموزین تھی۔ مسٹر اور مسز والٹر پچھلی نشست پر بیٹھ گئے ان کا سامان ڈگی میں رکھ دیا گیا ہم آگے بیٹھ گئے لیموزین کا ڈرائیور کوئی نیا آدمی تھا۔ رام صاحب کا پیغام لایا تھا کہ وہ کل صبح سات بجے ہمیں ریلوے اسٹیشن چھوڑنے آئیں گے کوالالمپور میں آج چھٹی نہیں تھی۔

بازار، سڑکیں، فٹ پاتھ، انسانوں اور ٹریفک سے بھرے تھے۔ ہمارے ڈرائیور تھوڑی دیر قابو میں رہے اس کے بعد محسوس ہوا یہ کسی کار ریس میں حصہ لے رہے ہیں ادھر ادھر دیکھا کوئی گاڑی نہ تھی۔ ہم نے ان سے گفتگو کرنا چاہی کہ شاید بات کرنے سے ہاتھوں کی کارکردگی پر اثر پڑے۔ لیکن مختصر جواب دے کر پھر سارا زور رفتار بڑھانے پر دیتے۔ ہم نے پوچھا ''جینن ٹنگ ہائی لینڈ کتنی دور ہے''۔ ''بیالیس کلومیٹر'' ''آپ کب سے نو رنگ ایجنسی کے ساتھ ہیں'' ''دس سال'' اس کے بعد خاموشی ہم نے بھی خاموش رہ کر اللہ کو یاد کرنا شروع کر دیا۔ گاڑی جس رفتار سے جا رہی تھی ہمیں یقین تھا یہ سڑک سے کم از کم چار فٹ اوپر ہو گی۔ سڑک اچھی تھی۔ لیکن اتنی اچھی بھی نہیں کہ آدمی یہاں شہید ہو جائے خیر یہ کب ہمارے اختیار میں ہے چاروں طرف سبزہ تھا۔ سڑک آہستہ آہستہ اوپر ہوتی جا رہی تھی۔ پہاڑ بھی نظر آ رہے تھے یوں محسوس ہوا اسلام آباد سے کوہ مری جا رہے ہیں۔

جینن ٹنگ کا مطلب ہے آسمان اور ذرا دیر میں واقعی آسمان کے نیچے پہنچ گئے سبزہ، پہاڑ، آسمان پر بادل، گاڑی سے نیچے اترے تو چاروں طرف سے بادلوں نے گھیر لیا اوپر سے ٹھنڈی ہوا، ایسا لگا کسی ڈیپ فریزر میں اتر گئے۔ وہاں ایک صاحب حمید نامی استقبال کو موجود تھے۔ وہ ہمیں ایک بڑے سے ہال نما ہوٹل میں لے گئے اور ایک کاؤنٹر کی طرف متوجہ کیا اور ہدایت دی کہ اس جگہ بارہ بجے آ جائیں۔ لنچ مل جائے گا۔ نہ جانے وہ ہمیں سکھ سمجھے یا وہ خود سکھ تھے۔

جینن ٹنگ ہائی لینڈ دراصل ایک بہت بڑا جوئے کا اڈہ ہے جسے ایک چینی چلاتا ہے اس میں تین ہزار سے زیادہ ملازمین ہیں۔ زیادہ تر لڑکیاں ہیں۔ اور اچھی شکلوں کی ہیں یہاں ملائشیا کے لوگوں کو جوا کھیلنے کی اجازت نہیں۔ شروع شروع میں جب جینن ٹنگ ہائی لینڈ شروع ہوا تو ہر ایک کو جوا کھیلنے کی اجازت تھی۔ اس لئے جلد ہی ہسپتالوں میں کمرے اور بستر کم پڑ گئے اس لئے اب مقامی لوگوں کو جینن ٹنگ ہائی لینڈ میں جوا کھیلنے کی اجازت نہیں۔ ادھر ادھر چوری چھپے داؤ لگا لیں تو بات الگ ہے۔ ہم کیوں کہ غیر ملکی تھے اس لئے بازی کھیل سکتے تھے۔ گائیڈ کے اصرار پر جیب میں پاسپورٹ بھی تھا لیکن کسی نے چیک نہیں کیا۔ غالباً شکل سے غیر ملکی لگتے تھے۔

حمید صاحب چلے گئے، ہمیں سرد ہوا کے جھونکوں کے حوالے کر کے۔ جب کوئی شخص اندر داخل ہوتا سرد ہوا کا جھونکا اندر داخل ہوتا۔ اور سارا جسم لرز جاتا۔ والٹر اپنے بیگ میں نہانے کا ڈریس لایا تھا اسے سوئمنگ پول کی تلاش تھی۔ ہم بھی اس کے ساتھ ہو لئے۔ اور کیا کرتے۔ سوچا خود نہیں نہا سکتے تو کیا ہوا نہاتے تو دیکھ سکتے ہیں سوئمنگ پول کا بورڈ لگا تھا۔ اسی سمت چل پڑے۔ ایک طرف گرم پانی کا پول تھا۔ دروازے کو دھکا دیا وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ تب ایک بیرے نے بتایا۔ آج چھٹی ہے۔ سارا شہر کئی دن بعد کام پر آیا ہے۔ اور یہ ابھی تک چھٹی پر ہیں۔ ہمیں تو صرف یہ دکھ ہوا کہ نہاتے نہ دیکھ سکے لیکن مسٹر اور مسز والٹر کو صدمہ یہ تھا کہ نہانے کا لباس لانا بیکار گیا۔ حالانکہ ہم کہنا چاہتے تھے بیکار کیوں گیا۔ پہن لیجئے شاید دوسرے سیاح اسے فیشن سمجھ کر خود بھی استعمال کر لیں اور اس سردی میں ہمارا گزر ہو جائے گا لیکن یہ بات کہہ نہ سکے۔ اتنی ہمت کہاں کہ جو جی میں آئے کہہ دیں۔ چاروں طرف بادل تھے، دھند تھی، ہوا تھی اس لئے باہر نہیں جا سکتے تھے۔ پھر خیال آیا اس عمارت کی سیر کی جائے ہماری یہ بات جرمنی والوں کو پسند آئی۔ لفٹ کے ذریعے پہلے سب سے آخری یعنی اٹھارویں منزل گئے وہ بند تھی بلکہ بیشتر منزلیں بند تھیں۔ شاید ابھی تک چھٹی منا رہے تھے۔

مسز والٹر نے کافی پینے کی خواہش کی۔ کیفے کی طرف رخ کیا۔ موسم سرما میں گرم کافی کا تصور ہی پسندیدہ ہے۔ اور کیونکہ ابھی وہ ہماری بات مان چکے تھے اس لئے ہم ان کی رہنمائی میں کافی پینے چلے ایک میز کے گرد کرسیوں پر بٹھا کر والٹر کاؤنٹر پر چلا گیا۔ اور واپس آ کر اطلاع دی کہ کافی

ڈھائی ڈالر اور ناشتہ پانچ ڈالر کا ہے۔ اس لئے پانچ ڈالر خرچ کریں۔ اور مزے کریں۔ ہم تو کھانے پینے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ اسی وقت اٹھ گئے جا کر دیکھا تو وہاں لوٹ مچ چکی تھی۔ سارے سیاح پانچ ڈالر دے کر سب کھا چکے تھے۔ اب تلچھٹ پڑی تھی۔ یا سور کے گوشت کے کچھ رول' فروٹ' سویٹ ڈش سب غائب' ہم تینوں بہ حسرت و یاس واپس اپنی میز پر آئے اور کڑوی کڑوی کافی بڑی بے دلی سے پی۔ ادھر کافی ختم ہوئی اور ادھر ہم نے جیب سے نکال کر ڈھائی ڈالر والٹر کی خدمت میں پیش کئے اس ظالم نے قطعاً تکلف نہ کیا جھٹ اٹھا کر شکریہ ادا کر دیا اب پھر ٹہلنے لگے اوپر کی منزل میں دیکھا شیشے کے پیچھے ایک بڑی سی جھیل ہے اس میں ایک کشتی کھڑی ہلکورے کھا رہی ہے دس بارہ میزیں اور کرسیاں رکھی ہیں۔ ہوٹل معلوم ہوتا تھا ہم تینوں نے خواہش کی۔ اگر اس میں لنچ ہو جائے۔ لیکن وہ تو کاؤنٹر سے ملنا تھا۔ اس لئے حسرت سے تکا کئے۔ اور ٹہلتے نچلی منزل پر آئے۔ اس وقت پونے بارہ بجے تھے۔ کاؤنٹر پر پہنچے تو ایک چھوٹے سے قد کے تیز تیز بولتے قمر الزماں ہمارے منتظر تھے۔ انہوں ایک ایک قلم تحفے میں دیا۔ ہمیں دیا تو بات سمجھ میں آتی تھی کہ اپنے وطن جا کر سفر نامہ لکھ دیں گے۔ والٹر اور مسز والٹر کے لئے قلم کا تحفہ سمجھ میں نہیں آیا۔ شاید تکلفاً دے دیا ہو اس کے علاوہ جوئے خانے کے آٹھ ڈالر کے ٹکٹ مفت اور لنچ کی نوید سنائی۔ اور جن تنگ ہوٹل میں ٹھہرنے کے لئے تیس فیصدی رعایت کا واؤچر اس کا مطلب تھا طعام کے ساتھ ہم قیام بھی یہاں فرمائیں اس کا نہ وقت تھا نہ موقع۔ دوسری صبح روانگی تھی سنگاپور رعایتی واؤچر تو اسے شکریہ کے ساتھ واپس کر دیئے۔ قمر الزماں ہمیں لے کر اوپر کی منزل پر چلے۔ اب جو دیکھا تو حیرت اور خوشی سے دوچار ہوئے وہ ہوٹل جو کشتی میں سوار تھا وہی جائے لنچ تھا۔ بس فوراً داخل ہو گئے۔

ادھر ادھر ہلکورے کھاتی کشتی خوبصورت میز۔ پہلے مؤدب بیرے نے مکھن لا کر رکھا۔ نہ ہم کھاتے ہیں نہ لگاتے ہیں اس کے بعد گرم ڈبل روٹی بڑی سی کیتلی میں بے مزہ سوپ جو نمک اور کالی مرچ ڈالنے کے باوجود بھی ویسا ہی رہا۔ پھر ٹماٹو ساس میں تین مرغی کے ٹکڑے۔ ہم تین تھے اس لئے پہلے خیال آیا یہ سب کے لئے ہے۔ لیکن مسٹر اور مسز والٹر کے لئے بھی یہی آئے۔ پھر آئس کریم اور تلخ گرم کافی۔ لنچ اچھا تھا کم از کم جگہ اچھی تھی۔ قمر الزماں نہ جانے کہاں سے چھپا

دیکھ رہا تھا۔ ادھر کافی کا آخری گھونٹ لیا اور میز کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ بتایا واپسی تین بجے ہے۔ اب جوا خانہ جاؤ۔ ہمارا اندر جانے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ قمر الزماں کا اصرار تھا۔ سارا گناہ اس کے سر اور ثواب اگر ہے تو ہمارا۔

ہوٹل سے جوئے خانے کے اڈے وہ چھوڑ گیا۔ اندر جانے کے لئے سفاری سوٹ میں ملبوس ہونا ضروری تھا۔ ورنہ باتک کی قمیص۔ یا پوری آستین کی شرٹ اور اس پر باتک کی ٹائی۔

عجیب شرط تھی نہ جانے ظالم اندر۔ کیا چاہتے تھے؟ ایک کاؤنٹر سے باتک کی قمیص اور ٹائی کرائے پر ملتی تھی لوگ لائن لگا کر لے تو رہے تھے لیکن ایسے بھی تھے جنہیں ٹائی لگانی نہیں آتی تھی اس کا انتظام تھا۔ ایک خاتون جن کے ہاتھ میں ٹائی دیکھتیں مسکرا کر نزدیک آتیں اور گلے میں پھندا ڈال دیتیں۔ ہم بھی نزدیک پہنچے لیکن افسوس بنکاک کے پنکی ٹیلرز نے ہم سے جانے کس جنم کا انتقام لیا تھا۔ ہمارے لئے سفاری سوٹ سی دیا تھا اور اس وقت وہی پہنے تھے۔ اس لئے نازک خرام سے اپنے گلے میں پھندا نہ ڈلوا سکے۔ اب اس لائن میں لگ گئے جو اندر جاتی تھی۔ زندگی میں بہت سی چیزوں کے لئے ''کیو'' میں کھڑے ہوئے تھے لیکن جوا کھیلنے کے لئے یہ ہماری پہلی قطار تھی ذرا دیر میں ہم دروازے کے اندر تھے۔ وہاں گہری خاموشی تھی۔ ہم سمجھے۔ یہاں بھی چھٹی ہو گی۔ ذرا آگے بڑھے تو دیکھا ہزاروں آدمی مشینوں کے گرد جمع ہیں۔ مشینوں کی آواز کے علاوہ اور کوئی ہنگامہ نہیں کچھ مشینوں پر خود کھیل رہے تھے۔ باقی خواتین کھلا رہی تھیں۔ ہم نے وہاں پری چہرہ خواتین کی بے قدری دیکھی۔ ان کے گرد کھڑا ہر شخص اس دائرے کو' نمبر کو' اسٹک کو دیکھ رہا ہے جو گھوم رہا ہے آگے بڑھ رہا ہے اس ہاتھ کو جو نوٹ لے رہا ہے۔ گن رہا ہے دے رہا ہے۔ ہم نے شاید اتنی آنکھیں ایک ساتھ ہاتھوں کی طرف متوجہ نہیں دیکھیں۔ لوگوں کے چہرے دیکھنے کے قابل تھے۔ امید۔ خوشی مایوسی۔ ذرا سی دیر میں جیب سے نکل کر نوٹ دوسری طرف چلے جاتے تھے۔ ہر شخص کسی خوش قسمتی کا منتظر تھا۔ اور وہ سب کاؤنٹر کے دوسری طرف خواتین کے ساتھ تھی۔ اس دن ہم نے لاکھوں نوٹ دیکھے۔ چند لمحوں کے بعد ہماری جانب اور پھر ہمیشہ کے لئے کھلانے والی کے پاس۔ ہمارے پاس بھی آٹھ ڈالر کے ٹکٹ تھے۔ ہم نے سوچا اس ٹیبل پر داؤ لگائیں گے جہاں کوئی نہ ہو صرف ماہ رخ ہو تا کہ ہار جیت میں بدلنے کی کوشش کریں۔ ایسی کوئی ٹیبل نہ تھی۔

سب ہی پر قسمت کا چکر چل رہا تھا۔

ایک ہال تھا جہاں کافی مفت مل رہی تھی۔ اس لاؤنج میں اندر گئے تو ایک خاتون نے چار ڈالر کا کوپن لے لیا اور دس لکھے ہوئے نمبر دے دیئے۔ وہ سامنے کاؤنٹر سے اوپر روشن ہونے والے نمبروں سے ملا کر کاٹنے تھے۔ یہ چینی تمبولا تھا۔ اودھر سے کچھ آواز آئی۔ اوپر نمبر روشن ہوئے ہم نے اپنے کاغذ سے نمبر کاٹے۔ یہ سب کٹ گئے۔ ہم نے ایک کارکن خاتون کو دکھائے۔ وہ ہنسنے لگیں۔ اور کاغذ ہمیں واپس کر دیا۔ ہم نے دو مختلف تمبولا کے نمبر ایک ساتھ کاٹ دیئے تھے ہماری سمجھ میں کچھ نہ آیا سوائے یہ کہ ہم چار ڈالر گنوا بیٹھے تھے۔ اور اس کے ساتھ ہی ان خاتون کو بھی جو کاغذ ہمیں دے کر جا چکی تھیں۔ کسی اور جواری کے پاس۔ ہم بازی ہار چکے تھے لیکن خوشی یہ ہوئی کہ ہمارا ہمسایہ والٹر بھی ہار گیا تھا اب واپس بڑے ہال میں آئے۔ دیکھا تو ایک بی بی شاید ٹیبل بند کر رہی تھی۔ کیونکہ اکیلی تھی۔ ہم لپک کر پہنچے اور چار ڈالر کا کوپن اس کے سامنے رکھ دیا "لے بی بی دلا دے ایک لاکھ ڈالر" وہ کہنے لگی "یہاں ہزار ڈالر ملتے ہیں" ہم نے کہا "ہزار بھی قبول ذرا دکھا کمال" وہ بولی "یہ کاؤنٹر بند کر رہی ہوں" ہم جھگڑنے لگے بند کیوں کر رہی ہو ہم تو ہزاروں میل دور سے کھیلنے آئے ہیں" ہمیں دیکھ کر دو تین جواری اور آ گئے جب جواریوں کی تعداد بڑھنے لگی تو موصوفہ نے ہماری طرف دیکھ کر کہا "نمبر" ہم نے کہا وہ تم خود لگاؤ ہمیں تو جیت سے غرض ہے۔ زندگی کی بازیاں مارے سر رہی ہیں آج بھی دیکھنا ہال لوٹ کر لے جائیں گے۔ جو لٹ نہ سکا مال غنیمت بنا لیں گے۔ وہ ان باتوں کو کیا سمجھتی صرف نمبر پر اصرار کرتی رہی ہم نے بھی اس کی مشکل آسان کر دی اور نمبر دس بتا دیا اس سے کم کیا ہوتا اس وقت کچھ اور جواریوں نے بھی رقم لگائی ایک بال اچھلی اور بارہ نمبر پر جا گری ہم اور سارے لوگ ہار گئے۔ ہمارے چار ڈالر گئے۔ ہم سمجھ گئے یہ سارا بے ایمانی کا کھیل ہے اور یہ سارا ہال مشینیں صرف اس لئے تھیں کہ آٹھ ڈالر چھین لیں۔ ہمیں بھی ٹھنڈ پڑ گئی۔ یہ احساس بھی ہو گیا کہ کچھ ایسی بازیاں بھی ہیں جو ہم ہار سکتے ہیں۔ ان میں جوا شامل ہے۔ ہم نے خاتون سے پوچھا یہ کون سا کھیل تھا تا کہ اس میز کا نام معلوم کریں جہاں لوٹے گئے تھے۔ یہ فرینچ بال تھی۔ اب ادھر سے مسکراہٹ شروع ہوئی یعنی "مال نکالو" ہم بھی مسکرا دیئے یعنی "ہم وہ نہیں جو گھر لٹا کر تماشہ دیکھیں اس لئے خدا حافظ"۔

نیچے ہال کے کاؤنٹر پر پہنچے تو لیموزین تیار کھڑی تھی۔ باہر نکل کر سردی سے ٹھٹھرتے گاڑی میں بیٹھے اور واپسی کا سفر شروع ہوا۔ ڈرائیور صاحب نے پوچھا "کہاں جانا پسند کریں گے" جہاں

دیکھنے کو کچھ ہو۔ ایک گھنٹے بعد ہم ایک عمارت کے سامنے کھڑے تھے یہ ہینڈی کرافٹ کا مرکز تھا۔ ہمارے لئے دیکھنا ضروری تھا۔ استقبالیہ پر جو خاتون تشریف فرما تھیں ان سے ملاقات ہوئی نور حسن نام تھا۔ اور گھر والوں نے شکل دیکھ کر رکھا تھا۔ حسن کا نور ادھر ادھر پھیل رہا تھا۔ موصوفہ پاکستان کی رہنے والی تھیں اب ہمارے پھیلنے کا وقت تھا۔ پاکستان نے ہمیں کیا نہیں دیا لیکن خاتون کا اصرار تھا وہ ملائشیا کی ہیں۔ لاکھ سمجھایا ان کی سمجھ میں نہ آیا۔ یعنی مہاجر کہلانے پر تیار نہ ہوئیں۔ انہیں دیکھ کر اپنی معلومات میں اضافہ کرتے رہے۔ جرمن جوڑا زیادہ متاثر معلوم ہو رہا تھا۔ یہاں ملائشیا کے تمام صوبوں کے اسٹال لگے تھے زیادہ تر لکڑی کے بنے اور زمین سے اٹھے ہوئے تھے ہم ریاست کا نام پڑھتے جاتے ہر اسٹال کے اندر اللہ محمدؐ کا نام شیشے یا لکڑی پر ضرور نظر آتا تھا بانس اور لکڑی کا کام تھا یہاں سب مسلمان لڑکیاں آنے والوں کا استقبال کر رہی تھیں۔ دستکاری کے نمونے' شیشے کا کام' لیکن مہنگے دام' ہم تو صرف وقت خرچ کرنے آئے تھے جو ہمارے پاس بہت تھا۔ ڈالر کم تھے اس لئے ہر ریاست کو مایوس کیا۔ اس عرصے میں جرمن جوڑا کسی اسٹال پر کام آ گیا۔ یہ اکثر ہوتا تھا ہم نے بھی پورے سفر میں اس بات پر برا نہیں مانا۔

اسٹال ختم ہوئے ہم تھک گئے۔ تب واپس ہوٹل آئے۔ گرم پانی بھر کر دیر تک ٹب میں تیرتے رہے شام کو چہل قدمی کرتے ایک اسٹور پر پہنچے۔ وہاں ڈھیروں آم بکتے دیکھے ایک خریدا حساب کیا تو چالیس روپے بنے' مجبوری تھی خرید لیا' سیلز گرل نے آم کاٹ کر دینے کی پیش کش کی ہمیں کیا اعتراض تھا نہایت صفائی سے چھلکا اتارا آم کے ٹکڑے کئے اور ہمارے حوالے کئے۔ لیکن اس کے لئے مزید ایک ڈالر دینا پڑا اب پچھتائے کہ یوں ہی چوس کر کھا لیا ہوتا۔ تو سکہ رائج الدنیا کیوں ضائع ہوتا۔ خاتون نے جھٹ ہمارا ہاتھ تھام لیا۔ مصافحے کے لئے۔ حالانکہ دھچکا دل کو پہنچا دیا۔ اسے تھامنے کی ضرورت تھی خیر اب کیا ہو سکتا تھا۔ ہوٹل پر پہنچ کر ہم نے جرمن جوڑے کو آم کی دعوت میں مدعو کرنا چاہا لیکن وہ بدنصیب تھے۔ کمرے میں موجود نہ تھے۔ مجبوراً پورا آم کھانا پڑا۔ اچھا تھا اب چالیس روپے خرچ کر کے برائی اچھی نہیں لگتی۔

کوالالمپور میں رات اتر آئی۔ کل صبح واپسی تھی۔ کمرے کی کھڑکی سے دور تک روشن سڑکیں اور مکان دیکھتے رہے نہ جانے کب سوئے۔ صبح ناشتہ کر کے باہر نکلے تو رام سامنے کھڑا تھا۔ ملائشیا میں قیام تمام ہوا۔ اب سنگاپور کو روانگی تھی۔

ٹرین میں بیٹھے تو رام گلے لگ گیا۔ الوداع ملائشیا جنگلوں' بارشوں' رنگوں اور خوشبوؤں کے ملک الوداع۔

ٹرین پلیٹ فارم پر رک گئی' سنگاپور آ گیا۔ خوش آمدید کسٹم آفیسر نے پاسپورٹ پر مہر لگا دی۔ ہم مسکرا دیئے ریلوے اسٹیشن کے باہر ایک طرف مسافروں کی لائن اور دوسری طرف ٹیکسیاں ایک ایک کر کے آگے بڑھ رہی تھیں والٹر اور مسز والٹر کے ساتھ ہم بھی بیٹھ گئے۔

''آپ کا سفر کیسا رہا؟'' ٹیکسی ڈرائیور نے ہمیں سیاح کی سند دے دی۔

''بہت اچھا''

''سنگاپور میں کب تک ٹھہریں گے''

''ہمیشہ''

ٹیکسی ڈرائیور نے چونک کر دیکھا۔ پھر خاموش ہو گیا۔ باہر ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔ سڑک کے بیچ میں۔ کناروں پر سبزہ اور پھول خوبصورت لگ رہے تھے۔ عمارتیں سر اٹھائے کھڑی تھیں۔ ٹریفک ادھر سے ادھر جا رہا تھا۔ سنگاپور ویسا ہی تھا۔ صرف سال بدل گیا تھا نیا سال جگمگا رہا تھا۔ ہماری منزل امپیریل ہوٹل آ گیا۔ یہاں ہمارے ساتھی منتظر ہوں گے۔ جو دنوں سے ہمارے ساتھ ہیں' ہنستے ہیں' خوش رہتے ہیں۔ خلوص سے ملتے ہیں۔ سفر کو خوش گوار بناتے ہیں۔ بڑے سے شیشے کے دروازے کے سامنے ٹیکسی رک گئی۔ ہم اپنا بیگ لے کر اترے۔ ہمارے سر پر چہرے پر کندھوں پر نرم نرم پھوار گرنے لگی' نرم ہاتھوں کا لمس پھر ایک سرگوشی ''لوٹ آئے سنگاپور سے چلے جاؤ گے'' ہم رک گئے بارش کی جھالر سے جھانک کر دیکھا۔ اندر فاطمہ عطر والا' شبیر لوٹیا' سیفی' نگہت صوفے پر بیٹھے تھے پھر فاطمہ عطر والا نے بے تحاشا ہنسنا شروع کر دیا۔ نگہت بھی ہنسنے لگی۔ سیفی اور شبیر نے ان کا ساتھ دیا۔ استقبالیہ سے نکل کر ایک لڑکی مسکراتی شیشے کے دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کے پیچھے سفید بھوؤں اور بشاش چہرے والا بوڑھا چل پڑا۔ دائیں طرف سے سنہری بالوں والا بچہ غبارے کی طرف لپکا۔ شیشے کے دروازہ کے نزدیک کھڑا دراز قد والا سکھ مسکرانے لگا۔ ہمارے چاروں طرف جل ترنگ بجنے لگا۔ موسم اور مسکراہٹ دل میں اتر گئی۔ ہم نے فیصلہ کر لیا کہ اس بے آواز بارش' سبزے' پھولوں اور مسکراہٹوں کے درمیان کھڑے رہیں گے۔ سنگاپور سے کبھی نہیں جائیں گے۔ اور ہم آج بھی وہیں کھڑے ہیں۔